

منقار اسلام حضرت مولانا سید الحسن علی ہودی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطبات علی میاں

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن - کراچی

دارالوہدیت

اردو بازار ایم تالے جناح روڈ ۵ کراچی ۱

خطباتِ علی میاں

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں

جلد ہفتم
ختم نبوت، عقائد و عبادات

جمع و ترتیب :

مولوی محمد رمضان میاں نیپالی
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن - کراچی

اردو بازار، محلہ بستی جٹ روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

جملہ حقوق باقاعدہ معاہدے کے تحت محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : اکتوبر ۲۰۰۲ء علمی گرافکس پرنٹنگ پریس، کراچی۔
ضخامت : 400 صفحات

..... ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی	بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور	بیت العلوم 20 نا بھ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	کشمیر بکڈ پو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد
مکتبہ امدادیہ ٹی بی، ہسپتال روڈ ملتان	کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ ہارکیٹ راجہ بازار اردو الینڈی
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور	یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
ادارۃ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی	بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

..... نیپال میں ملنے کے پتے

مکتبۃ الحرمین، مدرستۃ الحرمین للٹ پور (کاٹھمنڈو) نیپال
حاجی بک شاپ نیپالی جامع مسجد، دربار مارگ، کاٹھمنڈو
دارالعلوم ہدایت الاسلام، انروا بازار، سنسری، نیپال

فہرست عنوانات

ختم نبوت (۱)

۱۹

۱۹

۲۰

۲۳

۲۵

۲۸

۲۹

۳۱

۳۷

۴۶

۴۷

۴۹

۵۱

۵۱

۵۳

دین کی تکمیل اور امت کی نیابتِ انبیاء

محمد ﷺ پر سلسلہ نبوت کے خاتمہ اور ان کے بعد

ان کے منقطع ہو جانے کا اعلان

وہ صفات جو دائمی نبی اور آخری رسول ہی کے ہو سکتے ہیں

محمد رسول اللہ کی سیرت و حیات قیامت تک کے انسانوں کیلئے

قابل تقلید نمونہ واسوہ اور اس کے لئے نئی انتظامات

محمد ﷺ سے امت کا مضبوط دائمی رشتہ

بعثت محمدی کے وہ خصائص جو نبی نبوت کے متحمل نہیں

تمام اقوام و امم کے لئے رسالت محمدی کی عمومیت

اور اصلاح و تبدیلی سے بے نیازی

گزشتہ آسمانی صحیفے اور قرآن علم و تاریخ کی میزان میں

کسی نئے نبی کی آمد سے متعلق قرآن خاموش ہے

ختم نبوت کے بارے میں صریح و صحیح اور متواتر احادیث

صحابہ کرام اور ملت اسلامیہ کا محمد ﷺ کے بعد ختم نبوت پر

اجماع اور دعوی نبوت سے ان کی نفرت

ختم نبوت (۲)

ختم نبوت انسانیت کے لئے عزت و رحمت ہے

اگلے مذاہب میں مدعیان نبوت کی کثرت عقیدہ کی سلامتی

اور دین کی وحدت کے لئے خطرہ شدید

صفحہ	عنوان
۵۹	ختم نبوت دین کامل کا لازمی نتیجہ ہے
۵۹	دین اسلام کی زندگی و تازگی اور اس کی مردم خیزی کی صلاحیت
۶۲	تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکوں کا تسلسل اور اس کا راز
	احساس ذمہ داری اور باطل کا مقابلہ کرنے کے عزم و قوت پر
۶۳	عقیدہ بقاء نبوت کا اثر
	"ختم نبوت" ملت اسلامیہ کے لئے اللہ کی رحمت
۶۳	اور احسان و عنایت ہے
۶۵	ختم نبوت، فکری انار سے نجات
۶۵	عقیدہ ختم نبوت کا تمدن پر احسان
۶۶	مدعیان نبوت کا فتنہ عظیم
۶۶	دنیا میں مکالمات و مخاطبات الہی اور رویت باری کا فتنہ
۶۸	اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اجتماعی الہام اور جماعتی ہدایت
۷۱	مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی
۷۲	اسلام کے بدترین دشمن
۷۵	امت کی بقاء اور عقیدہ ختم نبوت
۸۷	امت محمدیہ کی بقاء ختم نبوت پر ہے
۹۱	ختم نبوت انعام خداوندی اور امت اسلامیہ کا امتیاز ہے
۹۱	ختم نبوت انعام خداوندی اور امت اسلامیہ کا امتیاز ہے
۹۳	دینی انتشار سے حفاظت
۹۳	ختم نبوت کا زندگی اور تمدن پر احسان
۹۳	قادیانیت کی جسارت اور جدت

صفحہ	عنوان
۹۵	اسلام کی بقاء اور تسلسل کے لئے فیہی انتظامات:
۹۶	ادیان سابقہ میں دعویہ ایران نبوت کی کثرت:
۱۰۱	”قادیانیت“ کا وجود اور اس کا اصل محرک و سرپرست
۱۰۷	وفات:
	آنحضرت ﷺ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی
۱۰۹	جس نے خفتہ ایران کو بیدار کر دیا
۱۱۵	نبوت، انسانیت کو اس کی ضرورت اور تمدن پر اس کا احسان
۱۱۵	مقام کی موزونیت:
۱۱۶	جامعہ کی پہلی ذمہ داری:
۱۱۷	زمانہ کو اس موضوع کی ضرورت:
۱۱۸	نبوت اور انبیاء قرآن کی روشنی میں:
۱۱۸	شوق انگیز اور محبوب موضوع:
۱۲۰	برگزیدہ مخلوق اور انسانیت کے کامل نمونے:
۱۲۲	قدرتی سوال:
۱۲۵	کوہ صفا پر:
۱۲۶	نبوت کی حکیمانہ تمثیل:
۱۲۹	ہدایت کا واحد ذریعہ:
۱۳۳	فلسفہ یونان کی ناکامی کا راز:
۱۳۵	عہد اسلامی کے فلسفہ کی لغزش:
۱۳۶	انبیائے کرام کا امتیاز:
۱۳۶	انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام:

صفحہ	عنوان
۱۳۷	انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل:
۱۴۰	رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں:
۱۴۰	اسلامی ممالک کے لئے خطرہ عظیم
۱۴۰	علماء و محققین اور انبیاء کرام کا فرایک تمثیل میں:
۱۴۲	مثالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ:
۱۴۳	مقدس ترین فریضہ:
۱۴۳	انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب:
۱۴۷	انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات، مزاج و منہاج
۱۴۷	مقام نبوت کو سمجھنے پر خود ساختہ اصطلاحات کا ظلم:
۱۴۹	قرآن کے مخلصانہ و عمیق مطالعہ کی ضرورت:
۱۴۹	انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق:
۱۵۳	انبیاء کی دعوت میں حکمت و تیسیر:
۱۵۶	دعوت انبیاء کا سب سے اہم رکن:
۱۶۱	ازل سے تا امروز:
۱۶۲	قرآنی اصطلاحات صحابہ کی نظر میں:
۱۶۳	دینی دعوت و تحریک کا بنیادی رکن کیا ہونا چاہئے:
۱۶۴	نوجوان داعیوں اور انشا پردازوں سے:
۱۶۸	دعوت انبیاء میں عقیدہ آخرت کا اہتمام:
۱۷۰	نصیحت اور موعظت کا اصل محرک:
۱۷۱	عقیدہ آخرت کا اثر انبیاء کے قابعین پر:
۱۷۲	اعمال کی غایت، آخرت میں سزایا جزا
۱۷۳	انبیاء اور ان کی قابعین کی سیرتوں میں آخرت کا مقام:

صفحہ	عنوان
۱۷۵	نبوی اور اصلاحی دعوتوں کا فرق:
۱۷۶	ایمان بالغیب کا مطالبہ:
۱۷۹	ایمان بالغیب اور ایمان بالظاہر:
۱۸۳	تکلفات سے پرہیز اور فطرت سلیمہ پر اعتماد:
۱۸۹	مدح صحابہؓ کے جلسے اور کرنے کے کام
۲۰۳	نسل نو کے ایمان و عقیدہ کی فکر کیجئے!
۲۰۳	تسلل ایک قانون قدرت ہے:
۲۰۴	اعتقادی تسلل کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا:
۲۰۵	ایمانی تسلل کی خاطر یعقوبؑ کی فکر:
۲۰۹	نئی نسل کے ایمان و عقیدے کی فکر کیجئے:
۲۱۱	اس فکر کو عام کیجئے:
۲۱۳	دین و ایمان کو بچانے کے لئے جان تک قربان کر دی جائے
۲۱۵	معاشرہ کی تعمیر کے عناصر
۲۲۵	عید رمضان کا انعام اور ثمرہ ہے
۲۲۵	جسے عید کہتے ہیں
۲۲۶	عید تو رمضان المبارک کا صلہ ہے
۲۲۷	عید مختلف ادوار سے گذری
۲۲۸	زندگی تبدیلیوں کا نام ہے
۲۲۹	باغی اور سرکش نہیں بلکہ گنہگار اور قصور وار
۲۳۱	کریم کا احسان

صفحہ	عنوان
۲۳۳	دو روزے
۲۳۳	روزہ معمولی نھت نہیں
۲۳۴	اسد م خود ایک روزہ ہے
۲۳۷	یہ دنیا تاج محل نہیں
۲۳۹	اپنی زندگی پر شریعت نافذ کیجئے
۲۴۳	معاشرہ پر روزہ کے اثرات
۲۴۳	روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل و احکام
۲۴۴	رمضان کو روزہ کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا؟
۲۴۵	عبادت کا عالمی موسم اور اعمال صالحہ کا جشن عام
۲۴۶	عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کے اثرات
۲۴۶	فضائل اور اس کی قوت و تاثیر
۲۴۸	روزہ کی روح اور حقیقت کی حفاظت
۲۴۸	اور ایجابیت و سلبیت کا امتزاج
۲۵۳	پوری زندگی عبادت ہے
۲۵۳	عبادت کا مفہوم
۲۵۷	رمضان المبارک کا مبارک تحفہ
۲۵۸	رمضان المبارک کا تقاضا
۲۶۳	دینی سرحدوں کی حفاظت
۲۶۹	ان باتوں کا خیال رکھیں تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی
۲۷۵	مسلمانوں پر ایک نظر قلب پر تین اثر

صفحہ	عنوان
۲۷۵	مست
۲۷۶	تیرت
۲۷۸	نست
۲۸۱	عبت
۲۸۳	علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے
۲۸۹	اللہ اکبر
۲۸۹	تکبیر اور اس کے آفاق
۲۹۰	اس شہادت کی اہمیت اور تاریخ میں اس کے کارنامے:
۲۹۳	قصہ دو باغ والے کا
۳۰۱	زندگی کے کمرشے
۳۰۱	حیات طیبہ کیا ہے؟
۳۰۱	زندگی کی بے ثباتی!
۳۰۲	عمر اور عقل کا فرق
۳۰۲	دل کو بلا دینے والا اعلان
۳۰۳	ماں کیا ہے اور کیا ہوگی
۳۰۳	ماں اور بیوی کا فرق:
۳۰۴	مال ایک عذاب:
۳۰۴	فیشن اور بلی بیوی
۳۰۵	قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ
۳۱۱	علم حدیث ایک بیش بہا خزانہ

صفحہ	عنوان
۳۲۳	ابدی کتاب
۳۲۴	ایک سبق
۳۲۵	زکوٰۃ کا صحیح مصرف
۳۲۶	زکوٰۃ کے سفارف اور اس کے اجتماعی اطلاق کا قیام
۳۲۸	زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات
۳۲۹	تبشیر و انداز
۳۳۰	مالداروں سے لیا جائے اور غرباء میں تقسیم کیا جائے
۳۳۱	اتقویٰ، تواضع اور اخلاص کی اسپرٹ
۳۳۳	رمضان المبارک مومن صادق کی حیات نو
۳۳۳	رمضان کا کوئی بدل نہیں
۳۳۴	رمضان کی فضیلت و عظمت:
۳۳۴	نادر موقع
۳۳۴	اللہ پر یقین اور ثواب کی لالچ
۳۳۵	روزہ برائے افطار
۳۳۵	روزہ عادت یا عبادت
۳۳۶	روزہ رضائے الہی کا ذریعہ
۳۳۶	رحمت باری کا مظہر
۳۳۷	تلاوت کا موسم
۳۳۷	عبادت و طاعت کا مہینہ
۳۳۸	حقوق العباد کی فکر
۳۳۸	رمضان حیات نو کا آغاز:

صفحہ	مضمون
۳۴۸	حقوق کی رعایت و ادائیگی
۳۴۸	طلب علم اور علماء و صاحبین کی ہم نشینی
۳۴۹	رمضانِ تقدس بآئینز مہینہ
۳۴۹	تہجدِ نیت اور اخلاصِ عمل
۳۴۹	آٹومیٹک وضو اور خود کار نمازیں
۳۵۰	دائرہ شاہ علم اللہ کا پیغام
۳۵۰	شہرِ خموش کا حق
۳۵۰	ایصالِ ثواب کی برکت:
۳۵۱	کیا خبر یہ آخری رمضان ہو:
۳۵۱	دردِ پاک کی کثرت
۳۵۳	دو انسانی چہرے قرآنی مرقع میں ثبات و استقامت تردد و تذبذب
۳۶۹	عالمِ نو
۳۶۹	دنیا کی عمر:
۳۶۹	بعثتِ نبوی اسے پہلے دنیا کے حالات:
۳۷۱	امت کے لئے حضور ﷺ کی قرباتیں
۳۷۱	حضور ﷺ کی محنت سے زمانہ میں ایک انقلاب برپا ہوا
۳۷۳	عید الفطر کا پیغام
۳۷۴	عید کا ذکر:
۳۷۵	توفیق کا مطلب:
۳۷۵	اس کو چھٹی ندی جس کو سبق یاد ہوا:
۳۷۷	دنیا حقیقی عید سے محروم ہے:

صفحہ	عنوان
۳۸۱	اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے
۳۸۷	افغانی قوم کے انقلاب اور ان کی قوت کا سرچشمہ
۳۹۷	قوموں کی زندگی شخصیت اور پیغام کی رہن منت ہے

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب اپنے والدین دامت برکاتہما کی
جانب کرتا ہوں۔ یقیناً یہ میرے لئے انتہائی سعادت مندی
کا باعث ہے۔

جی ہاں! والدین کا وجود باسعود ہر اولاد کی ہر خوشی منجہائے
مقصود ہے!

محمد رمضان نیپالی

خطبات کی اہمیت

قال رسول الله ﷺ

عليكم بمحاضرة العماء واستماع كلام الحكماء . فان الله تعالى يحيى القلب الميت ببور الحكمة كما يحيى الارض الميتة بماء المطر . (حدیث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اہل علم کی ہم نشینی وراہل حدوت کا کام سننے و خود پر لازم کرلو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلم مردود و نور صحت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منہیات ابن حجر عسقلانی

درِ دِل

مفسر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کو ہم سے جدا ہوئے آج ٹھیک مین سال کا عرصہ گزر گیا، ماہ رمضان المبارک کی ایک سو تین تاریخ ہمیں حضرت کی رحلت کی یاد دلاتی ہے، اور چشم کو رلاتی ہے، آج آپ اس دنیا فانی میں نہیں ہیں لیکن آپ کے علمی نقوش (خطبات ملی میں) کی ترتیب و اشاعت کے موقع پر آپ کی یاد اور آپ کے فقیہ المشائخ کا رنا سے نمکین دل کو یاد آ رہے ہیں اور آپ کے چمے جانے کے بعد پیدا ہونے والا خلہ آ آنکھوں کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی ردا رہا ہے۔

میں ان کی تعلیمات اور افکار رندہ ہیں جن میں ملت اسلامیہ نئے زندگی کا پیغام ہے خصوصاً حضرت قدس سرہ کی تقاریر ان کے خطبات و بیانات کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا حضرت رحمہ اللہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہمیں کامیاب زندگی کی طرف رہنمائی فرما رہے ہیں، ان ارشادات و خطبات کی بدولت دل کو سہارا دیکر غم کو ہکا کیا جاسکتا ہے، خطبات ملی میں ان سابقہ جہد جو کہ علم و دانش کے ماضی و حال پر مشتمل تھی جس میں ان تقاریر، خطبات کو جمع کیا گیا تھا جو عصر کی آرزو کا ہوں اور زندگی جامعیت میں لے گئے تھے، اب آپ کی خدمت میں جہد ششم پیش کی جا رہی ہے جس جہد میں مسرت و مسرت و مسرت و مسرت کے ان خطبات و تقاریر کو جمع کیا گیا ہے جو ختم نبوت و عقائد و مبادیات سے متعلق ہیں۔

آپ کی دینی و ملی خدمات کا اس وقت ہندوستان و برصغیر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ پورے عالم تک پھیلے ہوئے تھے، مشرق سے مغرب تک، ہندوستان سے ایران، مصر اور مراکش تک ہندوستان پر آپ و مرید میں متبعہ مسلمانوں کی ساری بیٹیاں تک حضرت رحمہ اللہ کے فکر و عمل کے اثرات میں تھیں، آپ کی تمام تر علمی و جہد مسلسل کام مرزوحیوت دین، شاعت اسلام اور پیغام مسرت تھا، آپ کے سطور میں انصاف و توازن جو تھیں، اسے سنا جاتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی دینی و ملی خدمات سے کیا جو مزین بنایا تھا اور جو طرز خطابت اختیار کیا تھا اس میں حق و حقیقت کے ان کے متواضع و حیثیت کے لحاظ سے جو اسلوب کا اہم من سب ہوتا اس کے

مطابق بات فرماتے، یونکہ دین کی دعوت تو عظیم ترین دعوت ہے جو کہ حکمت و موعظت کی طالب ہے اور جو ہر زمانہ میں مخاطب لے گا۔ اس سے بدلتی رہتی ہے، نئی طب کے علم و عقائد کا جذبہ رہتے ہوئے کسی بات نہ کرنا جو اس کی عقل میں اتر جائے، جس سے اس کا دل و دماغ روشن ہو جائے، جو تنہا نظری اور پست فکر و خیال کے احاطہ سے سامع کو نکال دے اور سامع کو عظیم جذبول کی نئی جولان گاہیں بخشے، دینی دونوں کو ہمبہرہ لگائے، مربوط دل کو پھیلا دے بلکہ اس سے بھی آگے فطری جرأت و استقامت، ایمان و یقین سے سربیز خود اعتمادی اور گہری گرفتار سے سامع کے لب و دہیہ لے لے لے لے لے لے اور زور استدلال، پراثر مواد سے اعتدال و توازن برقرار رکھ کر ہمہ پورا انداز میں رہنمائی کرے۔

جی ہاں! یہ تمام خصوصیات حضرت امام علی میاں قدس سرہ میں بدرجہ اتم موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی قلبی صدا آج بھی فضا میں گونجتی رہتی ہے۔ ہر ایک خطبات علی میاں کی جلد ہفتم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کی برکت سے حضرت کے پیغامِ موسمی امت کے دل میں اتارے اور جذبہ دعوت، جذبہ عمل اور جہد مسلسل پر ہمیں کھڑا کر دے۔

ان ربی لسمیع الدعاء

راقم عجز محمد رمضان میاں نیپالی

ختم نبوت (۱)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا
ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له
وشهد ان لا اله الا الله وشهد ان محمدا عبده ورسوله الذي ارسله
الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وادعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا

حضرت اب جب کہ توفیق الہی سے منصب رسالت و نبوت ﷺ، اس کے عالی مرتبہ
حائس اور ان کے خاتم و مکمل محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کے ہم پہلوؤں اور گوشوں پر قرآن
عظیم کی رہبری و رہنمائی، اور تاریخ و سیرت کی روشنی میں اپنے معروضات اور فکر و مطالعہ کا
خاصہ اور نتیجہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی ضروری اور من سب معلوم ہوتا ہے کہ ختم
نبوت اور خاتم النبیین ہونے کے مسئلے پر قرآن مجید ہی کی رہبری و رہنمائی میں اور سیرت
و حدیث تاریخ ادیان و ملل، مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور فلسفہ اجتماع و تمدن کے بدیہی اصولوں
، اور طویل تجربے کی روشنی میں گفتگو کی جائے کہ یہی ہماری علمی سفر کی آخری منزل، اور
ہمارے اس قسمی طوائف و جمعی کا آخری نقطہ اور منتهی اور ان کے خطبات کا ”حسن خاتمہ“ ہے چونکہ
اس زمانے میں کچھ غلط اندیش لوگوں اور مفاد پرست لوگوں نے اس واضح اور متفق علیہ عقیدہ کو
غیر آلود کرنے، اور اس کو ایک متنازعہ فیہ علمی مسئلہ کی شکل دینے کی کوشش کی ہے، اس لئے
کچھ خطابات کے مقابلے میں اس مسئلے پر ہم کو قدرے تفصیل اور نسبتہ دراز نفسی کی ضرورت
پیش آئی گی اور شاید اس کو دو حصوں اور مجسوں میں تقسیم کرنا پڑے۔

دین کی تکمیل اور امت کی نیابت انبیاء

خدائے عم و کبیر کا ارادہ قاہر و غالب، دین اسلام کو نقطہ کمال پر پہنچانے اور اس کو ہر دور و

دیہ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے میں پورا ہوا سربراہ محمد یحییٰ نے خدا کا پیغام اور
دین کی امانت کو بندوں تک پہنچانے اور اللہ کے راہ میں جہاد کا پورا حق ادا کیا اور ایک ایسی مت
تیز بروائی جس نے نبوت کا منصب پر بغیر ۵۰ نبوت کی فہم و دریاں شہباز میں اور اس
دعوت سدا موعے کرھٹے ہوئے، دین کی تحریف و تبدیلی سے بچنے، دنیا کی خیر خواہی، اور
ہرزمانے میں اور ہر مقام پر انسانیت کا احتساب کرنے پر ہامور و متعین کر دیا گیا۔

کتھم حیرامۃ احرحت لدس سامروں بالمعروف و سہووں عن المسکر
و تو مہون باللہ

قر بہترین امت ہو جو انسانوں سے سارے دین کی بنیاد پر مبنی کا علم دیتے ہو اور
برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

خدا کی حکم زد میں یہ سب سے متدرج تھا کہ دنیا میں پیغمبروں سے بے نشین، ہم و ہدایت سے
روتھ میں اور ثبات و استقامت کے وہ قریب دور میں موعود ہیں کہ جو ان دین و ہدایت
میں غلو اور زیادتی کرنے والوں کی تحریف و بدعتوں کے خلاف انتساب، اور جاہلوں کی بے
جانتاویں سے پرتے رہیں، عقیدہ ہیں کہ اس فیصلہ کی بنیاد بشارت دیتا ہے کہ نبوت
نبوت کے بعد

لا تہزل طائفہ منی طاہرین عسی الحق لا یصبر ہم من حدلہم حتی باتی
امر اللہ وہم کدالک

یہ دین مت میں سے ایک جماعت، برحق یقین موعود بشارتوں اور ان کے ساتھ
نہایت ان کا بہت بکارنے کے ہیں تاکہ مددگار بنیں (قیامت کے دن
اور وہ اپنی حال میں ہوں گے۔

محمد یحییٰ پر سلسلہ نبوت کے خاتمہ اور ان کے بعد

ان کے منقطع ہو جانے کا اعلان

جب عام دشمنوں و مشرکین میں یہ بے ہوشیا تو اس کا حال نہ ہو گیا کہ انسانوں میں عقائد
و شریعت کی تعلیم (جس پر ان کی دنیوی فلاح اور آخری کی نجات کا مدار ہے) اب وحی ملائکہ کے
ذریعے، اور کسی نئے نبی کے واسطے نہیں دی جائے گی اور نبوت اور نزول وحی کا آخری سلسلہ محمد

پہنچا پتھر یا چارہ ہے۔

نبوت وہی کے نزول، اور ملامت یا تنبیہ جس کیل کے ذریعہ انبیاء سابقین اور محمد رسول اللہ ﷺ
وخلق خد فی تعبہ و ہدایت پر مامور کرنے کے تذکرے سے قرآن مجید میں بھرا ہوا ہے، یہاں پر
پندت پرست پیش کی جاتی ہیں۔

یسرں الملکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ ان اندروالہ لالہ
الا انا فاتقون

وہ فرشتوں و پیغاموں کے اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے
جیتتا ہے کہ تم یہ اعلان کر دو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں تو مجھ سے ڈرو۔

والہ لتسویل رب العلمین یسرں بہ الروح الامیں علی قلبک لتکون من
للدین بدسان عربی مبین

اور یہ قرآن رب اعلیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے جسے ان فرشتے لے کر آپ
ﷺ کے پاس لے آئے ہیں تاکہ آپ کھلی عربی زبان میں ڈرائے والوں میں سے ہوں۔

وما کان لیسرں ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا
فوحی یا ذیہ ما یشاء انہ علی حکیم

نہیں بشرط یہ کہ یہ فرشتے اس سے بات کر لیں کہ وہ بات وحی اور
پہنچا کے ذریعے سے نہ ہو وہ فرشتے پہنچے اور وہ رسول کو اس کے حسب اجازت اس کے منشاء
سے آجائے۔ اللہ یقین بند اور رحمت والا ہے۔

فی برلہ روح القدس من ربک بالحق لیشت الدین امواوہدی
وبشری للمسلمین۔

آپ کہہ دیجئے کہ اس کتاب کو روح القدس فرشتہ آپ کے رب کے پاس سے ٹھیک
ٹھیک لے کر اترا ہے کہ ایمان لانے والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے
ہدایت و نجات کا سامان ہو۔

وما یطو عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی علسہ تنذیر القوی دومرہ
دستوی و هو بالا فقا الا عسی تم دما فتدلی فکاں قاب قوسین او ادسی

فاوحی الی عبدہ ما ووحی

اور نبی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا یہ صرف وہی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے اور اسے بھرپور طاقت اور قوت والے فرشتہ نے اسے سکھایا تو وہ پورے نظر آئے اور وہ بندہ افق پر تھے پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے ذصلے پر یا اس سے بھی کم پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف جو بھیجنا سو بھیجی۔

فل من کان عدو الجویل فانہ لولہ علی قلبک باذن اللہ مصدقا لما بین یدہ وھدی و بشری للمومنین

ہر وہ کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (اس کو غصہ میں مرنے چاہئے) اس نے تو (یہ کتاب) خدا کے حکم سے دل پر نازل کیا ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کیلئے ہدایت اور بشارت ہے۔

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عندہ العرش مکین مطاع تم امیں وما صاحبکم لمحزون ولقد راہ مالا فاق المبین وما ہو علی العیب نصین

بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے جو صاحب قوت نامک حشر کے ہاں اونچے درجہ والا سردار (ور) مانتا رہا ہے اور (مدہ والو) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) کیونکہ انہیں ہیں بیشک انہوں نے اس (فرشتہ) کو (آسمان سے اُتھائی) مشرقِ نادرہ پر دیکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں۔

لیکن جہاں تک وجدانی اور لدنی علوم اور حکم و سعادت اور ان اطلعات کا سوال ہے جو بعض پائیدار فنون اور ریاضت و مجاہدہ اور علوم و تحقیق کے مندرجہ میں غواصی کرنے والوں والہامِ مہر و بی باقی ہیں اور جو کچھ لوگوں کو "نوائے سر و شایانہ" کے غیب کی صورت میں سنائی دیتی ہیں اس کا نبوت سے تو دور کا بھی تعلق نہیں بعض اوقات اس کیلئے ہدایت و حقانیت کی بھی شہادت نہیں ہوتی۔

یہ اعلان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ نبوت محمد ﷺ پر ختم کر دی گئی اور یہ مضمون و مفہوم ایسے سرتی و واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اس نے ہرے میں کچھ بحثی اور شبہات پیدا کرنے کی کوشش وہی شخص کرے گا جس نے اس میں

چور ہو یا اس سے اس کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔

وہ صفات جو دائمی نبی اور آخری رسول ہی کے ہو سکتے ہیں

قرآن مجید نے سلسلہ نبوت کے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ رومی پر ختم ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کی عدم ضرورت نہ ہونے کے اظہار کے لئے گونا گوں اور نہایت بے غش اسباب بیان اختیار کئے ہیں جو ہر وقت قلب و دماغ کو پورے طور پر اپیل کرنے والے ہیں۔ اس کے لئے کبھی تو قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے خاصہ صفتوں اور اوصاف ایسے انداز میں بیان کئے ہیں جن سے عقل سلیم رکھنے والا ہر انسان یا سنی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ ایک زندہ جاوید پیغمبر اور قیامت تک کے لئے قابل تقلید نمونہ اور مثالی شخصیت ہیں چنانچہ ارشاد ہوا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَحَاتِمَ السَّيْرِ

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کر دینے والے) ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

قرآن نے آپ کے آخری نبی ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے اسی قوم کو زبان اور تعبیرات سے کام لیا ہے جن کی زبان میں وہ اثر ہے درجہ اس کے اوہین مخاطب اور اس کے سمجھنے اور پھر دنیا کو سمجھنے اور بتانے پر مامور تھے یہ زبان ان کے درمیان رابطے بول چال اور ادائے مطلب کی زبان تھی۔ میں اس زبان کی محیر العقول وسعت و صدادیت کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس میں کمال و انتہا بتائے والی فطرتِ ختم سے بہتر موجود نہیں۔ اور اس مطلب کے لئے یہی فتنوں اور شعروادب میں ان کی نوک زبان رکھتا تھا اس لئے ان کی زبان میں خاتمِ ختم اور ختم کے وہی معنی پائے جاتے ہیں جو قرآن مراد لیتا ہے یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ آخری رسول اور ختمِ انبیاء ہیں جن کے بعد کوئی اور سرائی آئے وار نہیں۔

قرآن نے آخری رسالت کے حامل رسول اللہ ﷺ کی ایسی صفتیں بیان کی ہیں جو آپ ﷺ کی رسالت کی ابدیت اور بدائتِ ہر نسل ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے لئے مثالی نمونہ اور اسوۂ حسنہ کی صلاحیت و اہمیت کی طرف واضح اشارے کرتی ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

و ذکر اللہ کثیراً

تم و پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملے) اور
روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

قل اے کتمہ تحون اللہ فاتعونی بحکمہ اللہ و یعمر لکم دینکم واللہ
غفور رحیم

(اے پیغمبر و لوگوں!) بہد و کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا
تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور خدا بخشتے ہیں مہربان
ج۔

یا ایہا الہی انا ارسلناک شہداً و مستوراً و لدیراً و داعیاً الی اللہ مادہ
و سراجاً مہیراً

اے پیغمبر! ہم نے تم کو واثی، مینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرائیو والا بنا کر بھیجا
ہے اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ خدا عالم اقیانوس فی ذات تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے عقلمندوں اور
بلغ ایوں کا بھی یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی ایسے بادشاہ کی مدح و توصیف میں سحر طرازی اور نفس
درازی سے کام میں جس کی سلطنت عارضی اور جس کا ستارہ اقبال روز و ال ہے اور اس کی جدہ ولی
دوسرا صاحب تاج و تخت سینے والا ہے اسی طرح ان حیموں و روانشوروں کی جوانی مکارہ کی نظر
رکھتے اور خوب ناپ توں رکھتی بات کہتے ہیں یہ طینت و افتاد طبیعت نہیں کہ وہ کسی ایسے بچے کی
سات پر مبارک باد دینے میں فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھائیں جس کے متعلق کسی قرینہ
سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی زندگی مختصر اور اس کی بہار چند روزہ ہے وہ ایسی جستی کی درازی عمر اور
بند قہر کے گیت بند آہنگی سے نہیں گاتے جس کے متعلق بعد میں کہنا پڑتا ہے۔

خوش درخشید و لے دولت مستعجب بود

محمد رسول اللہ کی سیرت و حیات قیامت تک کے انسانوں کیسے قابل تقلید نمونہ واسوہ اور اس کے لئے غیبی انتظامات

باب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ رami تمام انسانی طبقات اور ہر زمانے اور ہر مقام کی انسانی نفسوں کے لئے مثالی نمونہ اور نصب العین ٹھہری تو اللہ کی رحمت و عنایت ان سے ذخیرہ آثارِ اخلاص و وظائفِ اخلاق و خصائل اور عادات و شمائل کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوئی اور مسلمانوں کے قلوب و ذہان آپ کے اقوال و افعال و عادات و عبادات و نشست و برخاست اور جھوٹ و ضحوت کے حرکات و سکنات سے معلوم کرنے اور محفوظ کر لینے کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور انہیں اس میں ایسی خوبیت و انہماک ہوا جس کی نظیر منی مشکل ہے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مٹنی طاقت ہے جو ان کو اس منزل سے تھکے ہوئے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایسا رواں دواں رکھے ہوئے ہے کہ اس کے بغیر ان کو چین نہیں آتا اور ان کی زبان حال کہتی تھی

رشتہ در کردنم آفتندہ دوست

میں ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

اس وجہ اور اعتناء پر ایک جینی اور اذیتھری کا اندازہ حدیث و سیرت و شمائل کی کتابوں اور حلیہ و سہاپائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان روایتوں سے ہوتا ہے جو خاندانِ نبوت کے بعض افراد اور ہر وقت کے حاضر باش اصحاب کرام سے منقول ہیں۔

ادب و تاریخِ نسب و نسب کے وسیع ذخیرہ میں اس سے زیادہ باریک بینی و اضطراب و احتیاط کسی ورثہ کی پیدائش و مرقع نگاری و رخدق و عادات و آئینہ داری کے سلسلہ میں دکھائی نہیں دیتی۔ مثلاً کے طور پر امام ابو یوسفی رحمہ اللہ (۲۰۹-۲۷۹ھ) کی کتاب شمائل پر ایک نظر ڈالتے ہیں یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ خلقِ خدقی و خلقی اوصاف و عادات معمولات و مرغوبات و مرغوبات کی باریک تنبیہ سے کو قلمبند کرنے کا یہ اعجازی اہتمام اور اس ذاتِ رami سے الٹی تعلق رکھنے والی چیزوں کے تفصیلی احاطہ کی مثال انبیاء کی یہ توں اور مشاہیر عالم کے تذکروں میں تلاش کرنا ایک سعیِ باطل ہے یہ کوشش محض اتفاقی واقعہ یا کسی شخصِ رجبی کا نتیجہ نہیں قرار دی جاسکتی۔

اسی طرح جو شخص امام بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ) کی "ادب المفرد" کو غور سے دیکھے گا جسے اس نے عظیم اہمیت و معنی سے اسلمی آداب و مکارمِ خلقی و حسن معاشرت و حقوقِ صحبت

تہذیب و تربیت نفس زندگی کے اندر رہا ہوا رکے موضوع پر تصنیف کیا ہے اور جو تمام تر اقوال و افعال و تعلیمات نبوی پر مبنی ہے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ کوشش کوئی حادثہ و اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ خدا کے عزیر و مہم فی بین مائش کے مطابق ہے اور یہ سب اس کے کیا کیا ہے کہ ہم زمانے و مہل میں اللہ کے نازل ہونے پر عمل ہو سکے۔

عَدَّ كَارَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّأُولَ الَّذِينَ كَانُوا يَحْسِكُمُ اللَّهُ

تہذیب و تربیت نفس زندگی کے اندر رہا ہوا رکے موضوع پر تصنیف کیا ہے اور جو تمام تر اقوال و افعال و تعلیمات نبوی پر مبنی ہے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ کوشش کوئی حادثہ و اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ خدا کے عزیر و مہم فی بین مائش کے مطابق ہے اور یہ سب اس کے کیا کیا ہے کہ ہم زمانے و مہل میں اللہ کے نازل ہونے پر عمل ہو سکے۔

اور تاکہ کسی بہانہ طبیعت کے لئے یہ سب کا موقع نہ رہے کہ وہ کوشش قدم باقی نہیں جس پر ہم میں نہیں وہ واقعات و حالات محفوظ بنائے نہیں کہ ہم اپنے سے وہ نمونہ بن سکیں جیسا کہ انبیاء سے یاد میں ہے اور ان کا یہ نام و پرچہ ہمارے واقعات باقی رہ گئے جو عقیدہ و پیروی کے کافی نہیں۔

حدیث نبوی کو ہم ایک طرح کا روزنامہ چاہتے ہیں اور اس میں سب سے زندگی کا ہوتا ہوا موقع ہر لمحے میں جو آپ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اس ربّ الارضی پر نہایت ہی محنت و کوشش سے بتاتا ہے کہ رسول اللہ غنیہ زندگی کی س طرح گزارتے تھے اور آپ کے روز و شب کے معمولات یہ تھے کہ صبح ہم اس سے اخلاق نبوی کی باریکیاں عادات و رجحانات جذبات و خیالات قبول و عمل کی وہ تفصیلات ہر لمحے میں جو ہم عہد ماضی کے حالات کی بھی بہت سی حد تک سمجھتے ہیں۔ یہ متعلق نہیں ہوتا ہے۔ اس سے فریاد ہوتی بھی انسان اپنے نبی و اس طرح پرچہ سنا آپ کی بات سے استفادہ کرتے ہیں۔ انسانی قدریہ سے فیضیاب ہوسکتا ہے کہ گویا وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہے اور آپ کی باتیں سن رہا ہے اور آپ سے ساتھ رہ رہا ہے یہ طریقہ حفاظت و تعارف ان تمام خطرات اور مفاسد سے پاس ہے جو تہذیب و تمدن سازی میں پائے جاتے ہیں اور ان کی وہ کئی کئی امتیں بری طرح شکار ہوئیں جنہوں نے اپنے پیغمبروں و روحانی پیشروؤں کی پیروی نہ کرتے تھے۔ اس سے تصور کی مراد ہے تراشی کا سہارہ یا مہربان خیر علی سے برقی میں پوش ہو گئیں۔

ناظرین وحدیث کی کتابوں میں سے حجتہ اوداع کا قصہ ہی اندازہ کرنے کیسے کافی ہوگا۔
راویوں نے اس سفر کی وہ تمام جزئیات اور چھوٹی چھوٹی تفصیلات اور احوال و واقعات بھی نقل
کے ہیں اور جن کی طرف سے موصوفہ پر توجہ بھی نہیں ہوتی اور جن کی کوئی بڑی تاریخی قدر و قیمت
نہیں سمجھی جاتی اور جن کا ذکر موصوفہ پر مشاہیر و اکابر و شاہوں اور سربراہوں اور اہل فضل و مال
کے سفرناموں میں نہیں ہوتا۔

حدیث کے اس واقف و ذخیرہ کی مدد سے ہر زمانہ ادوار ہر مقام کے فضل و وسیع النظر مصنفین نے
مسلمانوں کے لئے ایسی کتابیں مرتب کیں جن کی چوری زندگی میں مکمل دستور العمل و رہ
ہدایت نامہ کا کام دے سکیں اس لئے تاریخ کی طبقہ اور مشغہ سے تعلق رکھنے والی مسلمات
یہ ارادہ کرے کہ وہ ہر قدم پر نہ موصوفہ میں اور زندگی ہر سرگرمی میں ہریت نبوی ﷺ کی اتباع
کرے کا قویہ چیز اس کیسے ممکن ہے جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں ان کی تعداد بہت زیادہ
ہے یہ کتابیں ملامت اسلامیہ کی پیشہ زبانوں میں ہیں اور ان کی تمام اراکے موضوعات کا اثر مختلف
ہے کوئی بہت مبسوط ہے کوئی مختصر ہے کوئی شش ماہیہ ہے شش ماہیہ کے شش ماہیہ اور امت کے
ایک ممتاز فرد علامہ ابن قیم (۶۹۱-۷۵۱ھ) کی کتاب "زاد المعاد فی ہدی خیر العبادۃ" امتیازی
شان رکھتی ہے۔

۱۱۔ موصوفہ اور پہلے مذاہب سے رہنماؤں کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ان کے
واقعات اور نقوش حیات ماضی سے بے نیچے دفن ہو گئے ہیں اور ان کی وہ اہم کڑیاں (جن
کے بغیر تاریخ علم ہی نہیں ہو سکتی) اور جن سے بغیر اتباع و اقتداء کا کوئی قدم ہی نہیں اٹھایا جا
سکتا) اس طرح مٹیں کہ انہیں پانا ممکن نہیں اور یہ بات حسمت الہیہ کے عین مطابق اور نظام
علم کے قوانین کے بالکل موافق بھی معلوم ہوتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی کرداروں کی جو
نمونہ و مثالیں اور آئینے کا کام دیں ایک محدود عمر ہوتی ہے جس کے ختم ہو جانے پر ان اقدار کو
تسلیم و تسلیم کرنے کی کوئی افادیت نہیں رہ جاتی لیکن جب ان کی ضرورت باقی اور انکی
ہوتی ہے تو وہ زمانہ و زمانہ کے انقلاب سے باہر باقی رہتی ہیں ان کا تسلسل قائم رہتا و رہتا
بہر و رہدہ ہو وید بن جاتی ہیں جن کی رہتی رہا۔

حدیث صحیح میں آتا ہے۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالْأَسَرِ الْأَمْعَىٰ
 تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے زاریں
 کے باپ اس کے بڑے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔
 اور قرآن ہوتا ہے

الَّذِي أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجَهُ أَمْهَاتُهُمْ

ترجمہ

پیغمبر محمد مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ مہتمم رہتے ہیں اور پیغمبر کی بیویوں اس
 کی ماں ہیں۔

یہ ان ایسے نبی پر ایمان لانے کے بعد محبت و محققانہ یہ وحدت پر رہنا چاہی جیسا کہ
 ان محبوب ترین شخصیات کے رقیب و رقیبات پیدا ہو جاتے ہیں یہ فطرت انسانی کا عین تقاضا
 ہے و فطرت انسانی ہمیشہ سے ایسے ہی چلی آ رہی ہے۔

بعثت محمدی کے وہ خصائص جو حق نبوت کے متمم نہیں

قرآنی ساریب میں سے یہاں خوب بیان و توضیح ہے جو رسول اللہ ﷺ کی جامعیت و
 مراتب و شریعت کے تعاون میں استعمال ہے یہ بتدوین ہنگامات و قصص و حیات و شریعت و
 نبی و نبوت و آسمانی رسالتوں کا سلسلہ محمد ﷺ پر قائم ہوا چنانچہ قرآن مجید نے واضح عربی
 زبان میں اس میں کوئی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں یہاں کہہ دین اپنے مومن انسانی نہ صرفیات و
 تنسیل اور بقائے دوام کی ہدایت و صلاحت و ارتقائی منزل پر پہنچایا چنانچہ ارشاد ہوا

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضْتُ لَكُمْ

الاسلام دینا

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل فرمایا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری فرمادیں
 اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عارفانہ و انباتہ و اعلان کے موقع پر ماحجری میں نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد جیسا
 کہ اس حدیث و روایات کے مجموعہ سے ثابت و درست ہوئی ہے کہ انسانی

نہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کل ۸۱ دن اس دنیا میں رہے اور اکابر صحابہ جو اس دین کے اسرار و
 سب سے پہلے بہتہ سمجھتے اور مقاصد شریعت کے جاننے والے اور حضور سالت مآب ﷺ سے
 سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ محبت کرنے والے اور آپ کی زندگی کی آرزو مند تھے
 وہ ان کے سرخیل حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تھے وہ اس آیت سے آنحضرت
 سے وقت مفارقت کے قرب اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت آ جانے کو بھانپ کے تھے اس لئے
 آپ ﷺ کا پیغام پہنچا دینا چاہتے تھے کہ یہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور اللہ کی نعمت اس کے بندوں پر تمام
 ہو چکی تھی مگر ان میں سے بعض حضرات رونے لگے اور بعض لوگوں نے قیمت کی اس گھڑی
 کے قریب آ جانے کی خبر دی اور بعض ذکی وفہیم علماء یہود نے (جن کی تاریخ و مذاہب پر نظر تھی)
 یہ سنا۔ یہ سنت یہ یہی مہتری اعزاز ہے جس سے مسلمان سر فراز کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ
 دین کے لئے وہ کچھ ہے جس میں کوئی دوسرا دین شریک نہیں اور انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا
 کہ جس دن میں یہ آیت اتری ہے اسے یادگار دن بنا دینا چاہئے آنے والے زمانوں میں بھی
 اس کا جشن منانا اور مسلمانوں کی اس دن پر مسرت و تشکر کا اظہار کرنا چاہیے۔

۱۰۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی جن پر یہ آیت اتری تھی یہی سمجھا چنا تھا آپ نے حجۃ الوداع کے
 خطبہ میں (نہتے یہاں انسان کا نیکا کے سن رہے اور یاد کر رہے تھے) فرمایا۔

ایہا الناس! انہ لا سی بعدی، ولا امة بعدکم الا فاعبدوا ربکم، واصلوا
 احکمکم وصوموا شہورکم، وادوا زکوٰۃ اموالکم طیبۃ بہا انفسکم،
 واطیعوا ولایۃ امرکم تدخلوا جنة ربکم۔

اے وہ لوگو! نہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آنے
 والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچوں نمازیں پڑھنا، ایک ماہ کے
 روزے رکھنا اور خوشی سے اپنے مال کی زکوٰۃ دینا اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرنا ایسا
 کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔

اسی طرح قرآن نے اس کی صراحت کر دی کہ اس دین کے بقائے دوام، طلب و اقتدار، اور
 شہرت و مقبولیت طے کر دی گئی ہے، وہ عزت و حرمت کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ کر اور اس کا کلمہ
 بلند ہو کر رہے گا، اس کی روشنی ضرور پھیلے گی اور اس کی صداقت یقیناً علم آشکار ہو کر رہے گی،

ارشاد ہوا

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لبطهره علی الدین کله
و کفی باللہ شهیداً

وہی تو ہے جس نے پیغمبر کو ہدایت (کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا تھا کہ اس کو تمام
دینوں پر غالب کرے، اور حق ظاہر کرنے کے لئے خدا ہی کافی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لبطهره علی الدین کله ولو
کرہ المشرکون

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تھا کہ اس کو تمام
(کے) تمام دینوں پر غالب کرے، اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

یریدون لیطعنو اور اللہ ما فواہمہم واللہ مسہ نورہ ولو کرہ الکھروں
یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی و منہ سے (چھوٹ کر) چھین لیں، مگر خدا
اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

یہ سب کفایتیں اور ضمانتیں خبریں اور احادیث اس کی خبر دے رہے ہیں کہ یہ دین خدا کا
آخری دین اور ہر زمانہ اور ہر جگہ کے انسانوں کی ایک ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے
میں اپنا ارادہ چور کر کے رہے گا خواہ لوگ اسے پسند کرے یا نہ پسند کرے اس کے دشمن اور حریف
اس سے صلح کرے یا جنگ، جس دین کی یہ شہادت ہو، اور جس نے بارے میں اتنی سچی خبریں اور
چیلنج اس کتاب میں آئے ہوں، جس میں ہمیں سے باطل کی گنجائش نہیں تو عقل سلیم اس کے یہ
ماننے پر بھی تیار نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی نسخ و تبدیلی کو قبول کرے گا، یا کسی نئے نبی اور رسول کی اس
کو بھی احتیاج پیش آئے گی۔

تمام اقوام و امم کے لئے رسالت محمدی کی عمومیت
اور اصلاح و تبدیلی سے بے نیازی

اسلام سے پہلے مذاہب و فرقہ ویم شریعتیں کبھی کسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہوتی تھیں یا
کسی مقام اور خاص مدت سے مختص ہوتی تھیں، یہودی مذہب کی دعوت کسی زمانے میں بھی
تمام لوگوں کے لئے نہ تھی اور یہود سے نہ کسی کتابوں میں نہیں نہیں کہا گیا کہ وہ اپنے پیغمبر کو دنیا

کی تمام قوموں تک پہنچی ہیں۔ ہندو ایتھوس وارد ہونے ہیں، ہوا اس سے روتے اور ان کی تبلیغی سرزمینوں کے قومی دائرے تک ہی محدود رکھتے ہیں، اس کا یہ طبعی اور فطری نتیجہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کے درمیان تفریق کر رہے اور خیر و شر، نیکی و بدی کے مختلف پیمانے بنا دیے اور خاندانوں کے اختلافات سے بدلتے رہے۔

ڈاکٹر سمن فیضی خاقان مریم جمیلہ جو پہلے یہودیہ تھیں اپنی کتاب ”اسلام اور اسرائیل“ کتاب ”صنیعہ“ میں لکھتی ہیں: ”عمل ایسا نہیں کہ یہودیہ اور ہروا کو اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہوں، وہ ”ہو“ اپنے دین میں آنے پر خوش آمدید نہیں کہتے، ان دنوں اسرائیل تارکین میں دو مشاغل کے حامل ہے، وہ مجھے کوئی مثال معلوم نہیں جب غیر یہودی بڑی تعداد میں یہودی ہو رہے ہوں ”ایسا ایک بار شین میں بحشت تندی سے چند صدی پہلے ہوا تھا، وہ دور سے موقع پر تاریکی، اصل مملکت خزر میں غیر یہودی ایک بڑی تعداد یہودی ہوئی تھی جو روس میں چھوٹے حصے رہے۔“

مہر حقیق کا مکتوب اور ہروا اس کی سطح میں کارفرما ہے اس حقیقت کی واضح صورت پر کتاب شانی کرتی ہیں اس کتاب کے پرچے، اسے ”ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہودیہ کا ”شاہنامہ“ یہودی کتاب کی کتاب امتناقب یا مخصوص کتاب ”اسب پر ہر پائے اس میں روحانی و اخلاقی تعلیمات، مکارم اخلاق کی ترغیب، مساوات انسانی، اور احترام آدمیت کا تصور، زبرد و تہذیب نفس، دنیا کے مقابل دین اور جنت کی لذتوں کی بونی تہذیب، اور دوزخ کے عذاب کیسے ہوتے تو فیہ و ترسیب اور ڈرو نہیں ملتا جس سے نفس کا تذکیہ ہو، قرب میں رقت اور پیار، اور غیر اسریگی قاری کے اندر اپنی شرافت و مسکویت کا کوئی شعور، بیدار ہو، یہ کتاب نے تمام قصوں، حکایتوں اور احکام سمیت یہودیہ کے سرگھومتی ہے، جنہیں ان کا دین اور ان کی نابہ خدا کی برائی و تہذیب قرار دیتی ہے۔

ان میں سے کئی دعوتیں ہیں، اسرائیل میں خلیجی قسطنطینوں نے اس کی خواہش امت کی تھی، ”اموی“ اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھی وہ سیتے آتے ہیں، انہوں نے اپنے شاگردوں سے دعا کی ہے کہ۔

”میں اسرائیل کی ہر مذہب، ملی، عیسائی، اور ان کے یوں نہیں مینہاں۔“

اور مذہب کی توجہ ان میں جنم کی ہے، ان کی صرف منہ طیف کی جو بنی اسرائیل سے

نسل و نسب کا تعلق نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے معذرت کر دی اور فرمایا۔
 ”لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں“

ان کی رسالت ان کے زمانہ ان کے عہد اور انہیں کی آدمیوں تک موقوف و محدود رہی انہوں نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کیلئے بھیجا تو ان کو حکم دے کر کہا۔

”فیہ قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھر انہ کی کھوئی ہوئی بھیتوں کے پاس جانا“

دوسرے مشرقی اور ایشیائی مذہب جیسے ہندومت وغیرہ کا معاملہ اور بھی حیرت انگیز ہے جس کے یہاں غیر آریوں اور غیر برہمنوں کو بکس اور پلید سمجھا جاتا ہے انہیں جانوروں کا درجہ دیا جاتا اور بھی ان کے ساتھ کتوں کا معاملہ کیا جاتا۔

س لئے خدا کی رحمت و حکمت کا تقاضہ تھا کہ کوئی نیابتی آئے جو نئی تعمیرات اور شریعت و قانون میں نئی اصلاحات کا حامل ہو جو بدلے ہوئے زمانے اور حالات کے تقاضوں کو پورا کر سکے اس لئے ادیان سابقہ میں تو عیش پسند تن آسان امراء و حکام کی خاطر شریعت میں ایسا لوچ اور ڈھیل پیدا کر دی گئی تھی جس کی وجہ سے مذہب رخصتوں کا مجموعہ اور ہوا و ہوس کی تسکین کا سامان بن گیا تھا کبھی تشدد پسند طبیعتوں اور عالی عابدوں اور زاہدوں کی سخت گیری اور دقت پسندی کی وجہ سے مذہب ایک ناقابل عمل ضابطہ زندگی ایک ظمانہ شکنجہ بن کر رہ گیا تھا جس کی موجودگی میں زندگی کا جزلذوق اور آزادیوں سے بھی متمتع ہونے کا موقع باقی نہیں رہا تھا اسی بناء پر وقت فوقتاً اس صورت حال کی اصلاح سیئے انبیاء کو مبعوث و مامور کیا گیا چنانچہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔

و مصدقا لما بین یدی من التوراة ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم
 و جنتکم بایۃ من ربکم فاتقوا اللہ و اطیعوا

اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازاں ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں)
 اس سے بھی (آیا ہوں کہ) بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لئے حلال
 کر دوں اور میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تم خدا سے ڈرو اور
 میرا کہا مانو۔

قرآن نے نبوت جدیدہ کے ان دو اسباب کے خاتمہ کا اعلان کر دیا اس نے ایک طرف اعلان کیا کہ رسالت محمدی ایک آفاقی اور عالمگیر پیغام اور دعوت ہے جس کے فیض سے نہ کوئی قوم ملت محروم ہے اور نہ اس کے خطاب سے کوئی طبقہ یا جماعت مستثنیٰ ہے۔ ارشاد ہے۔

قال يا ايها الناس اني رسول الله الـكم جميعا الـى له ملك السموات والارض لا اله الا هو يحيى ويميت

(سُورَةُ اٰلِ اٰمِیْن) ہمد و ذکر لوہ میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگانی بخشتا اور مرنے دیتا ہے۔

وما ارسلک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا اولکں اکثر الناس لا یعلمون

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سننے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور جتنے نبی بھیجے ہیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہان میں رحمت ہی (بنا کر) بھیجا ہے۔

تبارک الـی سول الفرقان علی عبدہ لیكون للعالمین نذیرا

وہ (خدا کے عز و جل) بہت بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر فرقہ ساز بنایا تاکہ اہل عالم میں نذیر بنے۔

ان هو الا ذکر للعالمین

یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام سب کا حق اور تمام اقوام و ملل تمام قومیتوں اور نسلوں تمام خاندانوں اور خانوادوں تمام ملکوں اور خطوں کی دولت مشترکہ اور اجتماعی میراث ہے اس میں یہودی ہندو و برہمنوں جیسی کوئی درجہ بندی نہیں اس میں کوئی قوم دوسری قوم سے نہیں کوئی نسل دوسری نسل سے ممتاز و برتر نہیں اس میں رنگ و نسل کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ یہاں شمار ذوق و شوق

حسن قبول و طلبِ قدردانی اور احسان شناسی جہاد اور دینِ تقویٰ میں مسابقت و مقابلہ کا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتِّقَاكُمْ أَنْ اللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ.

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے بھی فتح مکہ کے موقع پر اعلان فرمایا۔

الناس بسوا ادم وادم خلق من تراب لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقویٰ.

سب وگ آدم کے بیٹے ہیں اور آہم مٹی سے بنے تھے کسی عربی کو نجی پر فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے سب۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند سے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

لو كان العلم بالثريا لماله أناس من أساء فارس.

اگر علمِ ثریاء پر بھی ہو تو اسے ایران کے کچھ وگ پالیں گے۔

دوسری طرف اس دین کے سہل و مطبق فطرت و قابلِ عمل ہونے کا جائز اعلان یہ ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ.

خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تکلیف نہیں کی۔

چھپسی امتوں اور ملتوں میں جو نہ یانہ اور تشددانہ قوانین وضع کر لئے گئے تھے اور انتہا پسند

زادہوں و بدوں اور محدود علم رکھنے والے قانون سازوں نے زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا اس کو

آخری نبوت و شریعت نے ختم کر دیا اور ان قوموں کو اس مصیبت سے نجات دی قرآن مجید

میں اس نبیؐ کی تعریف میں کہا گیا۔

يَا مَرْهَمَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَهَا هُمَ عَنِ الْمَكْرِ وَيَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبُ وَيَحْرُمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثُ وَيُضَعُّ عَنْهُمْ أَصْرُهُمْ وَالْأَعْلَالُ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہرتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس کی بھی وضاحت کر دی کہ اگر بڑے سے بڑے عاقل اور قانون ساز لوگ بھی بشری ضروریات اور مختلف احوال کی رعایت رکھنا چاہتے تو بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے جہاں تک اللہ کے علم محکم کی رسائی ہے۔ ایت میراث میں فرمایا گیا۔

ابائوكم وابائوكم لاتدرون ايهم اقرب لكم نفعاً فريضة من الله ان الله كان عليماً حكيماً.

تم کو معصوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدہ کون سے فائدہ سے ہونے والا ہے زیادہ قریب ہے یا یہ جسے خدا کے مقرر کردہ ہو۔ میں اور خدا سب کچھ جانتے والے اور حکمت والا ہے۔

يريد الله ليبين لكم ويهديكم سنن لدن من فلككم ويتوب عليكم والله عليم حكيم والله يريد ان يتوب عليكم ويريد الذين يتبعون السهوات ان تميلون ميلاً عظيماً يريد الله ان يحفف عنكم وخلق الانسان ضعيفاً

خدا چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور تم کو اگلے دنوں کے طریقہ بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور خدا جانتے والا (اور) حکمت والا ہے اور خدا تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے بھٹک کر درجہ برزخ خدا چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہٹا کر اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔

ان خصوصیات کی بناء پر اب نہ کسی ایسی نبوت و شریعت کے آئینہ کی ضرورت ہے۔

ادین سابقہ کے خلاف) ہر زمان و مکان اور ممل و اقوام کے لئے عمومی اور نوع انسانی کیلئے ہدایت کا پیغام ہوا اور نہ ایسی نبوت و شریعت کی آمد کی ضرورت ہے جو گزشتہ مذاہب اور شریعتوں کے وقتی حکام و قوانین کو منسوخ اور اس تشدد و غلو مردم آزادی اور فطرت پیزاری کے رجحان کی اصلاح کرے جس نے مذہب کو ایک شکنجہ اور زندگی کو ایک عذاب بنادیا تھا اور دنیا میں ایک سہل الفہم اور سہل العمل دین پیش کرے جو صحیح معنی دین فطرت ہے اس لئے کہ یہ دونوں خصوصیتیں خدا کے دین اسلام اور اس کی شریعت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

گزشتہ آسمانی صحیفے اور قرآن علم و تاریخ کی میزان میں

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف و تبدیلی کا نشانہ اور تلف و تباہی کا تختہ مشق بنتے رہے ہیں اس لئے کہ امتوں نے ان کو حفظ و بقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی بلکہ اسے ان کے مصلحتیں کے سپرد کر دیا تھا اس کے علاوہ بشریت اور ان کی مخاطب امتوں کو ان کی مذہب و ریت اور مذہبی سلیکے رہتی جیسا کہ بہاؤیہ۔

انا انزلنا التوراة فیہا ہدی و نور یحکم بہا النبیین الدین اسلموا للذین
ہادوا والربانیون والاحبار بما استحفظون من کتب اللہ وکانو علیہ
شہداء

بہت کم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت و روشنی ہے اسی کے مطابق انبیاء
(وہ خدا کے) فرمان بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی
یہودیہ وہ کتاب خدا کے نبیان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الہی کا
یقین رکھتے تھے)۔

تاریخی طور پر ثابت اور ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے
کیا ہے جن کے پاس صحیفہ آئے تھے مہد متیق کے صحیفے برابر عارت سری اور تشدد کی کاٹھلے
طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں اور خود یہودی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے
مواقع پیش آئے ہیں پہلی دفعہ جب بخت نصر (۶۲۶ ق م) بابل کے بادشاہ نے
یہودیوں پر ۵۸۶ ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان نے
قریت و تختیں اور آل موسیٰ و آل ہرون کے تبرکات محفوظ کر دیئے تھے اور جو یہودی قتل سے

نہی سے انہیں وہ قید کر کے بابل سے لایا جہاں وہ پچاس سال تک رہے اور عند راجی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو "تورہ" کہلاتے ہیں اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات کو تاریخی اسلوب میں لکھا پھر تمپ نے کتابوں کے دوسرے سلسلہ کا اضافہ کیا اور داود کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

۱۱۔ سری باریب اطیورخوس چہرے نے اس کا قتب لیتا تھا جو یونانی لفظ کیے کا بادشاہ تھا بیت المقدس ۶۸ ق م میں حملہ کیا اور ۳۰۰ نف مقدس کو ہرایا اور توراۃ کی تلاوت اور یہودی شعیر اور بیات و حکماء روک دیا یہود امقابل نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع و مرتب کرنا شروع کیا اور عہد حقیق میں صحیفوں کے تیسے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری پارہینس (۱۰۸۱-۱۰۸۰) روٹن بادشاہ نے بیت مقدس پر بے قہرے میں مدیا و اس کو مکمل عیدان سمیت بر باد کر کے ۷۰ میر نے اور مذہب میں تبدیل کر دیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے ان کی یادگار کے طور پر اپنے رہی اسومت بیتا اور یہود کو باطن کر کے شہر سے ہرایا۔

غنیہوں کے ان صحیفوں و آسمانی کتابوں کی صحت و حفاظت اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار و نقطہ نظر اس معیار اور نقطہ نظر سے قطعاً مختلف ہے جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے مسلمان قرآن مجید کے ہر لفظ کلام الہی مناس من اللہ اور اپنے زمانہ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ رہتے ہیں یہودیوں کے نزائیت کتابوں میں ترمیم و کمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں وہ انبیاء و ان کا مصنف کہنے میں جسی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں اندر جبہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر اور اپنی کتاب متدہ سے بارے میں نقطہ نظر کا اس قدر اندازہ ہو سکتا ہے ممتاز ترین یہودی فضلاء اور ماہرین فن کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے۔

”یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انہیں مروروں کی تصنیف ہے جو ان میں مذکور ہیں اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے مگر انہیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔“

”قدیم یہودی روایات کے مطابق قریت کی پہلی یا دنی کتابیں (آخرت کے آیات و چہرے) جن میں موتی و موت کا ذکر ہے) مہدی کی تصنیف ہیں ان میں ان صحیفوں کے متعدد تائیں اور

اختلافات کی جانب رُبی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انہیں درست کرتے رہے ہیں۔

”اسپیڈز کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ کی نہیں مذران تسمیف

ہیں۔“

”جدید ترین تحقیق نے آخر کار یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ

کتابیں مازمہ ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔“

جہاں تک اناجیل اور جہ کا سوال ہے (جو عہد جدید وہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہد قدیم سے بھی بڑا ہے اس کی تدوین اور اس کے مضمین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک و شبہ پایا جاتا ہے اور ان سے اور حضرت مسیح کے درمیان ایک بڑی خلیج حاصل ہے جس کا پاشا اور جسے عبور کرنا کسی بھی شوق اور مورخ کے امتحان میں نہیں رہا ہے یہ انیسویں دینی نو سوئوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر و تبدیلی اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں اس کے علاوہ وہ آسمانی کتابیں اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے یہ وسوسے اور وقعات و دکائیت کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں اور اس کی شہادت یہ وہ شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ و ادوار پر وسیع اور گہری نظر ہو جن سے یہ کتابیں نزلتی رہتی ہیں۔

یہ انجیل مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجے کے مجموعہ ہے۔ حدیث و سنن کا استناد اور اعتبار، اعتبار بھی نہیں رکھتے، چہ جائیکہ وہ سچ سے سچ کے برابر ہوں اس لئے کہ یہ کتابیں اپنے مؤلفین سے روح اللہ فیہ تک مسلسل اور متصل سند اور سند رشتہ رکھتی ہیں مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط و دیانتداری کے ساتھ سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عجب اور نقص (عت و شذوذ) نہ ہو اس کے برخلاف تمام اناجیل سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں ان کی ان کے مؤلفین تک کوئی سند متصل نہیں اور نہ ان کے مؤلفین سے حضرت عیسیٰ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں جس میں وہ نازل ہوئے تھے اور جسے حضرت مسیح اور ان کی قوم بولتی تھی بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برترجمہ ہوتے چلے آ رہے ہیں اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں ہم تک پہنچے ہیں اس

لئے یہ درحقیقت سیرت و تاریخ کی کتابیں اور قصص و مواہظ کے مجموعے ہیں انہیں احتراماً مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلادناموں سے یاد نہ کریں تو انہیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جاسکتا ہے جن میں صحت و تحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا انہیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے سے غلط ہے اور ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ موازنہ اور مقابلہ ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نو مسلمہ انجیلی مستشرق موسیو استین دینیہ نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی و تاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

”اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰؑ کی قوم کی زبان میں دی تھی وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے اور اب اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں رہ گیا ہے یا وہ خود تلف ہویں یا عمد تلف کر دی گئیں اسی وجہ سے عیسائیوں نے اس کی جگہ پر ”تائیفات“ کو اپنا لیا جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک ہے کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں جس کا مزاج حضرت عیسیٰ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا اسی لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہودی توراۃ و عربوں کے قرآن سے نہیں کمزور ہے۔“

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں واضح تضادات اور عقائد محال چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب یا کیا ہے جو اس کے جلال و کمال کے کسی طرح شایان شان نہیں اور نہ اس کی صفات ہی کے مطابق ہیں جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں اور جنہیں عقل سیم تسلیم کرتی ہیں اس میں انبیاء پر ایسا اہتمام و الزام نہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں ان کے مدوہ بھی بہت سے داخلی شواہد توراۃ و انجیل میں (جنہیں مجموعی طور پر بائبل یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے) الحاق و اضافہ اور تبدیلی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ ان صحیفوں کا حال ہے جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے لگاے ہوئے ہیں اور دنیا کی دو متمدن ترین قومیں (یہودی اور عیسائی) ان کی حقہ بگوش اور سمبردار ہیں اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو ”اہل کتاب“ کا

لقب اور ایتن زدیا باقی رہے ہندوستان کے ”وید“ اور ایران کی ”اوستا“ تو ان کا زمانہ انا قدیم ان کے بارے میں تاریخی معومات اس قدر کم اور ان کے اصل مطالب اور حقیقی مقاصد تک پہنچنا اس قدر دشوار ہے ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی مشکوک ان کا زمانہ کا تعین اور بھی دشوار اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔

اسے ہر تھ ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پیسن اپنی کتاب ”ہندوستانی مذہب“ میں لکھتے ہیں۔

”اگر ہم کچھ الحاقی مواد الگ کر دیں جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل نہیں ہے تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی اصل عبادت باقی رہ جاتی ہے جیسا کہ چھ یہ ہے بس اس کا دعویٰ بھی رہتا ہے یعنی نہ تو یہ منجانب خدا بنے کا مدعی ہے ورنہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی مٹی پوشیدہ رکھتا ہے اس کی عبارت میں بہ مشائض اضافے اور تحریفات کی ہیں لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے چر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین رنیا اندازہ گا بہت مشکل ہے ہر ہمنادہ حصے جو سب سے بعد میں تحریر کئے گئے ہیں وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے ہیں ویدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اس کی قدیم ترین کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے۔“

خود ممتاز ہندو فضلاء اور ہندوستانی ماہرین نے محققین اس صحیفوں کے متعلق کیا رائے رکھتی ہیں اور ان کی بے رگ تحقیق اور فکر و نظر نے ان کو اس نتیجہ تک پہنچایا ہے اس کا اندازہ ذیل سے اقتباسات سے ہوگا۔

مشہور فضیل سریش چند چکرورتی میجر کلکتہ یونیورسٹی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

”اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں ان میں ایک کی نمائندگی بالانکا اہر تک کرتے ہیں اور دوسرے کی کس مرتلک کا خیال ہے کہ ویدوں سے مناجا ۴۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے جبکہ کس مرتلک وید کو ۲۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا حالانکہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی فکر و خیال کی قدیم ترین دستاویز ہے رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتقاد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ رگ وید

ہی سے اس میں حفاظ کی یہ سے انجمن شریعت ہوئی اپنا نچہ واقعہ یہ معونہ میں ہوسکتا ہے پیش کیا
مسلمانوں میں سے ایسے آدمی شہید ہوئے جو قرآنی حافظ وہاں مسلمان تھے۔

اور ان میں حفاظ کی تعداد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے سبب اور ان کی رعایت کے
سبب بڑھتی ہی رہی ہے اور یہ جب خیز سہ ماہ چھوٹے بڑے شہر اور مسلم معاشرے میں جاری
مسلمان قرآن و ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل
ہوتے رہتے ہیں اور وہ اس کے حفاظ میں وہ بہت سے ممالک کی قیادت اور ترقی پر غور کیا
اور اس کے برعکس اس کی تمام تر ساری تاریخ و شوق و شغف رہتے ہیں۔
مغیر مسلمانوں کو اس کا یقین نہیں ہوگا کہ وہ غیر مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے اور
مسلمانوں کے تعلق رکھتے ہیں اس کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں
بہت بڑھ رہی ہے اور اس زمانہ میں قرآن کی تعداد انہوں سے متجاوز ہے۔

یہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے چالیس بیٹوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار
وہ اس طرف اہل طور پر متوجہ کیا تھا جنک یہاں میں سب شریعت سے حفاظ قرآن شہید
ہوئے تو انہیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت قرآن کی بقا ہو (اس کا دار و مدار حفظ پر ہی رہا)
نظر دہ حق ہو سکتا ہے یہ دنیاں سب سے پہلے نصرت فرموا جو سب سے پہلے مسلمانوں کی مصیبت و
ضرورت سمجھنے میں اویست رہتے تھے اور جن کے دل کی آواز شریعت و نصرت سے ہم آہنگ
ہوئی تھی اپنا نچہ آپ نے نصرت و ہر کے سامنے جو خفیہ وقت تھے قرآن کو جمع و رقیہ تحریر میں
نے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھ لہوں اور رنگ سفید کی پتھری
تختیوں پر لکھی ہوئی روگوں کے سینوں میں محفوظ تھا لدنوں نے اس کام میں نصرت ابوہریرہ

شریح صدر و طاف فرمایا اور انہوں نے اس کام میں امداد کی نصرت زید بن ثابت کے سپرد کر دی
جسوں نے اسے پورے اہتمام کے ساتھ یہاں قرآن کو حفاظوں کے سینوں و رکابوں میں
تحریریں اور انہیں سے جمع کیا اور اس طرح یہ قرآنی تحیف وجود میں آئے جو وہوں کے رجوع
اعتقاد و محاورہ ہے جب خفیہ سوم حضرت عثمان کا زمانہ آیا اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن
کے حفاظ و قاری مختلف ملک میں پھیل گئے اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور
حفاظ کی قرأت قبول کر لی اور اس طرح قرأت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے نیز اہل

عجم کے شریعت سے مسلمان ہونے کے سبب وجہ میں فرق ہونے کا اور اس پر اس سے قرآن میں تحریف و تبدیلی کا اندیشہ ہونے کا تو حضرت عثمان نے عہدِ صدیقی کے مختلف صحیفوں کو اخذ بنا کر قرآن کو قرأتِ متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دیدیا اور ہر سدی آبادی میں قرآن کا ایک نسخہ فراہم کر دیا اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا جس کا نام ”الامامہ“ تھا قرآن کے انہیں نسخوں نے مشرق اور مغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور ان کی زبانیں اس ہی طرز کی رہیں انہوں نے قرآن حفظ کیا اس کی ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی مسلمانوں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان مصحف عثمانی پر استناد کیا جاتا ہے اور ۱۵ھ سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں کسی کو نہ اختلاف و نہ کسی آثارِ قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی مسلمانوں کا اس جمع و تدوین کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع و مکمل اتفاق رہا ہے اور اب تو قرآن تحریف اور حسبِ مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے محفوظ رہا کثرت اور سوؤں کے درمیان اشاعت اور کثرتِ طبع کے سبب بالکل محفوظ ہو گیا ہے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ۔

”قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔“

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن و اسلامی کتاب نہیں مانتے بے بذریعہ و حجت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہو۔ یہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں چنانچہ ہم یہاں چھ مسیحی محققین کے قول درج کرتے ہیں اسرارِ میسر جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے متعلق اپنے مقاصد کے لئے مشہور ہے جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی قدیم کے عمبر و امیر سید احمد خان ہانی مسموم یونیورسٹی علی لڑھکوان کی کتاب ”انفک و فک“ کے جواب میں ”خطبات احمدیہ لکھنؤ“ پڑھی تھی وہ مذکورہ کتاب میں لکھتا ہے۔

”سنہ ۱۸۵۷ء (۱۲۷۵ھ) کی وفات کے بعد صدیوں کے مذہبی ایسے شدید منقشات اور فرقہ

ہندیوں پیدا ہوئیں جن کے نتیجے میں دہشت گردانہ شہید کر دیئے گئے اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے ہر زمانہ میں قرآن کے ساتھ اس کے بھی فرقوں کا ایک ہی قرآن ہے سنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں ایک ہی ہے۔“

جو اس بدقسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں
ہو جس کی حیات بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو قرآن میں قرأت کے
اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان احباب کی وجہ سے ہیں جو
بہت بعد کے زمانہ میں کام لے گئے۔

یہی اپنی تنسیہ قرآن میں لکھتا ہے: ”تم مقدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیب
مخلوط اور خالص ہے۔“

قرآن کا معروف تکریمی مترجم پامر ہوتا ہے۔

”حضرت عثمان کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور سیدھا سا رہا
ہے۔“

میں چون ہوتا ہے۔

”قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصیبت میں کوئی شبہ نہیں ہے نہ صرف جو ہم آج
پڑھتے ہیں اس پر یہ اتنا مرستہ ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے۔“
اس حقیقت کے ہوتے ہوئے اسلام میں ایسی نئی نبوت کی ضرورت نہیں پڑتی جو شک و شبہ و
تکڑا حق و باطل کی تمیز اور سی اور غیروں کے مبعوث کا پردہ چاک کرے اور نہ کسی اور کتاب کی
ضرورت واقع ہوگی جو مخلوق کی جگہ لے جو تحریفات اور زیادتیاں کا نشانہ بن چکی تھیں۔

کسی نئے نبی کی آمد سے متعلق قرآن خاموش ہے

یہ ابدی کتاب جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی اور بذات خود حقیقت کی میزان اور لوگوں
کے لئے واضح اعلان و بیان ہے اور جس نے اصول دینی سے کسی اصل کو نظر انداز نہیں کیا ہے
اور جس پر دین و دنیا کی فلاح اور سعادت و نجات موقوف ہے کسی نئے نبی کی آمد کی اطلاع
سے بالکل خاموش ہے جب کہ ایسا معاملہ تھا کہ سنو سنو تو درکنار کسی گول موں اور مہم بات کا
بھی کوئی موقع نہ تھا جو کتاب ملامت قیامت کی بہت سی جزئیات اور اخیر زمانہ کے حوادث جیسے
دخان دایلیہ جو جوج کا ذکر کرتی ہے وہ اس نبی کا ذکر کیوں نہ کرتی ہو اس امت یا کسی امت
میں مبعوث ہونے والا تھا اور اس کے لئے عقول و اذہان کو مانوس اور آمادہ کرنے کی کوشش یوں
نہ کرتی (جو ہر نئی چیز سے بھاگتے اور بدکتے اور فرافض و ذمہ داریوں سے پیچھے پھڑکتے ہیں)

تاکہ وہ اسے خوش آمدید کہیں اس کی دعوت قبول کریں اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اس کے علاوہ قرآن و سنت کا دنیا و آخرت کے نفع و فائدہ انتہائی قویہ و استہمام سرنا اور نقصان رسانہ اور اللہ کے غضب کو بدانے والی چیزوں سے سختی سے روکنا اور اس کی شدید مذمت کرنا۔ مسلمان رہنا راست پر رہیں اور اپنے دین کو پیش آنے والے چیلنج (جو عقیدہ کوئی سد اور ان کے ایمان و عمارت کے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں اپنا نچے کیج و چال کے بارے میں روایتیں اور اس آزمائش کے بیان سے احادیث کے مجموعے بھرے ہوئے ہیں تو یہ خدا کے عز و جل کی نازل کردہ کتاب اور اس نبی سے جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ

عزیز علیہ ماعنتہم حویص علیکم بالمومنین ربوف رحیم

تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خوبہشمند ہیں اور

مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔

اس کی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی امت کو تاریکی اور دھندلکے اور تباہ کن جہالت و حیرت کی حالت میں چھوڑ دے اور اس بڑے حادثہ اور عظیم واقعہ (نبوت جدیدہ) کی خبر نہ دے جو ان چیزوں سے نہیں مہتمم باشند تھی جنہیں زبان نبوت نے ذکر کیا اور سنت کے ذخیرے جن کی تفصیلات سے پر ہیں۔

ختم نبوت کے بارے میں صریح و صحیح اور متواتر احادیث

پھر نبی ﷺ نے صرف قرآن کے بیانات ہی پر اکتفا نہیں کیا جو اس دین کے مکمل ہونے اور آپ پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے بارے میں اس طرح آئے ہیں کہ عربی سے واقف شخص کے لیے کسی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے جو فساد و فتنہ بدعتی اور فتنہ پرداز کی کا شکار نہ ہو بلکہ آپ ﷺ نے امت کے لیے اس حقیقت کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں چھوڑی اور نہ اس سے زیادہ شرح و تفصیل کا تصور ہو سکتا ہے اس کے لیے آپ نے نہایت بلیغ اور دانشمندانہ مثالیں دیں حدیث کی کتابیں ان روایات (جن کا مفہوم یہ ہے رسول اللہ ﷺ آخری رسول اور آخری نبی) بھری پڑی ہیں ہم یہاں صرف پانچ حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں جو صحیح میں وارد ہیں تاکہ دیدہ و بینا رکھنے والوں کے سامنے یہ حقیقت صبر و صبح کی طرف روشن ہو جائے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

کاتب بنو اسرائیل تسومهم الا لیا کما ھک سی حلقہ بنی وانیہ
لانی بعدی و سیکون خلفاء

بنی اسرائیل کے نبی ان کے حاکم بھی ہوتے تھے اور جب کوئی نبی وفات پاتا تو اس کی
جگہ دوسرا نبی لے لیتا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں بنے میرے خلفاء ہوں گے۔

قال النبی ﷺ ان مثلی انبیاء من قبلی کمثل رحل سی بیتا فأحسہ
واحمدہ الا موضع لسانہ من راویۃ فجعل الناس یطوفون بہ ویعجبون لہ
ویقولون ہلا وصعت ہذہ اللسۃ فانا اللسۃ وانا حاتم النبیین

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری ورمیرے پہلے کے انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے جس نے
ایک خوبصورت گھر بنایا یہاں اس کے ایک کونے کی ایک اینٹ چھوڑ دی اور لوگ اسے
تھوڑے تھوڑے کیچھے کیچھے رتے اور کتے ہیں کہ یہاں پر یہ اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی؟ تو
میں وہی اینٹ اور خاتم النبیین ہوں۔

ان رسول اللہ ﷺ قال. فصلب علی الانبیاء بست أعطیت جو امع
الکلمۃ وبصرت بالرعب واحلت لی الغائمۃ وجعلت لی الارض
مسجدا وظہورا وأرسلت الی الخلق کافۃ وحتم لی البیون

میں اللہ نے میرے لیے کلمہ کی وضاحت دی گئی ہے مجھے
بارگاہِ ربوبی میں رعب و میت سے میری مدد کی گئی ہے مال غنیمت میرے
لیے حاصل کیا گیا ہے اور زمین کو میرے لئے عبادت گاہ اور پاک کرنے والی چیز بنایا گیا
ہے میں تمام مخلوقات کے لیے راف جیسا کیا ہوں اور مجھ پر سلسلہ انبیاء کو مکمل کر دیا گیا۔

قال رسول اللہ ﷺ ان الرسالۃ والسوف قد انقطعت فلا رسول بعدی
ولا نسی

میں اللہ نے فرمایا کہ رسالت و نبوت منقطع ہوئی میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی
نبی۔

عن حبر بن مطعم ان النبی ﷺ قال انا محمد انا احمد وانا الماحی
الذی مسح اللہ بہ الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علی عقبی

وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.

ترمذہ جیسرین مطعم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں محمد ہوں میں احمد ہوں اور میں محو کرنے والا ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا اور میں حشر ہوں کہ اللہ تعالیٰ و میرے بعد حشر کے موقع پر اٹھائے گا اور میں عاقب (بعد والا) ہوں جس کے بعد کوئی بنی نہیں۔

صحابہ کرام اور ملت اسلامیہ کا محمد ﷺ کے بعد ختم نبوت پر اجماع اور دعوی نبوت سے ان کی نفرت

ان واضح اور محکم آیات اور صحیح و صریح متواتر حدیثوں کے پیش نظر صحابہ کا اس پر اجماع ہے اور ان کا اجماع قوی ترین شرعی دلیل میں سے ہے کہ نبی ﷺ کے بعد نبوت ختم ہوگئی اور اب کوئی نبی (نبوت کے کسی بھی مفہوم میں) آنے والا نہیں صحابہ اس لفظ کے مفہوم کو سب سے بہتر طور پر سمجھتے تھے اسی لئے مسلمہ کذاب کے خلاف قتال کرنے اور اسے کافر و مرتد قرار دینے پر بڑا استثناء ان کا ہر فرد متفق تھا حالانکہ مسلمہ بھی نبوت محمد کا اقرار کرتا تھا اور اذان شہد ان محمد رسول اللہ کہتا اور کہواتا تھا اسی طرح قرآن پر ایمان رکھتے ہوئی اس پر عمل کو فرض کہتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن کی سنائی تفسیر اور الہام کا دعویٰ بھی کرتا تھا اور کہتا تھا کہ نبوت محمدی میں اسے بھی شریک بنایا گیا ہے اس طرح اس ضمنی نبوت کا دروازہ کھولنے والا تھا جو شریعت محمدی کی تابع ہے اور بعد کے زمانوں کے مدعیان نبوت گویا اسی کے متمتع تھے وہ پیامہ جنگ میں مارا گیا جس میں بارہ سو منتخب مسلمان شہید ہوئے جیسا کہ حضرت خالد بن ولید کے نام حضرت ابو بکر صدیق کے خط میں ذکر ہے اسی طرح اسود بنی بھی جس نے عہد نبوی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اسی زمانہ میں قتل کیا گیا۔

پھر ہر عہد میں رسول اللہ ﷺ کے بعد اقطاع نبوت پر اجماع رہا اور یہ کہ مدعی نبوت دین سے خروج کرنے والا اور مسلمانوں سے الگ راستہ بنانے والا ہے یہ عقیدہ عالم اسلام میں ہر دور میں معروف و مشہور رہا اور مسلمانوں کے ان دینی عقائد کا ایک جز بن گیا جنہیں وہ دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں اور سلب منتقل ہوتے آئے ہیں اور اس کے اثر سے مسلمانوں کی زینت و طبیعت دعوائے نبوت کے سننے کی بھی روادار نہ تھی اس لئے مسلم معاشرہ میں نبیوں کی

تعدادِ علمِ اسلامی کی وسعت دین کے فہم اور دین کے قلیل علم اور مسلمانوں کی بھاری تعداد کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں پھر جب یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تاریخ اسلام بہت سے دورِ دہائی سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے بڑے انتشار اور اضطراب کے گزر رہے ہیں ذاتی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے (مسلمانوں کی دینی افتادِ طبع کو دیکھتے ہوئے) دعویٰ نبوت کا ایک مختصہ راستہ اور جدوجہد کا اثر کھنے والا نعرہ تھا، تعداد کی اس قلت پر اور بھی تعجب ہوتا ہے اس نے برخلاف ائمہ سابقہ کی تاریخ میں جغرافیائی رقبہ کے محدود ہونے اور پیروان مذہب کی قلیل تعداد کے باوجود مدعیان نبوت کی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔

پھر جن لوگوں نے مسلمانوں میں نبوت کا دعویٰ کیا انہوں نے کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل کی اور نہ اپنے پیروؤں کی کوئی معتد بہ تعداد بنا سکے جس کا مسلمانوں کی جہالت اور مدعیان نبوت کی چاراک و ذہانت کی وجہ سے قوی اندیشہ تھا، صحیح احادیث میں قیامت تک پیدا ہونی والے مدعیان نبوت کی تعداد ستر سے زیادہ بیان کی گئی۔

یہ تعداد بھی امتدادِ زمانہ امت کی وسعت، جہالت کی کثرت اور عقائد کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے بہت کم ہے اور یہ مسلمانوں کے ذہن میں ختم نبوت کے عقیدہ کے راسخ ہونے اور ان کے رُک و ریشہ میں سما جانے کا اور ان واضح آیات اور صریح و متواتر مشہور احادیث کا نتیجہ ہے جو ختم نبوت کا اعلان کرتی ہیں۔

ختم نبوت (۲)

ختم نبوت انسانیت کے لئے عزت و رحمت ہے

جب انسانیت سن بونے کو پہنچ گئی تو حکمت الہی نے ختم نبوت کا اشارہ دیدیا اب انسانیت اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی تھی جس میں وہ متعدد تاریخی اسباب کی بنا پر صدیوں سے رہ رہی تھی اب وہ عجم و تمدن باہمی تعارف عامی و مدت اور تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی اور اس کی امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جغرافیائی تقسیم اور سیاسی اختلافات پر قابو حاصل کر لے گی قبیلہ اور خاندان قوم و وطن کے بجائے اب وہ کائنات و مبع انسانیت عالمگیر ہدایت اور مشترک علم و فن کے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی سارے قرائن و شواہد بتا رہے تھے کہ اب انسانیت کی سعادت و فلاح اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنی زندگی کی بنیاد اس وحی پر رکھے جو خدا کے آخر کی پیغمبر محمد ﷺ پر نازل ہو چکی اور اس عقیدہ اور شریعت پر کاربند ہو ان اصول و کلیات اور ان ادا کام و حدود کی پابند ہو جو اس آسمانی صحیفے نے عطا کیں ہیں جو صحف سابقہ کا مہین و نگران اور اللہ کی آخری کتاب ہے اب اسی کتاب اللہ کی روشنی اور رہنمائی میں چلنے زندگی کا گامی کو آگے بڑھانے اور زندگی کے میدان عمل میں طبعی قوتوں قدرتی وسائل عقل مومن و قلب سلیم اور بامقصد جدوجہد سے کام لینے پر منحصر ہے۔

زمانہ ماضی میں انسانوں کو ان مدعیات نبوت کے ہاتھوں جو الہیات اور بشرتوں یا کشف و کرامات کے نام سے خدا کا فرستادہ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے بڑی زحمتوں کا سامنا اور بڑے انتشار و تشنیت کا شکار ہونا پڑا تھا ان کے دعویٰ کی جانچ اور ان کے فتنہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے اور دوسروں کو بچانے میں ان کا بڑا قیمتی وقت اور بڑی کارآمد قوتیں اور صدائیں ضائع ہوئی تھیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی نبی برحق کی آمد دنیا کا کوئی معمولی واقعہ نہیں پیغمبر کی بشت و دعوت کسی سیاسی قائد یا قومی رہنما بانی سلطنت یا مصلح اور باقارم کے خطہ کے مرادف نہیں جس کا نتیجہ

مخفی غیبی یا بے تعلقی اور غیر جاہداری، شکیں نتائج اور عذاب الہی کی موجب نہیں ہوتی، یہاں تک کہ یہ قیام و رہنمائی و مسکن پیدا ہوتے ہیں اور ان کا انکار کرنے یا ان سے مستغنیہ نہ ہونے سے غیرت ہی کو خیرات اور نفعِ مدام میں کوئی برتری نہیں پیدا ہوتی، انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، نبوت حق و باطل کا فیصلہ کرنا الہی امت پر اللہ کی محبت و قیام اور تمنا کرنے، ان ہوتی ہے قرآن پر نظر رکھنے والے و گناہیں کرتے ہیں کہ سابق امتوں کی بدولت، محض غرور، عقائد و اعمال و اخلاق کے فساد کے سبب نہ تھی، بدیہی، معوض کی تکذیب، اس کا مذاق اڑانا، اور اس کی اہانت کرنے کے سبب سے ہوتی، قرآن نے ان قوموں کی اپنے نبی کے خلاف جرات و جسارت، استہزاء و اہانت اور ید، شقاوت کے قیسے بڑی تفصیل اور تکرار کے ساتھ سنائے ہیں۔

اس سلسلہ کی آیات کا استقصاء، واحاطہ دشوار ہے ہم یہاں چند آیتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

وہمت کل امة رسولہم لیاخذوہ وحادلو ابالباطل لید حضوہ الحق
فاخذنہم فکیف کان عقاب

اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہی قسم دیا کہ اس کو پکڑ میں ورہیو (شبهات سے) جھگڑتے رہے۔ اس کے حق کو زائل کرویں تو میں نے ان کو پکڑ لیا (سو دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا۔

کلما جاء امة رسولها کذوبہ فاعصا بعضهم عصا و جعلنہم احادیث
فعدا لقوم یومنون۔

جب کسی امت نے پاس اس کا پیغمبر آتا تھا تو وہ سے جھگڑا دیتے تھے تو ہم بھی بعض و بعض کے پیچھے (ہلاک کرتے اور ان پر عذاب) کرتے رہے و ان کے افسانے بناتے رہے، پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر امت۔

قال رب انصری عما کذبون قال عما قلیل لیصحن بدمس فاحصہ
الصبحۃ بالحق فجعلنہم غناء ابعدا اللقوم الظلمین

پیغمبر نے کہا کہ اے پروردگار انہوں نے مجھے جھوٹ سمجھا ہے، تو میری مدد کر فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے، تو ان کو (وعدہ) برحق کے مطابق زور

ن آواز سے آن پکڑا ہم نے ان کو زاریاں پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔
ولقد استهزیٰ برسلی من قلیلک فحاق بالذین سخرو مہم ما کانو بہ
یستہزنون۔

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کی ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر
کیا کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا آٹھیرا۔

ولقد استهزیٰ برسلی من قلیلک فاملیت لذین کفرو اثم احذتہم
فکیف کان عقاب

اور تم سے پہلے بھی رسوؤں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں تو ہم نے کافروں کو مہات
ہی پھر پکڑ لیا سو (دیکھ لو کہ) ہمارا عذاب کیسا تھا۔

ان کل الا کذب الرسل فحق عقاب

(ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا۔

وما اہلکنا من قریۃ الا لہا منذرون۔

ترجمہ:

اور ہم نے کوئی ہستی ہلاک نہیں کی مگر اس کیلئے نصیحت کرنیوالے (پہلے بھیج دیتے) تھے۔

مسند نبوت کے خاتمہ سے انسانی صابقتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ ہوسکیں کہ تھوڑے
تھوڑے وقتہ اور دور کے فیصلہ پر ایک نئے نبی کی موت کا ظہور ہوا اور وہ سارے ضروری کام
چسوز اس کی حقیقت معلوم کرتے اور اس کی تصدیق و تکذیب کا فیصلہ کرنے میں لگ جاتیں
اس طرح محد وہ انسانی قوت کو اس روز روز کی مشغولیت اور آزمائش سے پی لیا گیا اور سلسلہ
نبوت قنم اور مزید قوانین اور جدید تعلیمات و ہدایات کے حصول کے لئے زمین کا آسمان سے
رشتہ باقی رہتا اور تھوڑے عرصہ کے بعد کوئی نبی یہ دعویٰ لے کر اٹھتا رہتا کہ اللہ اس سے خطاب
کرتا ہے اس کی طرف وحی آتی ہے اور وہ تبلیغ رسالت پر مامور کیا گیا ہے وہ اپنے منکرین کو کافر
قرار دیتا اور ان سے خوف کے جنگیں کرتا جس میں مطلق کسی رعایت اور فرق و امتیاز کی گنجائش
نہ ہوتی اور دنیا میں پھیلی ہوئی امت میں سے کٹ کر شیخروں یا ہزاروں یا چند ما کھ افراد پر
مشتمل ایک چھوٹی سی امت بنالیا کرتا اس طرح ہر تھوڑی مدت بعد اور اس وقت دنیا کے کسی نہ

کسی مقام پر پیدا ہونے والے مدعیان نبوت کے بارے میں لوگ فیصلوں ہی میں اچھے سرورہ جاتے ان مدعیان نبوت میں کچھ دماغی مریض اور مخبوط الحواس ہوتے کچھ پیشہ ور اور دکاندار قسم کے کچھ ہوشیار لوگوں اور حکومتوں کے اغراض کے آلاء کار کچھ علم کی کمی اور عبادت و عبادوں کثرت کے سبب سے تلخیصات شیطانی اور فریب نفس کے شرکازیہ سب قسمیں ان مدعیوں میں پائی گئی ہیں جن کا زمانہ سابقہ میں ظہور ہوا اور عقل انسانی زندگی کا وسیع تجربہ نفسیات انسانی کا وسیع مطالعہ سیاسیات اور حکومتوں کے وسیع مقاصد کا علم اب بھی ان کو بعید از قیاس اور ناممکن قرار نہیں دیتا بلکہ علم جدید اور وسیع تجربہ روشن میں ان کو سمجھنا اور آسان ہو گیا ہے۔

اگلے مذاہب میں مدعیان نبوت کی کثرت عقیدہ کی سلامتی اور دین کی وحدت کے لئے خطرہ شدید

مہد متیق (توراة) کا مطالعہ یہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ بہت سے طاع آزمایا جا رہا ہے پرست اور دینی قیادت کے حریص لوگوں نے نبوت و ابہام اور عالم غیب سے براہ راست ربط و اتصال کے دعوے کئے اور اس سلسلہ میں جھوٹے بچے خوابوں کو بطور دلیل پیش کیا جس سے یہودی معاشرہ میں شدید انتشار پیدا کر دیا چنانچہ خود ہی اسرائیل کے صحیفوں میں اس کے خلاف بار بار کتابوں کی فی اور ان مدعیان کاذب کی طرف سے ہوشیار خبردار کیا گیا ہم یہاں چند اقتباسات پر اکتفا کریں۔

”خداوند فرماتا ہے دیکھ میں ان کا مخالف ہوں جو جھوٹے خوابوں کو نبوت کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں اور انہی جھوٹی باتوں سے اور زانی سے میرے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں لیکن نہ میں نے ان کو بھیجا نہ حکم دیا اس لئے ان لوگوں کو ان سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔“

”پس تم اپنے نبیوں اور غیب والوں اور خواب بینوں اور شگونیوں اور جادو گروں کی نہ سنو جو تم سے کہتے ہیں کہ تم شاہ باہل کی خدمت گزاری کرو گے کیونکہ وہ تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں تاکہ تم کو تمہارے ملک سے آوارہ کریں اور میں تم کو خارج کر دوں اور تم بے گناہ ہو جاؤ۔“

”اور میں نے معلوم کر لیا کہ خدا نے اس کو نہیں بھیجا تھا لیکن اس نے میرے خلاف پیشگوئی کی بلکہ سبھط اور طویہ نے اسے اجرت پر رکھا تھا اور اس کو اس لئے اجرت پر

رکھا تھا تا کہ میں ڈر جاؤں اور ایسا کام کر کے خطا کروں۔“

”اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ اے آدم زاد اسرائیل کے نبی جو نبوت کرتے ہیں ان کے خلاف نبوت کر اور جو اپنے دل سے بات بنا کر نبوت کرتے ہیں ان سے کہہ خداوند کا کلام سنو خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ احمق نبیوں پر افسوس جو اپنی ہی روح کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے کچھ نہیں دیکھا۔“

”ملک میں ایک حیرت افزا اور ہولناک بات ہوئی، نبی جھوٹی نبوت کرتے ہیں اور کاہن ان کے وسیدہ سے حکم رانی کرتے ہیں اور میرے لوگ ایسی حالت کو پسند کرتے ہیں تم لوگ آخر میں کیا کرو گے۔“

”کیونکہ رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ وہ نبی جو تمہارے درمیان ہیں اور تمہارے غیب والے تم کو گمراہ نہ کریں اور اپنے خواب بینوں کو جو تمہارے ہی کہنے سے خواب دیکھتے ہیں نہ مانو کیونکہ وہ میرا نام لے کر تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں میں نے ان کو نہیں بھیجا۔“

یہودی تاریخی مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ ان ”متنبیوں کا سلسلہ“ عہد نامہ قدیم کی تدوین کے بعد بھی جاری رہا اور خاص طور پر اس کی کثرت اس معاشرے میں ہوئی جس میں یہودی مظلومیت اور جبر و تعدی کا شکار رہے چنانچہ یہودی معاشرہ ایسے ”نجات دہندہ“ کے انتظار میں رہنے لگا جو اسے اس شرمناک حالت سے نکالے اس کے دشمن سے بدلہ لے اور اس کا کھویا ہوا وقار و اعتبار بحال کرے معاشرہ کے زخمی اور ٹوٹے ہوئے دل اور غم و غصہ کے جذبات سے ذہین و ناخدا ترس اور بے دین لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنے ذاتی مفاد اور سیاسی اغراض کو حاصل کرنے کیسے استعمال کیا وہ اپنی ملت کے سامنے بشارتوں اور غیب دانی کے دعوؤں کے ساتھ آگئے اور نئی نبوت کا جھنڈا بلند کیا اس نے ان مایوس صبیحتوں پر جادو کا کام کیا جو ایک طویل عرصہ سے قائم رہنے والے حالات سے تنگ آ چکی تھیں اور اس طرح ان کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوئی عقائد کا اختلاف بڑھ گیا بدعتوں کی کثرت ہوئی اور نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے اس صورت حال نے اصل یہودی تعلیمات کیسے ایک بڑا خطرہ پیدا کر دیا اور غیرت و حمیت رکھنے والوں کو چونکا دیا امبرٹ ایم ہائمن امریکی برطانی جیوش

بشارتیں سوسائٹی کا ممبر ”انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاق“ میں لکھتا ہے۔

”یہودی حکومت کی آزادی سب ہو جانے کے بعد کچھلی چند نسلوں تک بہت سے خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہود کی تاریخ میں ملتا ہے، جلاوطنی کے تاریک ترین زمانوں میں امید و ارخوشی کے یہ پیغامبر خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے یہود کو ان کے وطن جس سے ان کے آباء و اجداد نکال باہر کئے گئے تھے واپس لے جانے کی امیدیں دیتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں ایسے مسیح ان مقامات پر اور ایسے زمانہ میں پیدا ہو جاتے تھے اس قسم کی تحریکیں عموماً یہودی نوعیت کی حامل ہوا کرتی تھیں، خصوصاً بعد کے زمانہ میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا، اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی غصہ سے مٹی ہو کر رہ گئی تھیں، لیکن اکثر ان کے بانی بدعات و فردوس و سرافرازی کی بات کا دہرائہ اور اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہودیت کی اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا، نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر یہودیت یا اسلام میں ضم ہو جاتے تھے۔“

جس کی نبوت کا یہ سلسلہ شخصی، جماعتی، اقتصادی اور سیاسی مصلحت اور محرکات کے ساتھ حضرت مسیح سے بعد تک جاری رہا، یہاں عہد مہجدید کی چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں جو مدعیان نبوت کی کثرت اور ان کے مفاسد کی نشاندہی کرتی ہیں۔

”نہی دنوں میں چند نبی یروشلم سے اٹھ کر آئے انہیں ایک نے جس کا نام آہنس تھا، کھڑے ہو کر روتے ہوئے کہا کہ تمہارا دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور کلونیس کے عہد میں واقع ہوگا۔“

”اے جب ہم وہاں بہت روز رہے تو آگہنس نانی ایک نبی یہودیہ سے آیا، اس نے ہم سے پاس آ کر پولس کا کمر بند کیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر بہار روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمر بند ہے اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔“

”جھوٹے نبیوں سے خبردار ہو، جو تمہارے پاس بھیتروں کے بھیس میں آتے ہیں، مگر باطن میں بھڑنے والے بھیتریے ہیں۔“

’میلن جو کرتا ہوں وہی کرتا ہوں گا‘ تا کہ موقع ڈھونڈھنے والوں کو موقع نہ دوں ’بندہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں اس میں ہم ہی جیسے نکلیں‘ کیونکہ ایسے دک بھوئے رسوں اور دغا بازی سے کام کرنے والے ہیں اور اپنے آپ کو مسیح کے رسوں کے ہم شکل بناتے ہیں۔“

”اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو کہ وہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں‘ کیونکہ بہت سے جھوٹے بنی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔“

”اس سے پہلے شمعون نام کا ایک شخص شہر میں جادوگری کرتا تھا اور سام یہ کے لوگوں کو حیران رکھتا اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں اور چھوٹے سے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں۔“

”اور اس تمام ٹاپو میں ہوتے ہوئے پانس تک پہنچے وہاں انہیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی بریسوع نام ملا۔“

”خبردار کوئی تم گمراہ نہ کر دے کیونکہ بہتر میرے نام سے آئیں گے اور ہمیں گے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔“

باب ۷ کے مذکورہ ارشاد کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔

”کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسوں اور دغا بازی سے کام کرنے والے ہیں اور اپنے کو مسیح کے رسولوں کے ہم شکل بناتے ہیں اور کچھ غیب نہیں‘ کیونکہ شیطان بھی اپنے آپ کو نورانی فرشتہ کا ہم شکل بنالیتا ہے۔“

عہد مسیح میں مدعیان نبوت کا بنوں اور ہدایت ربانی کے براہ راست حاصل ہونے کے دعویداروں کے بارے میں ہم یہاں اور موضوع کے ایک ہر خصوصی مسیحی فیصل کی شہادت نقل کریں گے جس سے مسیحی علماء کی (احمدیہ میں ان مدعیان نبوت کی شریت پر) تشویش اور سہماتی عقیدہ وحدت دین اور پر امن زندگی خاطر فکر مندی ظاہر ہوتی ہے۔

ایڈونٹائس مشکل ہارٹ فورڈ کے مدرسہ دینیات میں یونانی، رومی اور مشرقی کلیسا کی تاریخ کے پروفیسر لکھتے ہیں۔

’ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت کے مدعی ہوتے تھے بہت جلد بے اعتمادی پیدا کر دی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں کو اس خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا۔ تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا جو جان پہچانا بھی ہو اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو جنہیں دعویٰ تھا کہ خدا اسے کلام کرتا ہے اور ان پر بذریعہ وحی اپنے راز ہائے سرستہ منکشف کرتا ہے ابھی تک کوئی ایسا معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا جس کے ذریعہ ان مدعیان روحانیت کی صداقت کا امتحان لیا جاسکتا، ایسے معیار کا دریافت ہونا قطعاً ضروری تھا اور اگر یہ دریافت نہ بھی ہو تو بھی کلیسا اس کی تخلیق کر کے رہتا تا کہ اس کے ذریعہ مذہب کو بنیادی اصولوں میں انتشار اور زندگی کو اتحاد کے راستہ پر جا پڑنے سے بچا سکے اور اس طرح خود اپنی حفاظت کا انتظام کر سکے۔“

برموپا سٹر کی تصنیف اور انگلیشس کی تصنیف جھوٹے نبیوں اور معلموں کے خلاف انتہات سے مملو ہیں، ڈاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانت کو ابھی تک آزادی حاصل تھی بلکہ شرم یا مصر میں تو اسے خاصی شہرت بھی حاصل تھی، اگرچہ وہ اکثر جعلی ہوتی تھے اور مردود و مسترد قرار پائی تھی، بہر حال اب اس کی زندگی کے آخری دن تھے، کیونکہ جلد ہی اس کے نصیب میں بھی وہی ثبوتی بد اعتمادی اور مخالفت آنے والی تھی جس سے ان تمام اشخاص کو سابقہ پڑا تھا جو اپنے حق میں ماورائی حکمت سے سرفراز ہونے کے دعویٰ میں نہایت نحو سے سے کام لے رہے تھے عارفین اور مارسین کے متبعین کے اپنے اپنے نبی اور اپنے پنے کلیسا تھے، بعض وقت ان میں امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا تھا، مونڈنزم کی تحریک بعض پہلوؤں سے پیغمبریت کو ہوا دینے والی تھی (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دعویٰ نبوت کا سیلاب پھٹ پڑا ہے) یہ ایک ایسی سعی کے مرادف تھا جس کا مقصد عیسائیت سے متعلق ان ابتدائی حالات کا احیاء تھا جن میں ہر مومن اپنی باطنی صد حیتوں کے عطیہ خداوندی کے اجاگر کرنے میں آزاد تھا۔

رفتہ رفتہ کلیساؤں نے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی اور جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ حوارین کے ورثہ کو برقرار رکھنے کیسے تعاون کیا جائے، اس طرح کہانت پر تحدیری ریکارڈ کے

ذریعہ پابندی لگائی گئی، اغرض تمام ناپاہ اور بے ضابطہ روحانی صلاحیتوں کا وہی انجام ہوتا ہے جو کہانت کا ہوا، لاف و نراف، معجزات و شفا کے امراض کا زور کم ہوتا ہے اور دوسری صدی عیسوی کے اختتام تک ان سب (بشمول کہانت) کی عنان ٹھیس کے باضابطہ عہدہ داروں کے ہاتھ میں آ گئی۔“

ختم نبوت دین کامل کا لازمی نتیجہ ہے

ختم نبوت اس دین کامل کا لازمی نتیجہ اور تقاضا تھا جسے محمد رسول اللہ ﷺ لائے تھے اور جو عقدہ و قوانین اخلاقی و اجتماعی تعصبات کے لحاظ سے ہر طرح مکمل اور انصاف اور صحیح بنیادوں پر قائم تھا جن پر ہر زمانہ اور ہر مقام پر صالح معاشرہ اور صحت مند تہذیب قائم ہوتی ہے اور فرد اپنی مطلوبہ تکمیل اور معاشرہ معراج ترقی و کمال پر پہنچتا ہے اور اس فطری رفتار میں بغیر کسی قسم کی دقت و طوالت کے اپنے اعلیٰ مقاصد کمال انسانی اور دین و دنیا کی جامعیت تک پہنچ جاتا ہے اس کے ساتھ ہی قانون شریعت میں وہ کسی کمی زندگی کے کاروں سے نکھڑ جانے اور فطرت کے جائز مطالبات کی تکمیل میں ناکامی کا شبہ بھی نہیں پاتا بلکہ شریعت اسلامی کو ہر زمانہ سے آگے اور صنعت الہی اور حکمت خداوندی کا ایک محیر العقول نمونہ پاتا ہے۔

کائنات کا مطالعہ اور اس وسیع دنیا میں سنت اللہ کا ہم اور قوموں کے ماضی و حال کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے یہاں نہ اسراف ہے نہ کوتاہی بلکہ اس کے یہاں ہر چیز ایک خاص مقدار سے بنی ہے اور وہ اشیائے کائنات کو بھی ایک اندازے کے مطابق پیدا کرتا ہے ہم کسی گوشہ میں جو کمی بیشی اور افراط و تفریط دیکھتے ہیں وہ ہماری نظر کا قصور ہمارے ناقص علم کی دلیل ہے کائنات اور علم طبعی کے مقابلہ میں علم امر و شریعہ باریک بینی و نزاکت اور تناسب و توازن کا زیادہ مستحق ہے اس سے وہ غایت و مقصود ہے اور کائنات اور علم خلق و سیدہ اور ذریعہ۔ اگر محمد ﷺ پر نبوت کے اختتام کی کوئی نقی دلیل نہ ہوتی جب بھی نبوت محمدی کے بعد کسی نبوت جدیدہ کے ذریعہ انسانوں کی آماجگاہ لکل ایک غیہ ضروری چیز اور ہماری جانی پہچانی ہوئی سنت اللہ کے خلاف ہوتی جو مخلوقات اور اس کائنات کے ہر گوشہ و زاویہ سے کار فرما رہی ہے۔

دین اسلام کی زندگی و تازگی اور اس کی مردم خیزی کی صلاحیت

مست یا نسنوں کے کسی فرد کے لئے کسی بھی زمانہ میں یہ عذر نہیں ہو سکتا کہ وہ مرتبہ یقیناً
تائب و رسولِ رضا و مقبولیتِ رجوع و انابتِ تزییہ و نفس اور تہذیبِ اخلاق کی پلندیوں تک نہیں
پہنچ سکتا، البتہ اس کے اسباب دوسرے ہو سکتے ہیں جیسے ضعفِ ارادہ و مسہمتی و اہمیت و
نہایتِ دلیری و غیرہ۔ قرآن و حدیث سے ناواقفیت وغیرہ اور یہ دین و زندگی قوت و جدت
سے بے رغبتی و بیگانگی و آخری سعادتوں کا جامع ہے جس پر محنت و عزم و اخلاص کے ساتھ عمل
کے بغیر کوئی بھی انسان قرب و بلندی اور مال کے ان اعلیٰ درجات تک پہنچ سکتا ہے جن کے
دور سے فائدہ ثبوت نامقام ہے۔

دوسرے نامنے اس کی اعلیٰ دلیلِ خدا کی یہ جہان اور ابدی کتاب ہے جو قوت و حیات کے
ہر پہلو پر ہر شے کی تازگی و شگفتگی میں نہ ہونی فرق پر کتابتِ اس کی جہان اور رشتہ جہان
وہی انتہا ہے اور ”نماز“ بھی جو قوت و حیات سے بھرپور ہے ایسی ہر چیز ہے جو اللہ سے تعلق اور
اس تک وصول اور ولایت و محبوبیت کے منازل تک پہنچانے میں دین کے شعبوں میں بھی اپنی
وہی نظیر نہیں رکھتی اور ان دونوں چیزوں کے ذریعہ مرزا نہ میں اس امت کے مخلص اور صاحب
عزیزت و ایمان و یقین و علم و معرفت و ربانیت و روحانیت و قرب و اہمیت کے اس مقام تک
پہنچتے رہتے ہیں جہاں افسانہ کی ذکاوت و زبانیت و عقل و حکم کے قیاس کی بھی رسائی نہیں
اور ایسے لوگوں کی تعداد شمار سے باہر ہی ہے۔

۱۔ میں کہ یہ دونوں پر چشمے اس امت کے افراد اور اس کی نسلوں کو برابری قوت و حیات و نشاط
اور دل و روحانیت سے یہ اب و ثواب رستے رہتے ہیں اور ان کے لئے یہ امت کی نئی
نہایت و بعثت سے سب سے زیادہ سرفرازی و زندگی کے ہر مرحلہ میں خدا پرست و زندہ
رہنے والی اور قرآن و نماز سے قلب و جان کی تقویت پاتی رہتی اور اپنے زمانہ کی صرف ہدایت و
رہنمائی کا ہاتھ بڑھاتی ہے اسی کے لئے اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔

وَحَمِّدُوا فِي الْمَلِكِ حَقَّ حَمْدِهِ هُوَ الَّذِي هُوَ جَعَلَ لَكُمُ الدِّينَ
حَرَجًا مَلَأَ أَعْيُنَكُمْ أَرَاهُم هُوَ سَاكِمُ الْمُسْلِمِينَ مَنْ قَبْلَ وَفِي هَذَا
الْيَكُونُ الرُّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِمْ
الصَّلَاةَ وَآتِ الزَّكَاةَ وَاعْبُدِ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَمَنْ الدُّرُوبُ وَبِعَم

التصیر

اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو برتر زیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے سب سے) تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین (پسندیدہ) اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں شہید ہو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور خدا کے (دین کی رسی) کو پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔

پھر خود اس دین میں ہر مخالفت دین چیز کے خلاف ابھرنے والی ایک عجیب قوت پوشیدہ ہے جو ہر بے راہ روی اور انسانییت اور باقی ماندہ خیر و سلاصا مضع اور تلف کرنے والی قوت کے خلاف بغاوت برپا کرتی ہے باطل کے چیلنج کا جواب دینے اور شر و فساد کی قوتوں اور فساد و الحاد کے داعیوں سے لڑنے دینی معیار کو برقرار رکھنے اخلاقی نظام کو کنٹرول کرنے جابر با شامہوں کے سامنے جان کا خطرہ مول لے کر علم حق کہنے منفعتمندوں اور لذتوں کے ہم رنگ زمین دام سے بچنے بدعات و خرافات فتنوں اور گمراہیوں پر نکیر کرنے پر آمادہ کرتی ہے خواہ اس میں جان و مال کا کتنا ہی خسارہ اور جسمانی تکلیف و اذیت کا کیسا ہی خطرہ کیوں نہ ہو چنانچہ یہ کتاب مسلمانوں کو برابر عدل پر قائم رہنے اور اپنے اور اپنے والدین و اقرب کے خلاف صحیح گواہی دینے اور انہیں نیکی و تقویٰ سے تعاون اور گنہ و سرکشی سے عدم تعاون جہاد فی سبیل اللہ ملامت کروں کی مدد سے بے پروائی معروف کا حکم دینے اور مشرک سے روکنے اللہ اور اللہ والوں کا دوست بننے شیطان اور اس کے اتباع و انصار سے لڑنے دین کو دنیا کے بدلہ نہ فروخت کرنے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے کی تلقین کرتی رہی ہے اسی طرح صریح صحیح اور قطعی حدیثیں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور حسب استطاعت ہاتھ زبان اور قلب سے جہاد و واجب قرار دیتی ہیں اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک کرنے والے اور خدا کے دشمنوں دین میں تحریف کرنے والوں اور بدعتیوں سے مواات اور مصالحت کرنے والوں کو وعید سناتی ہیں اور اس قسم کی حدیثیں تواتر اور شہرت عام کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں اللہ کی کتاب دنیا کے ہر مقام اور تاریخ کے ہر موڑ پر ایسے لوگ پیدا کرتی رہی ہے جو جہاد و اجتہاد کا علم بلند کئے

رہے اور دعوت و اصلاح کی تحریکوں کی قیادت کرتے اور نتائج و انجام کی پروا کئے بغیر حق و باطل کے معرکوں میں اترتے رہے ہیں۔

فمنہم من قصی نحبہ ومنہم من ینظر وما بدلوا تبدیلا
تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔

یہی وہ کتاب ہے جس نے مسلمانوں کو فساد و ضلالت کے دھاروں میں پہنچا اور جاہلیت و بے اعتدالی کا ساتھ دینے سے روکے رکھا، کمزوروں میں نئی روح پھونک دی اور سوئی ہوئی ہمتوں اور بجھے ہوئے دلوں میں بھی ایمان اور غیرت و حمیت کے شعلے بھڑکا دیئے۔

تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکوں کا تسلسل اور اس کا راز

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اسلام کی اس طویل اور پر آشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی حقیقی دعوت بالکل بند ہوئی ہو حقیقت اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو امت اسلام کا ضمیر بالکل بے حس ہو گیا ہو اور تمام عام اسلام پر بالکل اندھیرا چھا گیا ہو یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب کبھی اسلام کیسے فتنہ نمودار ہوا اس کی تحریف اور اس کی مسخ کرنے کی کوشش کی گئی یا اس کو غلط طریقہ پر پیش کیا یا نادیت کا کوئی سخت حملہ ہوا کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آ گئی جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور اس میدان سے ہٹا دیا بہت سی دعوتیں اور تحریکیں ایسی ہیں جو اپنے وقت میں بڑی طاقتور تھیں، لیکن آج ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے ان کی حقیقت کا سمجھنا بھی آج مشکل ہے، اتنے آدمی ہیں جو قدریت، جہمیت، اعتدال، خلق قرآن و وحدۃ وجود اور اکبر کے دین الہی کی حقیقت اور تفصیلات سے واقف ہیں؟ حالانکہ یہ اپنے اپنے وقت کے بڑے اہم عقائد و مذاہب تھے ان میں سے بعض کی پشت پر بڑی بڑی سلطنتیں تھیں اور اپنے زمانہ کے بعض بڑے ذہین اور اہل اشخاص ان کے داعی اور علمبردار تھے لیکن بالآخر حقیقت اسلام نے ان پر فتح پائی اور پچھ عرصہ کے بعد یہ زندہ تحریکیں اور "سرکاری مذاہب" علمی مباحث بن کر رہ گئے جو صرف علم کلام اور تاریخ و عقائد کی کتابوں میں محفوظ ہیں دین کی حفاظت کی یہ جدوجہد تاریخ اسلام کا کوشش اور دعوت و اصلاح کا یہ سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے جتنا اسلام کا ہے۔

ایسا ہی مسلسل ہے جیسی مسلمانوں کی زندگی۔

احساس ذمہ داری اور باطل کا مقابلہ کرنے کے عزم و قوت پر
عقیدہ بقائے نبوت کا اثر

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اسلام میں جہاد و تجدید و اجتہاد صحیح اقدار و معیار کو بازیافت کرنے، دین کو اس کے صحیح رخ پر ڈالنے، ظلم کا ہاتھ پکڑنے اور مظلوم کا ساتھ دینے کی روایت کے تسلسل میں امت اور خاص طور پر علماء کا اپنے آپ کو حق و انصاف کی بحالی کا ذمہ دار سمجھنے، عدل کے معیاروں کو برقرار رکھنے، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے اور دین خالص کی دعوت دینے کو بڑا دخل ہے امت اس کام کیلئے کسی نئے نبی کے مبعوث ہونے اور آسمان سے براہ راست رابطہ رکھنے والی کسی غیبی قوت کی نہ بھی منتظر رہی اور نہ اس سلسلہ میں اس نے کسی پر اسرار شخصیت کے ظہور یا اوراء عقل و قیاس واقعہ کے انتظار میں سعی و عمل کو ترک کیا۔

لیکن جن اسلامی اور غیر اسلامی قوموں اور جماعتوں کا عقیدہ دوسرا تھا انہوں نے اپنے آپ کو باطل اور شر کی طاقتوں سے لڑنے، حق و انصاف کو قائم کرنے کا ذمہ دار اور مکلف ہی نہیں سمجھا اور وہ صدیوں تک خواب و خیال اور آرزوؤں اور تمنائوں کی دنیا میں پڑی رہیں اور اس کے نتیجہ میں ان کی تاریخ میں تجدید و اصلاح کی تحریک بہت کمزور پڑ گئی اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی آوازیں بہت پست ہو گئیں ان اقوام کی تاریخ کا جاننے والا اس خدا کو راز کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہی (جو محض کوئی اتفاقی واقعہ نہیں) لیکن اس کی وجہ اس طبقہ کے کسی پر اسرار اور مقدس شخصیت پر اس حد سے بڑھے ہوئے اعتماد میں مضمر ہے جو ان کے خیال میں 'عم اسرار و موز' کسی پوشیدہ امانت کی حامل اور خالق کائنات و جناب رسالت مآب ﷺ سے وہ ربط نہاں رکھتی ہے جو کوئی دوسرا نہیں رکھتا وہ شخصیت ایک مناسبت وقت پر اور ہنگامی حالت میں دنیا کے سامنے آجائے گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک نئے نبی یا متعدد جدید انبیاء کا قصبہ بقائے نبوت نزول وحی اور خدا سے ہم کلامی و مخاطبت کے باقی رہنے کا عقیدہ جس پر بعض مدعیان نبوت نے اپنی نبوت کی بنیاد رکھی اور اپنے دعویٰ کی صداقت کے سلسلہ میں انہوں نے جس سے استدلال کیا بڑی باریکیوں اور نزاکتوں کا حامل ہے اس کے عقل و فہم کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ و مہم

شریعت کی دائمی صدحیت اور اس کی ابدیت پر سے اعتماد اٹھ دیتا ہے اور اپنی ذاتی صدحیت و طاقت اور محنت و جانفشانی سے کام لینے کے جذبہ کو کمزور کر دیتا ہے اس کے سوا اس عقیدہ سے یہ عظیم فتنہ پیدا ہوتا ہے کہ امت و جالوں، جہل سازوں اور شعبہ ہائوں کا تنہا مشتق اور ان کے ہاتھ میں ہسٹونا بن کر رہ جاتی ہے۔

”ختم نبوت“ ملت اسلام کے لئے امد کی رحمت

اور احسان و عنایت ہے

اس امت پر اللہ کا عظیم احسان و انعام اور اس کی خصوصیت رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے رحمت فرمانے سے پہلے ہی یہ کھلا اور برملا اعلان کر دینا تھا کہ نبوت محمد ﷺ پر اختتام ہو گیا اور دین اور خدا کی نعمت عظیم کو یہ تکمیل تک پہنچا دیا گیا اب نہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ملت اسلام کے بعد کوئی ملت ہوگی یہ وہ نعمت تھی جس پر یہود کے علماء و عقدا کو رشک ہوا تھا جو یہودیوں میں مدعیان نبوت کی لائی ہوئی مصیبت فکری انتشار عقدہ کے اختلاف مذہبی کشمکش اور جماعتی افتراق کی تاریخ سے بخوبی واقف تھے چنانچہ حدیث صحیح یہ ہے کہ:

”یہ یہودی عام نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے میرا مومنین! آپ لوگ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں جو اے ہم یہودیوں پر ناز ہوئی ہوئی، تو ہم اس دن کو ایک مستقل تہوار اور جشن کا دن بنا دیتے“ حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے کہا ”الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی“ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ”مجھے وہ دن بھی خوب معلوم ہے اور وہ گھڑی بھی، چھٹی طرح یاد ہے“ اب یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر ناز ہوئی تھی وہ جمعہ کا دن اور یوم عرفہ کی شام تھی۔

یہ روایت اس نعمت کی عظمت و جلالت کو بتاتی ہے جس پر یہود کے علماء کو بھی رشک آیا اور مسلمانوں کو انہوں نے حسد کی نگاہ سے دیکھا اسی کے ساتھ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایین سابقہ اس اعدت و ضمانت سے خالی ہیں اور ان کو اس اعزاز و عقدا کی وہ دولت حاصل نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے امت اسلام کو سرفراز کیا جو ایک فطری امر تھا اس لئے کہ وہ مذہب انشوائیہ کے بدنی مراحل سے زبردست تھے اور اس کے ساتھ اسسانی بھی انقلاب و تغیر کی منزلوں کو طے کر رہی تھی اور آخری رسالت کی خلعت فرخہ (جو کسی بلند و بالا شخصیت کے لئے

اور بڑے محتاط انداز سے اور ناپ سے بنی تھی) ابھی اتری نہ تھی اس خدعت سے اللہ تعالیٰ نے بالآخر رسول اللہ ﷺ اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ کو نوازا اور اس کے ذریعہ اس امت کو عزت دی جو آخری اور بہترین امت ہے۔

ختم نبوت، فکری انار سے نجات

عقیدہ ختم نبوت نے اس دین کو مبتدعین کے غوہمتیوں اور مدعیوں کے فتنے اور اس امت کو فکری و دینی انتشار اور اس انار کی سے برابر بچیا ہے جس کا اقوام و مذاہب شکار رہے ان عقیدہ ن بدولت یہ دین اور امت اس قابل ہو سکی کہ خفیہ سازشوں کا مقابلہ کر سکے سخت ترین جھٹکوں کو سہ سکے اور دین عقیدہ کے سلسلہ میں ایک وحدت بن کر صدیوں برقرار رہے ورنہ یہ "امت واحدہ" مختلف و متعدد امتوں میں بٹ کر رہ جاتی جس میں سے ہر ایک نقطہ نظر مختلف روحانی مرزا اور مہمی و شقاقی مآخذ جدا جدا اور ہر ایک کی تاریخ جدا گانہ ہوتی۔

عقیدہ ختم نبوت کا تمدن پر احسان

اس عقیدہ نے جہاں انسان میں اپنے سن ہو غ کو پہنچنے کا احساس و شعور پیدا کیا وہیں اس نے اسے تمدن کی دوز میں آگے بڑھنے اور روزمرہ کی زندگی میں ہم و تجربہ پر عمل کرنا بھی سکھایا اس لئے کہ آج دنیا کو اس کی فرصت و ضرورت نہیں کہ اب وہ پھر سی نئی آسمانی وحی سیئے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتی رہے اب اس کی ضرورت یہ ہے کہ کائنات کے ذخیروں اور صداہیتوں کے بارے میں سوچے جنہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا تھا کہ انسان انہیں اپنے کام میں لائے اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرے اسی طرح اسے آج اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے بارہ میں سوچے اور ایک اچھی زندگی کی تعمیر کیسے زمین کی طرف دیکھے جو دین و اخلاق کی بنیادوں پر قائم ہو ختم نبوت کا عقیدہ انسان میں مہم جوئی اور ترقی کا جذبہ پیدا کرتا اسے اپنی صدہیتوں سے کام لینا سکھاتا اور اس کی محنت اور جدوجہد کی جو اگاہ بھی فراہم کرتا ہے۔

اس ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہوتا انسان اپنے و پرستار کو دھو بیٹھتا اور ایک مسلسل تذبذب کا شکار رہتا اور بنی کے زمین کی طرف دیکھنے کے اپنی نگاہیں آسمان سے گائے رہتا اسی کے ساتھ وہ اپنے مستقبل کی طرف سے بھی مسلسل تذبذب اور بے یقینی حالت میں رہتا اس کے کردار شک

و شبہ کی فضیلت قائم رہتی اور وہ برابر مدعیان نبوت کی ابلہ فریبی کا شکار ہوتا رہتا اور جب کبھی مدعی نبوت اس سے یہ بہتا کہ انسانیت کا چمن اب تک نامکمل اور غیر آراستہ تھا، میں نے آکر اس کی چمن بندی اور آراستگی کی تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ جب یہ چمن اب تک نامکمل تھا، تو مستقبل میں بھی اس کی تکمیل کی کیا ضمانت دی جاسکتی ہے؟

اور اس طرح ہر مہرہ پر انسان اس شخصیت کا انتظار کرتا جو گلشن انسانیت کی تکمیل و تزئین کرتی اور اس انتظار کے سبب ندوہ اس کے پھووس اور پھلوں سے لطف اندوز ہو سکتا اور نہ اسے سیراب و شاداب کرنے کی فکر کرتا۔

علامہ اقبال نے اپنے کتاب ”تشکیل جدید الہیات اسلامیہ“ میں بہت صحیح فرمایا ہے ”اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراجِ مہال کو پہنچ گئی لہذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا اس کے شعور ذات کی تکمیل ہونی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اُس کی پیشوائی و تدبیر نہیں کیا یا موروٹی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل و تجربہ پر زور دیا علم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر ہی یہی نکتہ مضمر ہے کیونکہ یہ سب تصور ختمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔“

مدعیان نبوت کا فتنہ عظیم

تاریخ اسلام میں اسلام اور مسلمان مدعیان نبوت کے فتنہ سے زیادہ کسی بڑے اور نازک فتنہ سے دوچار نہیں ہوئے لیکن انٹر ایسے مدعیوں کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی وہ حسبِ دین طرز اٹھے و رہیں گئے لیکن برصغیر ہند میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں دعویٰ نبوت کرنے والے مرزا قادیانی (۱۸۴۰ء-۱۹۰۰ء) کا معاملہ نفسِ سیاسی وجوہ سے مختلف ہے۔

دنیا میں مکالمات و مخاطبت الہی اور رویت باری کا فتنہ

اسلامی اور غیر اسلامی فلسفہ تصوف کی تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ عالم غیب سے ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ تصدیق قائم کرنے کی کوشش اور نامعلوم آوازوں کو ندا کے

غیب والہام سمجھنا اور ان کی بناء پر دعویٰ اور دعوت کی بنیاد رکھنا ہمیشہ سے اوہام و مغالطہ اور انتشار و تضاد کا دروازہ کھولتا رہا ہے جس کے ذریعہ آزادی یا غیر ارادی طور پر بڑی بڑی کمرابیوں راہ پاتی رہی ہیں ان آوازوں کا سرچشمہ کبھی نفس انسانی، کبھی وسوسہ شیطانی ہوتا ہے ان میں بھی خود اپنی خواہشات و تخیلات کبھی عادت و عیادت عظیم و تربیت رسم و رواج اور سر و پیش میں پھیلے ہوئے مشہورات و مسلمات اور عقائد و خیالات کی کارفرمائی اور جلوہ ریزی ہوتی ہے جن کے ماحول میں اور جن کے زیر اثر اس صاحب الہام یا صاحب کشف کا نشوونما ہوا تھا اور وہ اس کے تحت الشعور میں جائز ہو گئے تھے جو لوگ اس راہ کے شیب و فراز سے واقف ہیں اور جن کو اس کا عملی تجربہ ہے ان کا کہنا ہے کہ الہام و کشف میں عادات و معتقدات کے اثرات بالکل آزاد ہونا اور ان کا اثر مطلق قبول نہ کرنا اور ان بی چیزوں کے اخذ کے وقت ماحول سے متاثر نہ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

جو شخص بھی ہدایت و نجات و کمال ایمان کیلئے ان مکالمات الہیہ اور مخفی طب ربانیہ یا رویت باری کو شرط بتاتا اور اس پر کسی نبوت یا دعوت کی بنیاد رکھتا ہے وہ ایک غیر لازم چیز ہوا۔ مقرر دیتا اور اس دین پر جو (تمام انہما نوں کیلئے عام ہے) بڑا ظلم کرتا اور دین کی تہمت و سبائی اور عالمگیری و آفاقیت کو مجروح کرتا اور فساد و کشمکش اور انارکی کا ایک بڑا دروازہ کھول دیتا ہے جیسا کہ مرزا اندام احمد قدیانی نے کہا "انہوں نے" مکالمات و مخفی طبات الہیہ "کو مذہب کی صداقت کی شرط اور اتباع و مجاہدات کا قدرتی نتیجہ قرار دیا" اور یہ کہا کہ جس مذہب میں مکالمات و مخفی طبات الہیہ کا سلسلہ جاری نہ ہو وہ مذہب مردہ اور باطل ہے بلکہ شیطانی مذہب ہے اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور جس مذہب کے پیروندگان مجاہدہ کے باوجود اس دولت سے سرفراز نہ ہوں وہ گمراہ محروم اور ناپید ہیں۔

یہ دعویٰ علمی اور عقلی حیثیت سے اتنا کمزور اور بے بنیاد ہے کہ اس پر زیادہ شرح و بسط سے کلام کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی ناظرین کے لئے یہی کافی ہے کہ صحیحہ رائے نے جو نبوت محمدی کا وہ بین کارنامہ اور قرآن کے فیض و تربیب کا شاہکار اور تاریخ انسانی کی مثالی نسل تھیں اور جن کی کوششوں سے اسلام دینا میں پھیل ہوا انہوں نے ان "مکالمات و مخفی طبات" اور "ختم دول سے رویت باری کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ تاریخ نے ان کی طرف کسی ایسے دعویٰ کا نسب

کیا اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس دولت کے حصول کے لئے ان کے اندر کی مسابقت یا مقابلہ کا جذبہ تھ اور نہ اس کا ذکر آتا ہے کہ ان کو دوست سے محروم رہنے پر کوئی تاسف یا حسرت تھی کہ پھر وہ لوگ کس شمار و قطار میں ہیں جو ان کے بعد کے ہیں اور ان و علم میں ان کی برتری کو بھی نہیں پہنچتے۔

تاریخ میں بار بار دیکھا گیا ہے کہ ہر وہ عالی تحریک جو ان جیسے دعوؤں اور مفروضات اور صحیح تجربات پر بنیادوں پر قائم ہوئی اس نے یہ عالی اور شدید جماعت پیدا کر دی جو رفتہ رفتہ سواد اعظم سے کٹ گئی اور مسلمانوں کی تھمدیل و تکفیر اس کا شعار بن گیا بالآخر اس نے ایک اور نئے مذہب کی شکل اختیار کر لی اور مسلمانوں کے لئے ایک نیا مسند سامنے آ گیا جس کے مقدمہ کشانی میں بڑے بڑے مسلمان دانشوروں، علموں اور رہنماؤں کی بہترین ذہانت اور قوت صرف ہوئی اس کے بعد بھی اس انتشار کا پورے طور پر خاتمہ نہیں ہو سکا۔

اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اجتماعی الہام اور جماعتی ہدایت

مذہبوں نے اس امت کو اجتماعی الہام کی دولت سے نوازا ہے جو ہر قسم کے غلط فہمیوں اور غلط فہمیوں سے پاک اور محفوظ ہے۔

اس اجتماع کی تفصیل یہ ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کے سامنے کوئی نازک و راجح مسئلہ آتا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے یا زمانہ تعمیر و احیاء کے تقاضہ سے کوئی ضرورت سامنے آتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے علماء و مخلصین کے ایک معتد بہ گروہ کے دل میں جو نفس زکی اور اہل تقویٰ کے مالک ہوتے ہیں اس ضرورت کی تکمیل کا شدت سے خیال پیدا کر دیتا ہے اور ہمتیں ان کو اس کی طرف اس طرح متوجہ کر دیتا ہے کہ وہ اپنے اس کام کے لئے ہموار اور مند اندہ مسؤل سمجھنے لگتے ہیں ان کو اس کام کی تکمیل میں کھلے طور پر تائید ملے اور حسرت نہیں لگتی ہے اور وہ اس کی ہر اہم سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی طرف شش شش سے جا رہے ہیں یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم نے جماعتی الہام یا جماعتی ہدایت سے تعبیر کیا ہے ورتاریق اسلام کی مشاوش سے ہے۔

یہی یہ الہام محدود ہے چند صحابہ کو ہوتا ہے جیسا کہ اذات کے واقعہ میں مہدائے بن زید اور حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ پیش آیا کہ دونوں کے خواب یکساں نکلے اور دونوں کو خواب

میں کلماتِ اذان کی تعقین کی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصویب فرمائی اور اذان کی شرعی حیثیت دیدی جو آج تمام عالم اسلام میں رائج ہے اور جیسا کہ میلۃ القدر کے بارے میں پیش آیا جس کے بارے میں شیخین نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ”چند اصحاب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنہیں خواب میں لیلتۃ القدرؓ اور رمضان المبارک کی اخیر سات راتوں میں دھایا گیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں دیتا ہوں کہ تمہارے خواب سات آخری راتوں کے بارے میں یکساں ہیں تو جو اسے تلاش کرنا چاہتا ہے وہ انہیں سات راتوں میں تلاش کرے۔“

اور اسی کے قریب صلوٰۃ تراویح کا معاملہ ہے جس کی اصل نبی ﷺ سے ثابت ہے جسے آپ ﷺ نے تین دن کے بعد اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور اس طرح مشقت کا سبب بن جائے مسلمان اسے اکیلے اکیلے پڑھنے لگے حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت قائم کر دی حضرت عمرؓ کا یہ فعل الہام الہی پر مبنی اور آسمانی نتیجہ تھا اور اس میں بڑا ہی خیر پوشیدہ تھا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا خیال اور اس میں ختم قرآن کا شوق پیدا کر دیا جو حفظ و حفاظت قرآن کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوا اور اس کی وجہ سے مسابقت اور رمضان کی راتوں میں بیدار رہنے کا بڑا داعیہ پیدا ہوا یہ اس سلسلہ میں اہل سنت جنہوں نے سنت تراویح کو اپنایا اور ان جماعتوں کے درمیان جنہوں نے اس کا انکار کیا اس کھلے فرق کو دیکھا جاسکتا ہے جو حفظ قرآن کی کثرت اور اس کے مطالعہ و اہتمام کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔

اور ابھی یہ الہام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اور جم غفیر کو ہوتا ہے جس کا کسی امر پر متفق یا کسی ضرورت کی طرف متوجہ ہو جانا محض اتفاقی واقعہ یا کسی سازش کا نتیجہ نہیں کہا جاسکتا ان کی اس کوشش سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع عظیم پہنچتا ہے یا اس سے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی خلا پر ہوتا ہے یا کسی مہیب فتنہ یا رخنہ کا سد باب ہوتا ہے یا دین کے عظیم مقاصد میں سے کوئی مقصد پورا ہوتا ہے۔

اس طرح کے مبارک اجتماعی الہام کی مثال (جو بے شمار راسخ العزم علماء اور مخلص و باعمل و عوں کو ہوا) حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں قرآن کی مصاحف میں جمع کرنا اور قرن اول و ثانی اور اس

کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کے جمع و تدوین کا کام مجتہدین کا استنباط احکام اور جزئیات فقہ کی تفریع، علم نحو و قرأت، اصول فقہ اور قرآن اور اس کی زبان کو محفوظ کرنے والے تمام مفید علوم کی تدوین اور مدارس کی تعمیر، کتابوں کی نشر و اشاعت، وغیرہ اس اجتماعی اہم کی بہترین مثالیں ہیں، جس کے ذریعہ دین اور امت کی یہ اہم ترین ضرورتیں پوری کی گئیں اور آنے والے خطرات کا سدباب کیا گیا۔

تزکیہ نفس و تہذیب اخلاق کا وسیع و مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کر لی، نفس و شیطان کے مکاہد کی نشاندہی، نفسانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج، تحقق مع اللہ اور نسب باطنی کے حصول کے ذرائع و طرق کی تشریح و ترتیب، جس کی اصل حقیقت تزکیہ و احسان کے ماثور و شرعی الفاظ میں پہلے سے موجود تھی اور جس کا عربی و اصلاحی نام بعد کی صدیوں میں تصوف پڑ گیا، اسی اجتماعی اہم کی ایک درخشاں مثال ہے، رفتہ رفتہ سائنس و فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ پر پہنچا دیا اور اس کو ایک بڑی عبادت اور وقت کا جہاد قرار دیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قلوب نفوس کی مردہ کھیتوں کو زندہ کیا اور روح کے مریضوں کو شفا دی، ان مخلصین علماء ربانیین اور ان کی تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دور دراز گوشوں اور طویل و عریض ممالک (جیسے ہندوستان، جزائر شرق الہند، و براعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی، ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں مسمم معاشرہ میں ایمان و یقین اور عمل صالح کی روح پھونکی اور بار بار میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا، اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کرے گا، جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں آیا، جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

ان اجتماعی اہم کی ایک مثال گمراہ فرقوں، محدین و مشککین، تعطل اور بعممی کی دعوت دینے والے ففسفوں اور تخریب پسند تحریکوں کی تردید و ابطال کا کام بھی ہے، جس کے سبب مسلمانوں میں سے عم و ذہانت، فکری صلاحیت اور ایمانی قوت میں امتیاز و تفوق رکھنے والے افراد میدان میں آئے اور انہوں نے ان دعوتوں اور ففسفوں کو بے نقاب کر دیا، مسلمانوں کو انکے برے اثرات سے بچایا، یہ سب کارنامہ اہم ربانی کا کرشمہ ہیں، جس سے تاریخ اسلام کے ہر مرحلہ

اور ہم دہندیب کے ہر مرز میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت مشرف و سرفراز ہو گئی اور جو اس امت پر جو آخری امت اور انسانیت کا مرزا امید ہے خدا کی عنایت اور اللہ کے نزدیک اس کے بلندی مرتبہ کی دلیل ہے اور یہ غیر منقطع ابہام اور مسلسل مدد الہی اور ختم نبوت اور محمد ﷺ کے بعد اس کے منقطع ہونے کی روشن دلیل ہے جس کی اگلی امتوں میں کوئی واضح اور مسلسل نظیر نہیں ملتی اس لئے انہیں اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ سلسلہ نبوت قائم اور کار نبوت باقی تھا۔

مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی

جو فکری انتشار اور بے چینی ان فرضی نبوتوں سے پیدا ہوتا اور ان سے جس طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوتی اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہوتی ہے وہ ہر مسلمان کے لئے باعث تشویش و اضطراب ہے اس زمانہ میں جو لادینیت و انوکھا دور کہلاتا ہے لوگ "ان الحق" بننے کے عادی نہیں رہے لیکن اگر کہیں عالم اسلام میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پر جوش و کیوں کے اثر سے نبوت کا شوق پیدا ہو جائے اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں "علم نبوت" کے بلند کرنے والے افراد پیدا ہونے لگیں اور وہ اپنی دعوت کے منکروں کی تکفیر کرنے لگیں تو اس کا نتیجہ سوائے فکری اضطراب و انتشار دینی انارکی اور خیالات کے ٹکراؤ اور عالم اسلام کے مختلف چھاؤنیوں اور بلاکوں میں تقسیم کے سوا کیا نکلے گا؟ اور کیا یہ امت جو رنگ و نسب اور قدیم و وطن کی ہر عصبیت مٹا کر اسلامی اخوت کو زندہ کرنے کیلئے آئی تھی تفریق و تکفیر اور چھوٹی چھوٹی دینی عصبیتوں کا شکار نہیں ہو جائے گی۔۔۔

قادیانیت کے اس خطرہ کو مولوی محمد علی اہوری امیر جماعت احمدیہ اشاعت اسلام لہوری نے بھی محسوس کر لیا اور پوری شدت و وضاحت کے ساتھ اپنے ایک مضمون میں اس کا اظہار بھی کیا تھا، لیکن وہ یہ نہیں سوچ سکے کہ اس دروازہ کو کھولنے والے ان کے امام مرزا غلام احمد ہی ہیں جن کو وہ مجدد مصلح اور مہدی مسیح موعود تسلیم کرتے ہیں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بقائے نبوت کے خیاں کو تحریک و دعوت کی شکل دیدی، محمد علی اہوری اہل بصیرت و انصاف کو آواز دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

”خدا را غور کرو کہ اگر یہ عقیدہ میاں صاحب کا درست ہے کہ نبی آتے رہیں گے۔“

ہزاروں نبی آئیں گے جیسا کہ انہوں نے باصراحت ”انوار خلافت“ میں لکھ دیا ہے

تو یہ بناروں، وہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے ہوں گے یا نہیں؟ اور اسلام وحدت کہاں ہوگی؟ یہ بھی لو کہ وہ سارے نبی احمدی جماعت میں ہی ہوں گے پھر احمدی جماعت کے کتنے ٹکڑے ہوں گے؟ آخر زشتہ سنتوں سے تم اتنے ناواقف نہیں ہو اس طرح نبی کے آنے پر ایک سروہ اس کے ساتھ اور ایک خلاف ہوتا ہے وہ خدا جو محمد ﷺ کے ساتھ پرکلی دنیا کی قوموں کو ایک کرنے کا راہِ ظاہر چکا ہے کیا اب وہ مسلمانوں کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہوں اور آپس میں ملی تحفقات اخوت اسلامی کے نہ رہ گئے ہوں یا دیکھو کہ اسلام کو کل ادیان غائب کر دے گا وندہ سچ ہے تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آ سکتا کہ ہزاروں نبی پنی ٹوپیاں باندھ بیٹھ رہے ہوں اور ہزار ہا ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں ہوں جن کے پیاری اپنی اپنی جگہ ایمان اور نجات کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہوں اور دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر اور باایمان قرار دے رہے ہوں۔“

حاصل یہ ہے کہ سلسلہ نبوت اور انسان کی بذریعہ وحی ملائکہ و جبرئیل انسانوں کو عقائد و شرائع کی تعلیم کے سلسلہ میں محمد ﷺ پر اختتام اور آپ کے خاتم الرسل، انا اے سبل اور مولائے کل ہونے کا یقین اللہ تعالیٰ کی اس امت پر بڑی نعمتوں اور عطیوں میں سے ایک نعمت اور عطیہ خانوں میں مٹی ہوئی انسانیت کے لئے ایک رحمت ہے جس کے ذریعہ اس کی کوشش اور طاقت کو صحیح مصرف میں لگانے کا انتظام کیا گیا ہے اسی کے ساتھ یہ عقیدہ امت محمدیہ کی شیرازہ بندی کرنے والا اور اس کی وحدت و اصلیت اور قوت کی حفاظت کرنیوالا اسے اپنے اور اپنے دین کی ابدیت و صلاحیت پر اعتماد پیدا کرنے کا حساب کائنات کی دائمی ذمہ داری عائد کرنے کا صدقہ و تجدید اور ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اللہ کے رستہ میں جدوجہد جاری رکھنے کا ضامن ہے اور یہی وہ ٹھوس بنیاد ہے جس پر اسلام کی عمرت کھڑی ہوتی ہے۔

اسلام کے بدترین دشمن

جو کسی نبی نبوت کا (اس کے کسی بھی مفہوم میں) مدعی یا داعی اور علم بردار ہو وہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور اسلام کے بدخواہوں اور مخالفین کا بہترین معاون اور آہ کار ہے تاریخِ اسلام اس کے جرم کو کبھی معاف نہیں کر سکتی اللہ تعالیٰ کا ارشاد صحیح ہے۔

و من اظلم ممن افترى على الله كذباً او قال او حى الى ولم يوح اليه
شئى ومن قال سائرل مثل ما انزل الله ولو نرى اذا الصُّمُّون فى عمرات
الموت والملئكة باسطوا اليدهم احرجو انفسكم اليوم تحزرون عذاب
الهنون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن اياته تنسكبرون
ولقد جئتمونا فرادى كما حقنكم اول مرة وتركنتم ما حولنا كم وراء
ظهوركم وما يرى معكم منفعاء كم الدين زعمتم انهم فيكم شركوء
لقد نقطع بينكم وضل عنكم ما كنتم تذعمون

ترجمہ اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہت لگا۔ یا یوں کہے۔ مجھ
پر وحی آتی ہے حالانکہ اس نے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا
کہ اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اسی طرح کام میں بھی۔ تاہوں اور آپ اس وقت دیکھیں
جبکہ یہ ظالم موت کی غتوں میں ہوں اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھ رہے ہوں گے ہاں پنی
جائیں نکاؤ آٹ تم کو ذرت کی سزا دی جاوے گی اس سبب کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں کہتے
تھے اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے جس طرح ہم
نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا اور جو بچھ ہم نے تم کو دیا تھا اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے اور ہم
تمہارے ہمراہ ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ
تمہارے معاملہ میں شریک ہیں واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعویٰ
سب تم سے کیا نر رہا ہوا۔

امت کی بقاء اور عقیدہ ختم نبوت

یہ حضرت مولانا کی وہ تقریر ہے جو ختم نبوت کانفرنس کا پہلا مباحثہ ۱۰/۱۱/۱۹۹۸ء کے جلسہ عام میں کی گئی تھی۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و هو من به وبتوكل عليه و نعوذ
بالله من شرور انفسنا و من سباب اعمالنا من يهدده الله فلا مضل له و من
يصلله فلا هادي له، و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له،
و نشهد ان سيدنا و نبينا مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله عليه
و عسى الله و اصحابه و درياته و اهل بيته اجمعين و من تبعهم باحسان الى
يوم الدين و سلم تسليماً كثيراً. اما بعد! أعوذ بالله من الشيطان
الرجيم، اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي و رضيت
لكم الاسلام دينا ما كان محمد انا احد من رجالكم و لكن رسول الله
و خاتم النبيين

میرے عزیز بھائیو! اس موضوع پر آپ نے فاضلانہ، مفکرانہ، متکبرانہ اور تحلیل و
تجزیہ کے ساتھ بہت سی تقریریں سنی ہوں گے، میں ان تفصیلات میں نہیں جا سکتا، وقت کی کمی
کی وجہ سے بھی اور عمر و صحت کے تقاضے سے بھی، اور اس لئے بھی کہ اس کی ضرورت بھی نہیں
سمجھتا، لیکن تاریخ کے نہ صرف ایک طالب علم بلکہ ایک مصنف اور تاریخ عالم کے ایک واقف
کار کی حیثیت سے بھی اور پھر اس کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک اور دنیا کے ایک بڑے حصہ کی
سیر و سیاحت کرنے والے ایک داعی کی حیثیت سے بھی آپ کے سامنے کچھ خصوصی باتیں رہنا
چاہتا ہوں، ایسی باتیں جو اس موضوع پر فیصد بن ثابت ہوں گی۔

ایک تو یہ کہ جو ہم یہ آیتیں قرآن مجید میں پڑھتے ہیں، اور اللہ کی توفیق سے ایک دوبارہ
نہیں سینکڑوں ہزاروں بار پڑھی ہوں گی۔ اللہ توفیق دے کہ ہم ساری عمر پڑھتے رہیں، لیکن
افسوس کی بات ہے کہ ان آیات سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اور ان آیات سے جو عقیدت ظاہر ہوتی

ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جو توفیق ہوتی ہے، اس کی اہمیت پر بہت کم لوگوں نے غور کیا، پہلی آیت جو ہم نے آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کی: "الیوم اکملت لکم الدین" کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اپنی نعمت کو تمہارے لئے مکمل کر دیا، اور تمہارے لئے سلام و بحیثیت دین کے پابند کر چکا، انتخاب کر چکا۔

دوسری آیت مریدہ جو تلاوت کی: "ما کان محمد الا احد من رجالکم الذین" کہ ارشاد خداوندی ہے محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور آخری نبی ﷺ ہیں۔

ان آیات سے اس امت کو نہیں بددہا، لہذا جو دولت ملی ہے، جو نعمت ملی ہے، جو خصوصیت ملی ہے، اس پر بہت کم لوگوں نے غور کیا، یہ بات تو یہ ہے کہ ان آیتوں سے حضور اقدس ﷺ کی نوبت کے اختتام کا اعلان آیا، کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور اس اعلان سے وحدت حقانہ اور وحدت ارکانی کی دعوت ملی، وحدت زمانی اور وحدت مکانی کی دعوت ملی، پہلی بات تو یہ ہے کہ قیامت تک کے لئے اس امت اسدِ مہیہ امت محمدیہ کے عقائد بھی ایک ہوں گے، ارکان بھی ایک ہوں گے، اور دوسری بات یہ کہ ہر زمان و مکان میں، ہر عہد اور ہر دور میں اور ہر اس جگہ جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں پر یہ وحدت پائی جائے گی، دینی وحدت اعتقادی وحدت، علمی وحدت۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس امت کو جو اپنے کو مسلمان کہتی ہے، قرآن کا کلمہ پڑھتی ہے، اسلام کا دعویٰ کرتی ہے، اس کے عقائد بھی آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک ایک رہیں گے، نماز وہی پانچ وقتوں کی، روزے وہی رمضان کے مبارک مہینے کے، زکوٰۃ وہی اپنے نظام اور نصاب کے مطابق جو بتایا گیا ہے۔ حج وہی بیت اللہ شریف کا اپنے تمام من سب کے ساتھ، اس کے تمام من سب ہمیشہ ایک ہی رہیں گے، یہ جو وحدت ہے وہ وحدت ارکانی ہے، وحدت عقائدی، یہ ہے کہ تو حید کامل رہے، پیغمبروں کی رسالت اور انبیاء کی نبوت پر ایمان، جنہیں اللہ نے اپنے وقت اور اپنی اپنی جگہ اس نازک اور عظیم کام کے لئے انتخاب کیا، اور پھر آخری پیغمبر اور آخری نبی ﷺ کہ جن کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، پچھلے پیغمبروں کی رسالت پر بھی ایمان اور آپ ﷺ کی رسالت اس کی خاتمیت پر بھی ایمان، آپ ﷺ کی

رسالت و نبوت پر اس طرح ایمان کہ نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہے، نبوت کے ساتھ نبوت کی خاتمیت پر بھی ایمان، یہ کوئی معمولی اور بلکی بات نہیں ہے، دنیا میں کسی بھی امت کو یہ فضیلت نہیں ملی۔

ہم معذرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ سی بھی نبی و رسول ﷺ کی امت کو (اور یہ ہم ہر نبی و رسول کی رسالت و نبوت کے اقرار و ران کے شرف و مراتب کے اعتراف کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ سب اللہ کے پیغمبر تھے اور رسول برحق تھے) یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ یہ وحدت و وحدت عقد مذہبی ہو، وحدت ارکانی بھی ہو، انہیں ملی ہوں، یہ اتنی رائد رب العالمین کے صف امت محمدی ﷺ کو ہی عطا کیا۔

آپ تاریخ کا مطالعہ کریں، ہم نے تاریخ کا الحمد للہ خوب مطالعہ کیا ہے، اور ہمیں اس کی اپنے علمی کاموں اور تصنیفی کاموں میں ہر بر ضرورت بھی پڑتی رہتی ہے، ہم نے یہودیت و مسیحیت و مسند تائیں بھی پڑھی ہیں آپ دیکھیں کہ امت کی پوری تاریخ دو جز کی تاریخ ہے شیب و فرازی تاریخ ہے۔ مشرق و مغرب کی تاریخ ہے، محبت و اختلاف کی تاریخ ہے۔ عقائد میں اختلاف، ارکان کے ادا کرنے میں اختلاف، یہ جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں محض امت کے ایک فرمانے کے نامے نہیں، تاریخ و مذاہب کا مطالعہ رکھنے والے کی حیثیت سے، آپ بھی مطالعہ کیجئے، فریچ کی کتابیں پڑھئے، جرمن کتابیں پڑھئے انگلش کتابیں پڑھئے، مذاہب کی جو تاریخ لکھی گئی ہے، تو ان مورخوں کو اس کا اقرار کرنے نہیں بلکہ شرم سے گویا منہ پر بات کر رہتے ہوئے جیسے حساس امت کی ہے ساتھ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے آپ دیکھیں گے، کہ کوئی مذہب بھی اسلام سے پہلے کے مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے کہ اس کے پیغمبر نے جس طرح ملن کیا جو باتیں بائبل و مذاہب ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق صدیوں چلتی رہا ہو، صدیوں یہ ایک جنس مرتبہ و نصف صدی ورد با یوں تک پان مشکل ہو گیا۔

ان مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اس اقام نبوت کا اور ختم نبوت کا اعلان نہیں کیا یہ تھا یہ نہیں نہیں مانتا کہ ان مذاہب کو جو لوگ برحق مانتے ہیں اور ان پر پورا یقین رکھتے ہیں اور ختم کرتے ہیں، وہ بھی جہاں تک ہماری معلومات ہیں ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نبی

ورسوں ﷺ نے اپنی خاتمیت ختم المرسل و ختم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا ہو، کسی نے بھی ایسا نہیں کہا، نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا اعلان ہوا۔

آپ ان تمام مذاہب کی تاریخ میں پڑھیں گے، ذرا کشادہ نظری کے ساتھ اور کشادہ دہنی کے ساتھ آپ دیکھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ان میں صرف اختلاف ہندو خدا پایا جاتا ہے، یہ مذہب شروع میں کہتا تھا، اور اب یہ کہتا ہے، اس مذہب کے پیشوا اگر یہ نہ کہیں تو کم از کم احتیاط کے لئے یہ کہتے ہیں، اس مذہب کے پیشوا اور ترجمان اور اس کے مستند عالم پہلے یہ کہتے تھے، اب ان کی رائے وہ نہیں رہی وہ اب یہ کہتے ہیں، یہ صحیح عقیدہ ہے، اب ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیح عقیدہ وہ نہیں یہ ہے، عبادت یہ ہے، نہیں یہ عبادت نہیں تھی بدعت ہے، یہ ثابت ہے، نہیں یہ ثابت نہیں مفروضہ ہے، آپ دیکھیں گے کہ ان مذہب میں عقائد کا اختلاف ہے گا، ارکان کا اختلاف ملے گا، زمانہ کے ساتھ وہ بدلتے رہیں گے، اختلاف زمانی بھی ہے، اختلاف مکانی بھی، اس لئے آپ کو صاف صاف نمونے نہیں گے، ایسے نمونے کہ اس مذہب کی شامت کا جو دائرہ ہے وراثت ہے جو اس کی دنیا ہے، مذہبی دنیا، اس کے کسی حصہ میں کچھ ہو رہا ہے، کسی حصہ میں کچھ یہ سب اس کا نتیجہ تھا کہ وہاں ختم نبوت کا علان نہیں ہوا تھا، ان لوگوں کے لئے اس کا موقع تھا، اور گنج شمس تھی، جب زمانہ بزرگ امرکائی گنج شمس تھی کہ وہ جو چاہیں دعویٰ کریں، آج یہ بات کیوں ہے کہ ساری دنیا کے نقادوں سے باوجود، سیاسی انقلابات بھی، جماعتی انقلابات بھی وراثاتی انقلابات بھی، یہ بعثت نبوی بعثت محمدی ﷺ سے پہلے نہیں پیش آئے، یہ تاریخی شہادت ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، یہی انقلابات کے ساتھ، علمی ترقیات کے ساتھ علمی تحقیقات کے ساتھ اور نئے نئے استشفات کے ساتھ، اور نئے نئے منطقیات اور ضرورتوں کے ساتھ اور نئے نئے تقاضوں کے پیدا ہونے کے ساتھ، ورنہ نئے فوائد حاصل ہونے کی امید کے ساتھ جو اس میں تغیر و تبدل کرنے سے اور نیا دین اور نیا عقیدہ پیش کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں، یہ جو بعثت نبوی کے بعد ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، میں ایک تاریخ دان کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی، لیکن اس کے باوجود یہ دین اب تک چلا آ رہا ہے، انبیاء اور رسل جو نذر گئے ہیں ان پر ایمان باقی ہے، ابھی بھی اللہ تعالیٰ کی برتری اور قدرت کاملہ کہ "اسما امراء" ادا راہ تسیناً ان يقول له کس فیکوں اور

اس کی ذات کی وحدت کو پورے عالم کو چلانے والا وہی ہے، وہی ہے جو اس کائنات کو جو کائنات اس کے قبضہ اور دست قدرت میں ہے، اور ”انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کون فیکون“ ان سب کے باوجود یہی ایک چیز جو ابھی تک بنیادی اور اساسی عقائد پر، میں ان چیزوں کو نہیں کہتا جو کسی نے جیسے کہ ابھی آپ نے نظم سنی اپنے کسی دنیاوی مفاد کے خاطر یا کسی رشوت کے نتیجہ میں یا کسی مفاد کے سلسلہ میں عزت و جاہ کے سلسلہ میں پیدا کر دیا، دین میں وہ چیز ہر عمل نہیں چنے پائی، آج تک دین ہر عمل صاف اور منفی محلی موجود ہے، اور سب جانتے ہیں کہ اگر نسبت خراب نہیں ہے، اور خدا کا اگر خوف کسی بھی درجہ میں باقی ہے، تو وہ بدعت و سنت کو سمجھتا ہے، کہ یہ سنت ہے اور یہ بدعت ہے، بدعت کو کوئی بھی سنت ثابت نہیں کر سکتا، معصیت کو کوئی بھی طاعت ثابت نہیں کر سکتا، شرک کو کوئی تو حید ثابت نہیں کر سکتا، کوئی اللہ کی رضا کا ایسا طریقہ جس میں رسم و رواج کی برآتی ہو، و نیوی مفاد ہو نہیں جانا جاسکتا، یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے اتمام نبوت اور ختم نبوت کے اعلان کا۔

آج آپ یورپ و امریکہ کے آخری سرے تک چلے جائے، معذرت کے ساتھ کہتا ہوں، مہموں و اتنی سیروسیاحت کا اتفاق ہوا ہوگا جتنا ہمیں ہوا، اس میں ہماری قابیلیت اور یاقوت و خل نہیں، اللہ کا فضل و انعام ہے کہ ہم سے ہم عالم اسلام کو بھیجے، عام غیر اسلامی کی بھی ہم نے خوب یہ کی ہے، یورپ و امریکہ اور افریقہ سب ہم نے دیکھے ہیں، لیکن عام اسلام کا مہمائی و نہ شہید ہی ہم سے پی ہو، لیکن ہم یہاں سے مراکش تک جس کو عربی میں ”مغرب اقصیٰ“ کہتے ہیں (انتہائی مغربی ونہ) اور صرف مغرب اقصیٰ مراکش تک ہی نہیں وہاں کے آخری حصہ آخری سرائیک و جدہ تک میں کیا ہوں، اور پھر اس کے بعد اوتھر تا شفقہ، بخارا اور سمرقند بھی جاتا ہوا ہے، وہاں نمازیں بھی پڑھی ہیں، بزرگوں کے مزارات کی زیارت بھی کی ہے، وہاں خطبات بھی ہوئے ہیں، اس کے علاوہ عالم عربی کا کوئی ملک نہیں، جہاں میں نہیں گیا، عراق، شام، مصر، لیبی، شرق اردن، ترکی، فلسطین کا علاقہ، اور صرف یہ ملک ہی نہیں شہر شہر گیا ہوں، لیکن کوئی جگہ ایسی نہ پائی جہاں دین کی بنیادی باتوں میں فرق ہے، یہاں دین کے ارکان چھ ہوں وہاں کچھ ہوں نمازیں پڑھیں بھی اور اللہ کی فضل سے پڑھائیں بھی، لیکن اس کے سہمیں کوئی گائڈ بک نہیں دی گئی کہ آپ نمازیں پڑھانے پر سے ہیں، یہاں آپ کے ملک کی

طرح نما نہیں ہوتی، یہاں وضو کے بعد یہ بھی پڑھنا ہوتا ہے، یہاں ہر سے دو رکعتیں پڑھنی ہوتی ہے، یہاں دیوار پر یوں ہاتھ گانہ ہوتا ہے، یہاں نماز شروع کرنے سے پہلے یہ اعتقاد ہے پڑتے ہیں، یہ عہدِ سنائی پڑتی ہے، چھ ہت پڑتا ہے، خاص تعلیم دینی پڑتی ہے، سر قبر ہے تو اس کے آگے جھکن پڑتا ہے، بے جان سے حادثہ براری کرنی پڑتی ہے، یہ تہی وسیع دنیا ہے، بین یک طرح کی نماز ہر طرف ہو رہی ہے، جا کر کہیں دیکھ لیجئے، افغانستان، ترکستان، پاکستان، مراکش، مصر، اندس نہیں چھ جاوے، اہل یہی سوڈان چھ جاوے، آپ اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور پڑھ بھی سکتے ہیں، خدا کے فضل سے یہ شرف و امت بھی حاصل ہوئی، ہر کسی نے کچھ سنے کی ضرورت نہ تھی، اور نہ سمجھنے پڑھنے کی، وقت ہوا، کہا گیا کہ آگے بڑھیے، آگے بڑھ گیا، بعد میں بھی کسی کو کوئی اشکال و عذر نہیں ہوا، اور نہ کوئی کمی تھی۔

آخر یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے ختم نبوت کا، امتِ مہموت کا، اگر یہ ختم نبوت کی دولت نہ ہوتی، تو اس امت کو یہ اعزاز اور یہ امتیاز نہ ملتا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ جو آپ کا پور میں بیٹھے اتنے وسیع میدان میں کثیر تعداد میں اکٹھا ہوئے دین کی باتیں سن رہے ہیں، یہی نماز، یہی روزہ، یہی زکوٰۃ، یہی حج، سارے ارکان اسی طرح باقی ہیں، کتنے سیاسی انقلابات آئے، اور کتنے موانع پیدا ہوئے، سمندر کا سفر تنگ خطرناک بن گیا لیکن حج کا سفر ہی طرح چلا آ رہا ہے، کوئی اس کو روک نہ سکا، پھر بڑے واقعات رونما ہوئے، کچھ فرق نہیں پڑا، کیسے ایسے انقلابات آئے، حکومتیں ہٹ گئیں، ماحول بدل گیا، لیکن حج جیسا مکمل فرض تھا، آج بھی فرض ہے، آج ویسے ہی لوگ بیت اللہ شریف جا رہے ہیں، جیسے پہلے جاتے تھے، بلکہ اب تو بہت بڑی تعداد میں جا رہے ہیں، کوئی اس کو روک نہ سکا، سیاسی انقلاب آئے، حجاز مقدس میں سیاسی نظام میں کھراؤ نہ رہا، پہلے تریوں کی صہمت تھی، پھر شریف مدہ آئے، وہ گئے تو اب آج عودِ حجاز ہیں، انتظامی سیاسی تغیرات جو ہوں لیکن رکات دین میں کوئی تغیر و انقلاب نہیں، حج کی دینی میں کوئی فرق نہیں واقع ہوا، کوئی رکات پیش نہیں آئی، اللہ کے فضل سے حرمین شریفین سے عمرہ کر کے بھی چند روز ہوئے آ رہا ہوں، وہی بیت اللہ شریف، وہی مطاف وہی حریف شریف، وہی طواف اور شواط، اشواط تک میں اضافہ نہیں، یزید کے فرق کے ساتھ طواف میں کمی یا زیادتی کی جاتی یا اس کا مشورہ دیا جاتا، یہ بیت میں فرق یہ جاتا، کچھ نہیں،

اس کے بعد اب میں آپ سے ایک بات اور کہتا ہوں ایک مورخ کی حیثیت سے کہ اس عالمگیر دین اور اس دائمی وابدی دین کے خلاف دنیا میں خاص طور سے غیر اسلامی حلقوں میں، غیر دینی مملکتوں میں، اور غیر اسلامی معاشرتوں میں یہ بڑی تشویش رہی، کہ اس دین میں کس طرح تبدیلی کی جائے، کوئی کی آجائے، اس کے لئے ان لوگوں نے جتن بھی کئے، خاص طور سے مسیحی قوم جو زیادہ بیدار مغز اور تعلیم یافتہ بھی ہے، اور اسد م اور مسلمانوں سے اس کا واسطہ بھی زیادہ پڑا ہے، اس کے لئے بڑی کوشش کی، کہ اس دین کی وحدت اور جامعیت اس کی علیت اور ابدیت ختم ہو، تاریخ میں بہت سی ایسی چیزیں دبی ہوئی ہیں، دفن ہیں، کھوئی ہوئی ہیں، ان کا پتہ نہیں چلا ورنہ یہ ثابت کر دیا جاتا کہ مسیحا کذاب کے پیچھے مسیحی دماغ، عیسائی سرزش کام کر رہی تھی، اسود غنسی کے پیچھے کوئی غیر اسلامی طاقت کام کر رہی تھی، حلیہ و سبوح کے دعوائے نبوت کے پیچھے ایسا ہی تھا، اور یہ قدیانی مذہب تو خالص برطانیہ زادہ ہے، میں اس کو سیدھے لفظوں میں کہوں گا کہ برطانیہ ساختہ ہے، مرزا صاحب نے صاف صاف خود لکھا ہے کہ میں اور میرا خاندان حکومت برطانیہ کا ”خود کاشتہ پودا“ ہے یعنی ساختہ نہیں خود کاشتہ پودا ہوں، ہاتھ سے لگایا ہوا پودا ہوں، اور وہ کہتے ہیں۔

”کہ میں نے جہاد کے خلاف اور حمیت دین کے خلاف اور برطانیہ کی مخالفت کے خلاف اتنی کتبیں اور رسرے لکھے ہیں، اگر انہیں جمع کر دیا جائے تو پیچس الماریاں بھر جائیں۔“

یہ سب ہماری ورہائے ان بزرگوں جو اس میدان کے شریک اور رفیق ہیں، ان کی کتبوں میں جو آپ کے اہل علم کے اجتماع میں دی گئی ہیں، اس میں آپ ملاحظہ کیجئے سب کچھ ملے گا۔

اور ہماری تو یہاں تک تحقیق ہے افسوس ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے پورا سامان نہیں مل سکا اور یہ کہ جب سرسید مرحوم نے جو کہ سنی العقیدہ تھے ختم نبوت کے قائل اور توحید کے قائل تھے ان کی والدہ حضرت سید احمد شہد کی مرید تھیں اور ان کا نام سید احمد حضرت سید احمد شہید کے نام نامی ہی پر رکھا تھا۔ جب وہ تفسیر لکھ رہے تھے تو انہوں نے نہیں کہیں قدیانیہ پر جرح کی، تنقید کی تو اس پر ان کے پاس اس وقت گورنر کا خط آیا اور وہ خط بہت دنوں تک علی گڑھ کے

میوزیم میں اس خاص حصے میں جس میں سرسید مرحوم کی ذات کے متعلق ان کے کاغذات، نوادرات اور قیمتی چیزیں تھیں یہ موجود تھا، اس میں یہ صاف صاف تحریر تھا کہ آپ قادیانیوں کے خلاف کچھ نہ کہئے، یہ تحریک ہمارے مفاد میں ہے۔ یہ صاف صاف کہا انہوں نے، اور یہ بات بالکل ثابت ہو چکی ہے کہ قادیانیوں نے اس جذبہ کو جو مسلمانوں میں پیدا ہوا یہ تھا حکومت برطانیہ کی مخالفت کا اور یہ میں تاریخ کے اور اس موضوع کے ایک باب مہمن حیثیت سے بیان کرتا ہوں کہ جب انگریزوں کے قدم ہندوستان میں آگئے اور ان کا قبضہ شروع ہوا تو سب سے پہلے مسلمانوں میں ایک جذبہ و رائے عزم پیدا ہو۔ انگریزوں سے مقابلے کا اور انہیں نے سب سے پہلے خطرہ محسوس کیا اور مقابلہ شروع کیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان میدان میں آئے اور جو طاقت میدان میں آئی وہ ٹیپو سلطان تھے اور ان کا خاندان، اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ٹیپو سلطان اور ان کا خاندان حضرت سید احمد شہید اور ان کے ماموں اور نانا کا دامن گیر تھا اور بیعت تھا۔ اور یہ بات کلکتہ میں جب حضرت سید احمد شہید ہوئے تو ٹیپو سلطان شہید کے بیٹوں و فیوہ نے کہا کہ ہمارا خاندان تو آپ کے خاندان کا دستِ رفته ہے، تو جاننا چاہئے کہ سب سے پہلے ٹیپو سلطان شہید نے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے، یہی نہیں بلکہ جس وقت وہ شہید ہو گئے۔ تو انگریزوں کو یقین نہیں آتا تھا جب انہوں نے دیکھ لیا کہ شہادت پا چکے ہیں تو جنرل حارس ان کی نعش مبارک کے پاس آیا اور کھڑے ہو کر کہا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے اور ٹھیک کہا اس نے۔

اب اس کے بعد میں آپ سے کہتا ہوں کہ سب سے پہلے انگریزی حکومت کے خطرے کا احساس ٹیپو سلطان کو ہوا، انہوں نے اسلام، مسلمانوں اور ملک کے لئے اسے پر خطر سمجھا۔ اور حمیت دینی غیرت اسلامی پیدا کی اور غیرت وطنی بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد شہید کو کھڑا کیا اور ۱۸۴۱ء میں حضرت سید صاحب کی شہادت ہوئی۔ اس سے پہلے آپ نے مہاراجہ واسیہ کو خط لکھا، یہ دیکھئے کہ زمانہ کون ہے، لکھنے والا کون ہے، اور لکھا کسے جا رہا ہے۔

دیکھئے رائے بریلی کے ایک دیہات کا رہنے والا اور ایک بوریہ نشین۔ اور ایک فقیر و نیاز کے تحت نشین اور راجہ کو خط لکھ رہا ہے کہ ”این بے گانگان بعید اوطن دایں تاجران متاع فروش“ کہ یہ خونچہ بیچنے والے یہ خارجی عناصر یہ پردیسی ہماری آپ کی زمین پر قبضہ کرتے

جا رہے ہیں۔ آئیے ہم آپس میں ان کا مقابلہ کریں بعد میں پھر یہ فیصلہ ہوگا کہ وہ کون کون سے مسائل کے سپرد کی جائے۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء میں جو جوش و خروش تھا وہ بھی انہیں ہا پیدہ یہ ہو تھا۔ سر ویلیام ہنٹر نے صاف لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے صدر میں اصل ذمہ دار مسلمان تھے اور انہیں ہا پیدا کیا ہوا جوش تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ اپنی سے مراد آبادی کوئی سفارتہ و انتہا یہ مسلمانوں کی اشیائے ملکی نظر آتیں۔ اور ان میں بھی زیادہ تر دو دو گے تھے جن کا تعلق صنعت یہ احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت سے تھا۔

اب انگریزوں کو اس کی ضرورت تھی کہ کون ایسا آدمی پیدا ہو جو ان کی اپنی حمیت کا قریہ کر سکے تو کم از کم ٹھنڈا کروے، ختم نہ کر سکے مگر کمزور رہے اس کے لئے انہوں نے قانون بنے والے مرز صاحب کا انتخاب کیا۔ اور بہت صحیح انتخاب کیا۔ اور بہت صحیح انتخاب کیا۔ یونہی ان کا خاندان ان کا بہت دنوں سے وفی دار چہا آ رہا تھا، نووان لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور وہی وہ ان کے بہترین اعلیٰ مبلغین سے تھے۔ خود انہوں نے لکھا ہے۔

”میں نے انگریزوں کی حمایت اور جذبہ جہاد و حمیت دینی کی تردید میں کئی کتابیں لکھی ہیں کہ بچپن میں لکھی گئی ہیں۔“

اس پر مہم دوں نہ ہے کہ حقیقت میں یہ انگریزوں کی ایک سازش تھی جو اس سے رپوں کی کمی۔ مسلمانوں کے اندر سے جذبہ جہاد و حمیت دینی کی اصلاحی قریہ۔ اچھا تہا۔ حاکمیت دینی تھی۔ اور مسلمانوں کی اس سے زیادہ اور زیادہ قریہ۔ اور ان حکومت سے یہ

نورانیہ ہے
نورانیہ ہے
نورانیہ ہے
نورانیہ ہے
نورانیہ ہے

مرزا محمد احمد قادیان سے کھڑا کیا اور ان کی پوری سرپرستی و حمایت دی۔

تو ایسی بات تو یہ یاد رکھئے کہ یہ جو دین صحیح شکل میں آج تک موجود ہے کہ آن آپ
مشائخ نماز پڑھ کر آئیں ہیں امید ہے کل بھی اسی وقت نماز پڑھیں گے۔ آج جو آپ نے
مشائخ نماز پڑھی ہے جو سچی بہرامہ نے یہ نہ طیبہ میں پڑھی ہے پھر مد مظہر میں پڑھی اور آج
پر بھی جاری ہے یہ کس بات کا نتیجہ ہے یہ کسی ذہانت کا، یہ کسی منسو بہ بندی کا یہ کسی اجتہاد کا اور
کسی بقدرت اور فوق بستر اور فوق الفطرت یا فوق وسوسوں کا نتیجہ نہیں، یہ نتیجہ ہے
اور احسان ہے اور صرف اعلان ختم نبوت کا اور تمام نبوت کا وہ نبوت ختم ہوئی۔ اب کسی کو
ضرورت نہیں کہ کہے کہ اب بہت دن ہو گئے ایک زمانہ بیت کیا۔ اس سے اب مشائخ کا وقت
تبدیل ہو، کسی اور وقت نماز ہونی چاہئے۔ اور چار رکعت زیادہ ہیں۔ کیونکہ یہ دور بڑی
مصروفیت کا دور ہے۔ اور لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی اب ویسے نہیں رہے، جیسے پہلے لوگوں
کے تھے۔ اب دو رکعت پڑھی جانی چاہئے۔ کوئی کہے کہ اب وتر لی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ
توحید راسخ کرنے کے لئے تھی اب یہ کام ہو چکا، یاد رکھئے۔ عالم اسلام کا بڑے سے بڑا مجتہد
اور امام، شیخ اور ریاضیہ مرکوی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسا ہونا چاہئے۔ یہ سب نتیجہ ہے ختم نبوت کا اس
لئے ہم کو اس کو مضبوطی سے پکڑنا اور دانتوں سے دابنا چاہئے ”عروۃ الوثقی“ بنا کر کے ہم اس پر
قائم ہیں نہ رہیں بلکہ ہمارے اندر اس سلسلے میں شدید غیرت پائی جاتی ہے، ختم نبوت کا دعویٰ
کرنے کا کسی کو موقع نہ دیا جائے، کسی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس سلسلے میں ایسا رد
مسل دوری ایکشن ہو تو پھر کسی کی جرأت میں ہی نہ ہو، افسوس ہے کہ جب انہوں نے یہ دعویٰ
کیا تو اس وقت دینی حمیت و غیرت ہمارے اندر ویسی نہ رہی تھی جیسی ہونی چاہئے تھی۔ ایسے
دُک بھی اٹھتے جا رہے تھے جو اس وقت اس کی زبان منہ سے کھینچ پیتے۔ بنیادی بات یہ کہ
انگریزوں کی انہیں سرپرستی حاصل تھی۔ اور جو یہ سمجھ وہ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے وہ سب
انگریزوں کے سایہ تھے۔

اب میں زیادہ آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا۔ اور بات کو طول دینا نہیں چاہتا۔ بس یہ کہتا
ہوں کہ آپ اس کو اسلام کے لئے پھر سے سب سے بڑا خطرہ سمجھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ختم
نبوت کے عقیدے میں ایک اطمینان ہے، ختم نبوت کا اعلان نہ ہوتا تو آدمی آسمان کی طرف

ایٹھ رہتا کہ شاید پھر کوئی وحی آ رہی ہو۔ کوئی روشنی ظاہر ہو رہی ہو۔ پھر کوئی نبی آنے والا ہو۔ اور جگہ جگہ لوگ نبی کے منتظر ہوتے۔ اور لوگوں کو دعویٰ کرنے کا موقع ملتا۔ لیکن ایسا اس لئے نہ ہو۔ گا کہ مسلمانوں کا اجتماعی طور۔ ایمان اور عقیدہ تھا۔

”الیوم اکملت لکم دینکم الح“

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے جو بڑے سے بڑا متکلم اور فلسفی کہتا تو اس کو زیب آتی، بہت خوب بات کہی یہی بات کہ اس کی شرح میں ایک پوری کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ ”انہوں نے کہا ہے کہ دین و شریعت تو قائم ہے کتاب و سنت سے دین و شریعت کی تمام اور دین و شریعت کا استمرار اور جوہر وہ ہے۔ کتاب و سنت سے، جب تک کتاب و سنت ہی دین باقی ہے، دین و شریعت باقی ہے۔ لیکن امت کی بقا، ختم نبوت کے عقیدے سے ہے۔“

امت امت اس وقت تک ہے جب تک کہ ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ نہیں رہا تو یہ امت امت نہیں۔ پھر امت نہیں امتیں جنم میں گی۔ امتیں بھی کیا کروہ جماعتیں بنیں گی۔ اور کھیل تماشہ ہو جائے گا۔ آج کوئی اس کو نہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ میرے پاس اراد میں وحی آ رہی ہے، کوئی باور کر رہا ہے۔ میرے پاس ہندی اور انگریزی میں باری باری وحی آتی ہے یہاں تک کہ ایک شہر سے کئی کئی نبوت کے دعویٰ کر ہو سکتے ہیں۔ اس میں منافست چل جائے گی، کسی کا دعویٰ زیادہ مؤثر ہوتا ہے کسی کے دعویٰ پر کتنے زیادہ لوگ بیٹھ کہتے ہیں اس کے نتیجے میں ہماری توانائیاں، ہماری طاقت و زور۔ ہمارا ذہن و دماغ، ہماری ذہنی غیرت و حمیت ہمارا دینی فکر و عمل بجائے تعمیر کے بجائے دین کی دعوت دینے کے اور سدھی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں ملنے کے اپنی خود ساختہ تعلیمات کی اشاعت اور اپنے بنائے ہوئے دین کی دعوت میں لگیں گی۔

امت محمدیہ کی بقا ختم نبوت پر ہے

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستعيره و نو من به و نتوكل عليه و نعوذ
بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من
يضلله فلا هادي له، و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له.
و نشهد ان سيدنا و نبينا مولانا محمد ﷺ عبده و رسوله صلى الله عليه
و على اله و اصحابه و ذرياته و اهل بيته اجمعين و من تبعهم باحسان الى
يوم الدين و سلم تسليماً كثيراً. اما بعد

تقریر کو جاری رکھتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا، یہ جلسہ جس میں اتنے مختلف قسم کے
مؤقر عناصر اور ایسی عظیم شخصیتیں اور مختلف عالم اسدائی کی نمائندے شریک ہوئے ہیں، یہ جلسہ
بروقت بھی ہو رہا ہے اور ہر موقع بھی ہو رہا ہے۔ حقیقت میں دین کے لئے جو سب سے بڑا
خطرہ ہو سکتا ہے وہ دعوائے نبوت ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے بحمل هذا العلم من كل
خلف عدوله ينفون عنه انتھال المبطلين و تاويل الحاهلين، و تحريف الغالين
یہ معجزانہ الفاظ ایک نبی ہی کہہ سکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس دین کو ہمیشہ سچے۔ ”انتھال المبطلين“ اہل
باطل کے دعوے سنئے کہ ہم نبی ہیں، ہم مہدی ہیں، ہم مبعوث ہیں اور تاویل الجاہلین اور جاہلوں
کی تاویل سے اور ”تحريف الغالين“ غلو پسندوں کی تحریف سے یہ الفاظ نبی کے سوا کوئی نہیں کہہ
سکتا، نہ کوئی بڑے سے بڑا مورخ کہہ سکتا ہے نہ کوئی بڑے سے بڑا دین کا مبصر کہہ سکتا ہے، یہی
پوری مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ تمام مذاہب کو ایسے فتنے پیش آئے اور ایسی آزمائشیں پیش آئی
ہیں، یا تو ”انتھال المبطلين“ ہے کہ اہل باطل نے دعویٰ کیا کہ ہم نبی ہیں، ہم مبعوث ہیں، ہم
خدا کی طرف سے مامور ہیں، یا پھر جاہلوں کی تاویل اور غلو پسندوں کی تحریف ہے۔

اس موقع پر مولانا نے علامہ اقبال کا ایک مقولہ سنایا جو حیرت ہوتی ہے کہ ان کی زبان
سے کیسے نکلا، یہ تو بڑے سے بڑا، متکلم اسلم کی زبان سے نکلنے والی چیز تھی، امام ابو الحسن اشعری

یا بومنصور، تریڈی کہتے یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ یا حافظ ابن قیم کہتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا، انہوں نے پوری بات کہہ دی کہ دین کی بقا، دین کا اپنی شکل پر قائم رہنا دین و شریعت کا باقی رہنا، کتاب و سنت کے ساتھ مربوط ہے مگر امت کی بقا کا دار و مدار ختم نبوت پر ہے، ختم نبوت کا عقیدہ نہیں تو امت باقی نہیں، دین تو باقی رہے گا، کتاب و سنت میں اب کوئی تحریف نہیں ہو سکتی، کتاب و سنت ازلی ہے اور دائم ہے دین کے سے اسلام کے سے، اب کوئی خط و باقی نہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء کا یہ نقل بڑا کتب خانہ ہے ”کتب خانہ شہلی۔“ اس کو دیکھ لیجئے اس میں ایک لاکھ بیس ۲۰ ہزار کتابیں ہیں، اور پھر مملکت عربیہ کا کیا کہنا، دمشق کے کتب خانہ ظاہر یہ کا یہ بہن اور پھر استنبول کے اسلامی کتب خانہ کا یہ بہنا، تو جہاں تک دین کے اپنی اصلی شکل میں باقی رہنے کا سوال ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے اس لئے کہ کتاب و سنت محفوظ ہے، کوئی تاویل نہیں تحریف نہیں، کتاب اللہ میں آج تک نہ تحریف ہوئی ہے ورنہ ہو سکتی ہے، نہ سن کا میابی میں کوئی اندیشہ ہے، وراثی طریقہ سے سنت کو دیکھ لیجئے، صحاح ستہ کو دیکھ لیجئے پھر حدیث کی کتابوں کو دیکھ لیجئے، ایک پورا شعبہ صرف حدیث کا ہوگا۔

لیکن جو خطرہ امت کے لئے بحیثیت امت کے ہے، امت کے صاحب پیغام امت کے اور نجات دہندہ رہنما کے، وہ سے ختم نبوت، امت کی حیثیت سے باقی رہنا مربوط ہے، وابستہ مشروطی ہے عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ، اگر ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے، تو پھر یہ امت اپنی شکل میں موجود ہے، اپنی علیت کے ساتھ آفیت کے ساتھ اپنے دوام کے ساتھ، اور اپنے تحفظ کے ساتھ، اور اپنے پیغام کے ساتھ، لیکن خدا نخواستہ ختم نبوت کا عقیدہ نہیں تو پھر جگہ جگہ مدین نبوت کھڑے ہوں گے میں نے براہ راست انگریزی کتابیں پڑھی ہیں جن کو پادریوں نے لکھی ہیں مسیحیت کے بڑے فاضلوں نے اور مؤرخوں نے انھیں کہ قرون وسطیٰ و عہد رسالت سے پہلے کے مسیحی علماء پادری سرپکڑ کر رہے ہیں کہ ہم کیا کریں، جگہ جگہ نبوت کے مدعی پیدا ہو رہے ہیں یہاں ایک کھڑا ہوتا ہے کہتا ہے کہ ہم مسیح ہیں ایک وہاں کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم مسیح ہیں کس کس کا مقابلہ کریں، کہاں کہاں دوڑیں، کس طرح ہم اس عام آشوب فتنہ کا مقابلہ کریں۔

امت کا باقی رہنا مشروط ہے ختم نبوت کے عقیدے سے ورنہ یہ اذان، اذان نہ رہے

گئیں۔ نماز میں یہ الفاظ بڑی معذرت کے ساتھ ہمہ رہا ہوں، تمب یہ پانچ وقت کی نمازیں رہنے کا اطمینان ہے نہ قرآن مجید کا اپنے اصلی حروف و نقطے کے ساتھ باقی رہنے کا پورا اطمینان نہ، نہ دینی تعلیمات کے باقی رہنے کا اطمینان ہے، پھر امت پچاس امتوں میں سینکڑوں امتوں میں بٹ سکتی ہے، اس کا جو تحفظ ہے عقیدہ ختمِ نبوت سے ہے۔

اس اجتماع میں ایسی موقر شخصیتیں ایسے مختلف اصناف اور مختلف اقومیات، مختلف اللغات، مختلف الجہات، اور رہنما شریک ہیں، یہ بالکل بروقت ہو رہا ہے اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ یہ فتنہ سر نہ اٹھنے پائے اور اُس سر اٹھنے تو اسلام کی ختمیت کے سامنے سر اٹھائے ان کا سر جھکا دیا جائے۔ اس لحاظ سے یہ بالکل برموقع ہو رہا ہے۔

اب مجھے چند غلط فہم لینے دیجئے کہ یہ بر محل اپنی صحیح جگہ پر ہو رہا ہے کہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھے قادیانیت کے مطالعہ کا تفصیل سے موقع ملا۔ در عربی میں ”اقتدیانہ“ و ”اقتدیانہ“ کے نام سے مستقل کتاب لکھنے کا موقع ملا۔ الحمد للہ مختلف عربی ملک میں اس کے ٹی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں اردو میں بھی آئی ہے اور انگریزی میں بھی آئی ہے، میں نے اس کتاب کے جلسے میں مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے سب سے زیادہ صراحت کے ساتھ اپنی نبوت کا دعویٰ جس کتاب میں کیا ہے، وہ اس عربی رسالہ میں کیا ہے، (معلوم نہیں کہ انہوں نے خواہ اس کو لکھا ہے یا کسی سے لکھو یا ہے) اس میں عربی غلطیاں بھی ہیں، اور کمزوریاں بھی، ہم نے اس کو پڑھا ہے۔ اس میں انہوں نے اتنی صفائی کے ساتھ دعویٰ کیا کہ خدا کا نبی ہوں، میں صاحب رسالت ہوں، میں صاحب نبوت ہوں اس کا نام ”تحفۃ اندوۃ“ رکھا، اس سے کہندوہ کا اجلاس امرتسر میں ہو رہا تھا، بڑے بڑے چوٹی کے علماء، وہاں موجود تھے تو انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اور رسالہ لکھ کہندوہ کے علماء، اور قادیان کے سامنے پیش کیا جائے تو انہوں نے اس کا نام ”تحفۃ اندوۃ“ رکھا تو ہم آج ایک نیا ”تحفۃ اندوۃ“ پیش کر رہے ہیں ہم اس جلسہ کے ذریعہ سے اس جلسہ کی شکل و صورت میں ایک مختصرانہ ”تحفۃ اندوۃ“ پیش کر رہے ہیں، اور یہ جلسہ اس حیثیت سے بھی یہاں مناسب ہے کہ ندوہ ایک عالمی اور ایک نمائندہ مرکز ہے، موم اسد مسیح کا عربی زبان کا، قمر اسلمی کا اور خود ہمارا شہر بھی بڑا ایک سنی دہلی مرکز رہا ہے پھر ہندوستان سنی اور سیاحی طور پر بڑا مرکز ہے۔

اس طرح سے یہ بر موقع بھی ہو رہا ہے وقت کی ایک ضرورت بھی ہے میں نے جب "انقادیاتی واقعات" لکھی تو اس وقت میں عرض کرتا ہوں کہ اس وقت مرزا صاحب موجود نہیں تھے، ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے بیٹے۔ مرزا بشیر الدین محمود موجود تھے، ان کو میں نے یہ کتاب لاہور سے بھیجی اور اس پر لکھا کہ "تحفۃ الندوة" کے جواب میں، تاخیر کی معذرت کے ساتھ کہ وہ بہت پہلے کی بات ہے اتنے دنوں کے بعد میں جواب دے رہا ہوں، الحمد للہ وہ کتاب بہت مقبول ہوئی، بہر حال میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں، اپنے سامعین کرام کو کہ آج آپ نے ایک وقت میں ایک جگہ پر اتنی مبارک شکلیں دیکھیں، عالم اسلام کے اتنے نمائندے دیکھے اور میں صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ حرم کا تحفہ بھی یہاں آ گیا ہے، آپ کے شہر میں خود حرم کا تحفہ آ گیا کہ وہاں کے شیخ احرم وہاں کے سب سے بڑے امام شیخ محمد بن عبد اللہ اسبیس، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، وہ اس وقت تشریف رکھتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہی صدر ہیں میں نے عرض کر دیا تھا کہ ان کی موجودگی میں کسی کو صدارت کا استحقاق نہیں لیکن اس کا امدان ہو گیا بہر حال وہ معنوی طور پر اور فکری طور پر اور احترام کے لحاظ سے وہی صدر ہیں۔

نیل طعن مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے امام شیخ محمد اصیام بھی تشریف رکھتے ہیں۔ یہ بھی اس اجلاس کی ایک خصوصیت ہے کہ بیت اللہ احرام اور مسجد اقصیٰ کے امام دونوں ایک جگہ جمع ہیں واللہ الحمد۔

ختم نبوت انعام خداوندی اور امت اسلامیہ کا امتیاز ہے

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين خاتم
النبیین محمد وآله وصحبه اجمعين

ختم نبوت انعام خداوندی اور ملت اسلامیہ کا امتیاز ہے:

یہ عقیدہ کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے، ایک انعام خداوندی اور موہبت الہی ہے، جس کو خدا نے اس امت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک واضح اور صریح اردن قرآن مجید کی حسب ذیل آیت ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولكن رسول الله وخاتم النبیین
”محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، البتہ اللہ کے رسول ہیں اور
(سب) نبیوں کے ختم پر ہیں۔“

خاتم اور ختم دونوں کے معنی ختم میں آخر کے ہیں

خاتمہم وخاتمہم ای آخرہم (لسان العرب)

خاتم النبیین ای آخرہم (تاج العروس فی شرح القاموس)

خاتم النبیین وخاتم السیین لانه ختم النبوة ای تمہا بمحیثہ (مفردات

راغب اصفہانی)

هو الذي ختم النبوة بمحيثه (تاج العروس)

خاتم النبیین ای آخر الانبیاء (کشاف)

والمعنى أنه لانبی أحد بعده (بحر)

خاتم النبیین بفتح التاء ای آخرہم (معالم التنزیل)

هذه الآية نص في أنه لا نبی بعده وبذلك وردت الأحادیث المواترة

عن رسول اللہ عن جماعة من الصحابة (تفسیر ابن کثیر)

نہایت یعنی ذاتِ محمدی پر ختمِ نبوت کا تمہو جانا امت کا اجتماعی عقیدہ ہے، اور جو اجرِ نبوت کا ب بھی قائل ہے، اس تحقیق نے تمہنہ بروی ہے کہ اجماع امت سے زندیق بعد مرتد ہے۔

لفظ خاتم میں دو قرأتیں ہیں۔ اہل سن اور صحابی قرأت خاتم ہے، اور دوسرے امت قرأت خاتم بلکہ اتنا پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی انبیاء کا خاتم ہونا، یونہی تمہو بلکہ اتنا سویش اتنا دونوں کے معنی آخر کے ہی ہیں اور مہر کے معنی میں بھی یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں اور نتیجہ دوسرے معنی کا بھی وہی آخر کے معنی ہوتے ہیں۔ مہر یونہی چیز پر بند کرنے سے آخری ہی میں کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اور آپ ﷺ کا آخری پیغمبر ہونا آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کافر و کاذب ہونا یہ مسئلہ جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔

ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس پر بڑے رشک حسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ قرآن کی ایک آیت ہے جس و آپ ﷺ کو پڑھتے رہتے ہیں، اگر وہ ہم یہودیوں کی کتاب میں نازل ہوئی اور ہم سے متعلق ہوتی تو وہ ہم اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اپنا قومی تہوار اور یومِ جشن بناتے، اس کی مراد سورہ مدوں کی اس آیت

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم

الاسلام دینا

آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین صرف اسلام کو منظور فرما کر راضی ہو چکا ہوں۔

سے تھی جس میں ختم نبوت اور تکمیل نعمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نعمت کی جدت و عظمت اور اس حدت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا۔ صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں کسی نے یومِ مسرت اور تہوار کی ضرورت نہیں۔ یہ آیت خود ایسے موقع پر نازل ہوئی ہے جو اسلام میں ایک عظیم الشان اجتماع اور عبادت کا دن ہے۔ اس موقع پر دو میدیں جمع تھیں۔ یوم

عرف (۹ ذی الحجہ) اور روز جمعہ۔

ذہنی انتشار سے حفاظت:

اس عقیدہ نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی اور ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی تحریکات اور دھوکوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدت اور عرصہ اسلام سے وسیع ترین رقبہ میں وقتاً فوقتاً اٹھاتی رہی ہیں۔ اس عقیدہ کا فیض تھا کہ اسلام میں مدعیان نبوت اور رفیقین، این کا باز نہ پے طفلان بنتے محفوظ رہا۔ جو تاریخ کے مختلف قفوں میں اسلام سے مختلف و شش میں پیدا ہوتے رہے۔ ”ختم نبوت“ نے ان حصارے اندریہ مدت میں مدیوں کی دست برد اور یورش سے محفوظ رہی جو اس اٹھانچہ و بدن راہیہ بنا چاہتے تھے اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقصد یہ رہی جن سے کسی پیغمبر کی امت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی۔ اور اتنے طویل عرصے تک اس دینی اور اعتقادی وحدت اور یسائی قائم رہی۔ اور یہ عقیدہ اور یہ حصار نہ ہوتا تو یہ امت واحدہ ایکی صد ہا امتوں میں تقسیم ہو جاتی جن میں سے ہر امت کا روحانی مرز گ ہو تا، مہی و تہذیب سرچشمہ ایک ہوتا، ہر ایک کی ایک تاریخ ہوتی۔ ہر ایک کے ایک امداف اور مذہبی پیشوا اور مقتدا ہونے، ہر ایک کا ایک ماضی ہوتا۔

ختم نبوت کا زندگی اور تمدن پر احسان

عقیدہ ختم نبوت درحقیقت نوع انسانی کے لئے ایک شرف و امتیاز ہے، اس بات سے کہ اس نوع انسانی میں پہنچ گئے ہیں، اس میں ہر امت کے ایک مقتدا ہونے سے۔

اس عقیدہ نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی تحریکات اور دھوکوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدت اور عرصہ اسلام سے وسیع ترین رقبہ میں وقتاً فوقتاً اٹھاتی رہی ہیں۔ اس عقیدہ کا فیض تھا کہ اسلام میں مدعیان نبوت اور رفیقین، این کا باز نہ پے طفلان بنتے محفوظ رہا۔ جو تاریخ کے مختلف قفوں میں اسلام سے مختلف و شش میں پیدا ہوتے رہے۔ ”ختم نبوت“ نے ان حصارے اندریہ مدت میں مدیوں کی دست برد اور یورش سے محفوظ رہی جو اس اٹھانچہ و بدن راہیہ بنا چاہتے تھے اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقصد یہ رہی جن سے کسی پیغمبر کی امت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی۔ اور اتنے طویل عرصے تک اس دینی اور اعتقادی وحدت اور یسائی قائم رہی۔ اور یہ عقیدہ اور یہ حصار نہ ہوتا تو یہ امت واحدہ ایکی صد ہا امتوں میں تقسیم ہو جاتی جن میں سے ہر امت کا روحانی مرز گ ہو تا، مہی و تہذیب سرچشمہ ایک ہوتا، ہر ایک کی ایک تاریخ ہوتی۔ ہر ایک کے ایک امداف اور مذہبی پیشوا اور مقتدا ہونے، ہر ایک کا ایک ماضی ہوتا۔

ہے، جو وہ انسان کے سامنے اپنی طاقتوں کو صرف کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، وہ انسان کو اپنی جہد و جہد کا حقیقی میدان اور رخ بتاتا ہے۔ اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہو تو انسان ہمیشہ تذبذب و بے اعتدالی کے عالم میں رہے گا۔ وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن اور متشکک رہے گا۔ اس کو ہر مرتبہ یہ شخص یہ بتائے گا کہ گلشنِ انسانیت و روضہ آدم ابھی تک نامکمل ہے۔ اب وہ بڑبڑا رہا ہے مکمل ہوا۔ اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ جب اس وقت تک نامکمل رہا تو آئندہ کی کیا ضمانت ہے؟ اسی طرح وہ بجائے اس کی آبیاری اور اس کے پھلوں اور پھووس کے مستمع ہونے کے لئے باغبان کا منتظر رہے گا۔ جو اس کو بڑبڑا رہے مہمل کرے۔

علامہ اقبال نے یہ حکیمانہ و مبہمہ بات کہ ”دین و شریعت کی بقا، تو کتاب و سنت سے ہے۔ لیکن امت کی بقاء ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ ہے اور یہ امت جب ہی ایک امت ہے جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتی ہے اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں۔“

قادیانیت کی جسارت اور جدت :

سردم کے خلاف وقت فوقتاً جو تحریکیں اٹھیں، ان میں قادیانیت کو خاص امتیاز حاصل ہے، وہ تحریکیں یہ تو سردم کے نظامِ حکومت کے خلاف تھیں یہ شریعتِ اسلامی کے خلاف۔ لیکن قادیانیت، حقیقتِ نبوتِ محمدی کے خلاف ایک سازش ہے۔ وہ اسلام کی ابدیت اور امت کی وحدت کو چیلنج ہے۔ اس نے ختم نبوت سے انکار کر کے اس سرحدی خط کو بھی عبور کر لیا جو اس امت کو دوسری امتوں سے ممتاز و منفصل کرتا ہے اور جو کسی مملکت کے حدود کو چھوڑے اور حدِ قاصد بنانے کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنے ایک نگرینی مضمون میں جو ہندوستان کے مشہور اخبار اسٹیشنس میں شائع ہوا تھا، بڑی خوبی سے قادیانیت کی اس جسارت اور جدت کو واضح کیا ہے، وہ فرماتے ہیں

”اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کے حدود مقرر ہیں، یعنی وحدتِ الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان، راصل یہ آخری یقین ہی وہ

حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے، اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ فرد یا گروہ امت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں؟ مثلاً برہموسماج والے خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں امت اسلامیہ شمار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت کو نہیں مانتے، جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا، ایران میں بھی یہیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہے اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا نیکیاں اسلام۔ حیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہونِ منت ہے، میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں، یہ وہ بھیوں کی تقید کریں، یہ ختم نبوت کی تادیبوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کریں، ان کی جدید تاویل محض اس غرض سے ہے کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔

یہ دین چونکہ آخری عالمگیر دین ہے اور یہ امت آخری اور عالمگیر امت ہے، اس لئے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دنیا کے مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے اس امت کا واسطہ رہے گا۔ اور ایسی کشمکش کا اس کو مقابلہ کرنا ہوگا جو کسی دوسری امت کو دنیا کی تاریخ میں پیش نہیں آئی۔ اس امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ پراز تغیرات اور پراز انقلابات ہے اور اس کے حالات میں جتنا تنوع ہے وہ تاریخ کے کسی گزشتہ دور میں نظر نہیں آتا۔

اسلام کی بقاء اور تسلسل کے لئے غیبی انتظامات:

ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور مکان و زمان کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو انتظامات فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ اس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو ایسی کامل و مکمل اور زندہ تعینات عطا فرمائی ہیں جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کر سکتی ہیں، اور ان میں ہر زمانہ کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے، دوسرے اس نے اس کا ذمہ یہ ہے (اور اس وقت تک کی تاریخ اس کو شہادت دیتی ہے) کہ وہ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان

تجسیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے۔ اور مجموعی یا انفرادی اس دین کو تازہ اور اس امت کو سرگرم رکھیں گے۔ اس دین میں یہ اشخاص کے پیدا کرنے کی جو صلاحیت اور طاقت ہے اس کا اس سے پہلے کسی دین سے اظہار نہیں ہو۔ اور یہ امت تاریخ عام میں جیسی مردمانہ ثابت ہوئی ہے، دنیا کی قوموں اور امتوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے بلکہ نقطہ مخرج وندی ہے کہ جس دور میں جس صلاحیت و قوت کے آدمی کی ضرورت، اور زہم و جس تریاق کی حاجت تھی وہ اس امت کو عطا ہوا۔ (۱)

ادیان سابقہ میں دعویٰ ارا ان نبوت کی کثرت:

یہودی و مسیحی تاریخ کو پڑھنے والا اس بات کو صاف حقیقہ پر پہنچتا ہے، کہ مدعیان نبوت کا کثرت سے پیدا ہونا یہودی دنیا نے اپنے حقدار میں اور مسیحی دنیا کے لئے اپنے حقدار میں ایک عظیم الشان آزمائش اور فتنہ بنا ہوا تھا۔ یہ ان کے لئے ایک زبردست بحران (CRISIS) و ایک ہم مسہم (PROBLEM) کی حیثیت رکھتا ہے۔ بندہ کو سب سے پہلے اس میں صرف توجہ ملنا مقبول (اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے) کی تحریر سے منع صرف ہوئی، کہ انہوں نے یہ جیسے تفرقہ اور تفریق نہ لکھا ہے کہ ختم نبوت اس امت کا طرہ امتیاز اور اس کے حق میں نعمت عظمیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے کہ ختم نبوت کا ختم اعلان کر دیا، گویا انسانوں کو یہ بتایا کہ اب تمہیں بار بار وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف اٹھنا نہیں ہے بلکہ زمین و آسمان، اپنی قوانین اور احکامات میں (جس میں

جعل سازوں کی سازشوں کا شکار ہونے سے بچا لیا۔

بندہ نے اسی روشنی میں یہودیت اور مسیحیت کی تاریخ براہ راست پڑھنی شروع کی تو اس نے دیکھا کہ یہودی اور مسیحی علماء سر پکڑ کر (اور اس میں مبالغہ یا غلط بیانی نہیں) رو رہے ہیں، اور اس پریشانی کا اظہار کر رہے ہیں، کہ ہم کیا کریں؟ عجیب مصیبت ہے روز ایک نیا مدعی نبوت پیدا ہوتا ہے اس کو صادق و کاذب ثابت کرنے کے لئے کوئی پیمانہ چاہئے اور وہ بھی ایسا ہونا چاہئے کہ جو سب کی سمجھ میں آئے، ہماری طاقت اور ذہانت اس میں صرف ہو رہی ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ فداں جعلی مدعی نبوت ہے، فداں دجال و کذاب ہے، صدیوں تک یہودی اور مسیحی دنیا اس آزمائش میں مبتلا رہے ہیں۔

یہاں معتبر یہودی و عیسائی مآخذ کے صرف دو اقتباس پیش کئے جاتے ہیں، امریکی برطانی جیوش ہٹاریکل سوسائٹی کا ایک فضل رکن (ALBERT M. SAYMSON) البرٹ ایم سائمن انسائیکلو پیڈیا مذہب و اخلاق میں لکھتا ہے۔

”یہودی حکومت کی آزادی سلب ہو جانے کے بعد پچھلی چند صدیوں تک بہت سے خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہودی تاریخ میں ملتا ہے، جدا وطنی کے تاریک ترین زمانوں میں امید اور خوشخبری کے یہ پیغام پر، خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے یہود و ان کے وطن (جہاں سے ان کے آباء واجداد نکال پھر گئے تھے) واپس لے جانے کی امیدیں دلاتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں ایسے ”مسیح“ ان مقامات پر اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوتے تھے، جہاں یہود پر ظلم و ستم انتہا کو پہنچ جاتا تھا، اور اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہو جاتے تھے، اس قسم کی تحریکیں عموماً سیاسی نوعیت کے حامل ہوا کرتی تھیں خصوصاً بعد کے زمانہ میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا۔ اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی منہر سے ماری ہو کرتی تھیں لیکن اکثر ان کے بانی بدعت کو فروغ دے کر اپنی سیادت کا دائرہ اور اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجے میں یہودیت کی اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر عیسائیت یا اسلام میں ضم ہو جاتے تھے۔“

”ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو مادی حکمت (SUPERIOR WISDOM) کے مدعی ہوتے تھے بہت جلد بے اعتمادی پیدا کر دی اور کلیسوں اور ان کے رہنماؤں کو اس

خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا۔ تاہم ابھی کوئی ایسا تاویسی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا جو جانا پہچانا بھی ہوتا، اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صدا حیت رکھتا ہو۔ جنہیں یہ دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے اور ان پر بذریعہ وحی اپنی راز ہائے سرستہ منکشف کرتا ہے، ابھی تک ایسا کوئی معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا جس کے ذریعہ ان مدعیان روحانیت کی صداقت کا امتحان لیا جاسکتا۔

”والو الدات . عموماً فی سائر الامہات مطلقات کن او غیر مطلقات وان کانت مطلقۃ ففقۃ الرضاع ایضاً مستحقۃ بظاہر الایۃ“ .

شریعت اسلامی کے یہ قوانین کوئی ڈھکے چھپے نہیں ہیں، بلکہ قوانین شریعت سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا بھی انہیں جانتا ہے، پھر معوم نہیں کیوں اور کن اسباب و مصالح کی بنا پر عدالت کے موجودہ فیصلہ کو ”شریعت کی شکست“ اور ”یکس سول کوڈ کے نفاذ کی طرف ایک قدم“ قرار دیا جا رہا ہے، ایسا کہنے والے اسلامی شریعت سے جہالت یا عداوت کا ثبوت دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر رہے ہیں۔

پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ قوانین صرف فقہی عربی کتبوں میں ملتے ہوں، اردو، ہندی، یا مقامی اور علاقائی دیگر زبانوں میں نہ ہوں، کیونکہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے بعد سے تو اردو، ہندی میں بھی مختلف مسلم حقوق واداروں، خاص طور سے بورڈ کی طرف سے مختلف زبانوں کے اندر بے خصوص شاہ بانو کیس کے بعد ”پرسنل لا“ (اسلام کے عائلی نظام) پر اتنا تعارفی لٹریچر شائع ہو چکا ہے کہ کم از کم کسی جو یاے حقیقت کے لئے ناواقف رہنے کا کوئی معقول عذر رہا ہی نہیں رہ گیا ہے، خود بندہ کے قلم سے اس درمیان ایک مفصل کتاب ”معاشرتی مسائل“ (جس کے نصف درجن سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے) ہیں) اور کئی کتابچے جن میں ”مسلم پرسنل لا اور عورت کے حقوق“ بھی ہے، نیز تقریباً نصف درجن مضامین، ملک کے مختلف مؤقر جرائد و رسائل میں اس موضوع پر شائع ہو چکے ہیں جن میں لکھنؤ کا مشہور و مؤقر اخبار ”قومی آواز“ بھی شامل ہے۔ قومی آواز ۱۲، ۱۱ جولائی ۱۹۹۵ء کی اشاعت میں ایڈیٹوریل والے صفحہ پر بندہ کا ”یونیفارم سول کوڈ اور مسلم پرسنل لا“ کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون شائع ہو چکا ہے، اس کا

ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

”شوہر سے ملاحدگی کے بعد بھی، اگر وہ طلاق کے ذریعہ ہوئی ہے، تو کچھ عرصہ تک (عدت کے دوران) نفقہ شوہر پر ہی رہتا ہے، اگر طلاق دینے والے شوہر سے مطلقہ کے بچے بھی ہیں تو جب تک وہ دودھ پینے یا پرورش و نگرانی کے لئے ماں کے محتاج رہیں گے اس وقت تک نہ صرف ان بچوں کا بلکہ انہیں دودھ پلانے (اور نگرانی کی غرض سے پابند رہنے) والی اس مطلقہ کا پورا خرچ بھی اسی (طلاق دینے والے) پر رہے گا یہیں سے اس پروپیگنڈے کی تردید بھی نکل آتی ہے کہ ”مطلقہ عورت بچوں کو لئے ماری ماری پھرتی ہے۔ ہاں قانون شریعت سے نہ قنیت یا بے عملی کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جائے تو اس میں قانون شریعت کو نرا مودینہ زیادتی ہوگی۔“

یہ مضمون اضافہ کے ساتھ ”تعمیر حیات“ میں بھی شائع ہوا اور منب نے دیگر رسائل و اخبارات میں نقل ہوا (مثلاً رسالہ ”بانی“ نئی دہلی میں) اور ”سار“ بنگلور ”نقیب“ پھلواڑی شریف پٹنہ بلال اذان“ اگر وہ وغیرہ میں شائع ہوا اور اسے پمفٹ کی شکل میں شائع کر کے مختلف مجالس و اجتماعات میں تقسیم کیا گیا (جن میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اندر ہونے والے بعض اہم اجتماعات مثلاً دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ”مجلس منظمہ“ پرسنل لاکھی ”مجلس عامہ“ وغیرہ بھی شائع ہیں۔) نیز بہت سے لوگوں کو ڈاک سے بھیجا گیا۔

ملا وہ ازیں تقریباً ہر دینی حلقہ سے (جس میں امارت شریعہ بہار و اڑیسہ کا نمایاں حصہ ہے۔) مسلم پرسنل لا، یعنی شریعت کے عائلی قوانین کے خلاف پروپیگنڈے کا بازاء گرم ہونے کے بعد ہے۔ اسلامی عائلی قوانین کے تعارف اور اس پروپیگنڈے کے توڑ کے لئے برابر تحریری، تقریری کوششیں ہو رہی ہیں۔ ان کے باوجود علماء کو یہ الزام دینا کہ ”انہوں نے عوام کو ناواقف رکھ“ یا تو ناواقفیت پر مبنی ہے یا پھر علماء کو الزام دینے کے ”فیشن“ کی پیروی ہے، جو آج کل۔ دلچسپ مشغلہ کے طور پر۔ بعض حقوق میں رائج ہے۔

”قادیانیت“ کا وجود اور اس کا اصل محرک و سرپرست

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین
وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد

علمی اور تاریخی حیثیت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قادیانیت فرنگی سیاست کے طعن سے وجود میں آئی ہے صورت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے ربع اول میں ہندوستان کے مشہور و معروف مجدد حضرت سید احمد شہید (۱۲۳۶ھ-۱۸۳۰ء) نے جہاد کی تحریک چدائی اس سے مسلمانوں میں جہاد اور قربانی کی آگ بھڑک اٹھی، ان کے سینوں میں اسلامی شجاعت اور حوصلہ مندی موجزن ہونے لگی اور وہ ہزاروں کی تعداد میں سر ہتھیلیوں پر لئے ہوئے اس تحریک کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے، جس کی سرگرمیاں برطانوی حکومت کے لئے پریشانی اور تشویش کا باعث تھیں۔

معتبر تاریخی روایات اور معاصر باخبر شخصیتوں کی شہادت ہے کہ سید احمد شہید کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کرنے والوں کی تعداد ۳۰ لاکھ تھی اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ۴۰ ہزار پہنچتی ہے، یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار قائم ہونے کے خطرہ کا سب سے پہلے احساس (سلطان ٹیپو شہید ۱۲۱۳ھ-۱۷۹۹ء کے بعد) انہیں کو اور ان کی جماعت کو ہوا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے (جس کو غدر سے تعبیر کیا جاتا ہے) بہت پہلے ان کو اس خطرہ کا مقابلہ کرنے اور ملک کو اس سے بچانے کی ضرورت کا احساس ہوا۔ انہوں نے اس وقت کے مہاراجہ گوالیار دولت راؤ سندھیا اور ان کی وزیر ہندو راؤ کو جو خط لکھا اس میں صاف طور پر تحریر فرمایا:-

”یہ بیگانگان، بعید الوطن و تاجران متاع فروش“ ہمارے ملک پر قابض ہوئے جا رہے ہیں، آئیے ہم آپل کر ان کا مقابلہ کریں اور ملک کو اس خطرہ سے محفوظ کریں پھر بعد میں دیکھ جائے گا کہ کون کی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے، اور کس کو کیا اختیار دیا جائے۔“

انگریزی اقتدار کا مقابلہ کرنے میں بھی بہت بڑا ہاتھ ان کی جماعت کے مجاہدین کا تھا۔
واقفین جانتے ہیں کہ اس بیعت سے عقیدہ کی صحیح، توحید خاص، اتباع سنت عمل
بالشریعت اور تزکیہ نفس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ اور عزم بھی واضح اور طاقت و طریقہ
پر پیدا ہوتا تھا۔

اس کی ایک مثال اور ثبوت یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے افواج کے کمانڈر جنرل بخت خان
جن کے سپرد خاص طور پر انگریزی افواج سے جنگ اور مقابلہ کی ذمہ داری تھی، کہتے ہیں کہ میں
جب سید صاحب کے مشہور اور جلیل القدر خلیفہ مولانا کرامت علی جوہری سے بیعت ہوا تو
انہوں نے بیعت کے دوران مجھ سے یہ وعدہ بھی کیا کہ میں افواج سے جنگ بھی کروں گا۔

ہندوستان میں نوخیز انگریزی اقتدار کے اس جماعت کے مجاہدین سے خوف و خطرہ کا
اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو انبالہ عدالت میں انگریز جج ایڈورڈس نے مولانا تاجی
علی عظیم آبادی مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولوی محمد جعفر تھانیسری اور مولانا عبدالرحیم صادق
پوری کو حکومت انگریز کے خلاف سازش اور جدوجہد کی بنا پر پھانسی دیئے جانے کا حکم سنایا،
لیکن یہ حکم سن کر ان کے چہرے پر ایسی مسرت ظاہر ہوئی کہ مجمع دیکھ کر حیران رہ گیا، جب ایک
انگریز افسر نے اس کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ ”میں نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا کہ پھانسی
کا حکم سنایا جائے اور پھانسی پانے والے ایسے خوش اور مطمئن ہوں۔“ اس پر مولوی محمد جعفر
صاحب نے جواب دیا کہ ہمیں اس کی خوشی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ہمیں شہادت کی نعمت
نصیب فرمائی، تم بے چاروں کو اس کا مزا کیسا معلوم؟ دوسرے دنوں مزموں نے بھی اسی مسرت
کا اظہار کیا پھانسی گھر میں بھی ان چاروں مزموں کے مسرت و بشارت کا یہی حال تھا۔

انگریز ان قیدیوں کے سرور و نشاط کو دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتے، اور ان سے پوچھتے کہ تم
موت کے دروازہ پر ہو، اور کچھ دن میں تم کو پھانسی ہونے والی ہے، لیکن تمہارے اوپر اس کا کوئی
اثر ظاہر نہیں ہوتا، وہ جواب دیتے ہیں کہ اس شہادت کی وجہ سے جس کے برابر کوئی نعمت و
سعادت نہیں، یہ حضرات کچھ عرصہ پھانسی گھر میں رہے اور انگریز حکام کے لئے یہ مسئلہ ایک
معمہ بن گیا، بالآخر ایک دن انبالہ کا حکم ضلع (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) جیل میں آیا اور اس نے
ان تینوں کو خطاب کر کے کہا:-

”اے باغیو! چونکہ تم پھانسی کے خواہش مند ہو اور اس کو راہ خدا میں شہادت سمجھتے ہو اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنی دلی مراد کو پہنچو اور خوشی سے ہم کنار ہو، اس لئے ہم پھانسی کا حکم تبدیلی کر کے تم کو جزائر انڈمان میں عمر قید (جس دوام بعوہ و ریائے شور) کی سزا دیتے ہیں۔“

مولانا یحییٰ علی نے چار سال کے بعد جزائر انڈمان کے پورٹ بلیر میں وفات پائی، مولوی محمد جعفر تھانوی ۱۸ سال قید بامشقت کے بعد رہا ہوئے، مولانا احمد اللہ صاحب رہا ہو کر ہندوستان آئے۔

اور کچھ عرصہ کے بعد سوڈان میں شیخ محمد حمد سوڈانی نے جب داور مہدویت کا نعرہ بلند کیا جس سے سوڈان میں برطانیہ کا اقتدار تزلزل میں آ گیا۔ اس کو معلوم تھا کہ یہ چنگاری اگر بھڑک اٹھی تو قابو میں نہیں آئے گی اور پھر سید جمال الدین افغانی کی تحریک اتحاد اسلامی کو اس نے پھیلنے اور مسلمانوں میں مقبول ہوتے دیکھا، انگریزی حکومت نے ان سب خطرات کو محسوس کیا، اس نے مسلمانوں کے مزاج و طبیعت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ ان کا مزاج دینی مزاج ہے، دین ہی انہیں گرماتا ہے اور دین ہی انہیں ٹھنڈا کر سکتا ہے، لہذا مسلمانوں پر قابو پانے کی واحد شکل یہ ہے کہ ان کے عقائد پر اور ان کی دینی میلان اور نفسیات پر قابو پا جائے۔ مسلمانوں کے مزاج میں درخور حاصل کرنے کے لئے دین کے سوا کوئی ذریعہ نہیں۔

اس مقصد کے لئے برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمانوں ہی میں سے کسی شخص کو ایک بہت اونچے دینی منصب کے نام سے ابھارا جائے کہ مسلمان عقیدت کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور وہ انہیں حکومت کی وفاداری اور خیر خواہی کا ایسا سبق پڑھائے کہ پھر انگریزوں کو مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہ رہے، یہ حربہ تھا جو برطانوی حکومت نے اختیار کیا کیوں کہ مسلمانوں کا مزاج بدلنے کے لئے کوئی حربہ اس سے زیادہ کارگر نہیں ہو سکتا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی، جو وحشی انتشار کے مریض تھے (۱) اور بڑی شدت سے اپنے دل

(۱) اس شخص میں تین ایسی چیزیں یک وقت جمع تھیں جنہیں دیکھیں کر ایک مرنے پر فیصد نہیں کرتا کہ ان میں اہم ترین اور حقیقی سبب کے قرار دیا جائے، جس نے ان سے یہ ساری حرکات سرزد کرائیں، (۱) دینی رہنمائی کے منصب پر پہنچ جائے اور نبوت کے نام سے پورے عالم اسلامی پر چھایا جائے (۲) وہ انجیل جس کے بار بار تذکرہ سے ان کی ان سے متعلق اس کے ماننے والوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں (۳) مبہم و درغیر واضح قسم کے سیاسی اغراض و مقاصد اور سرکار انگریزی کی خدمت گزاری اور نمک حلائی۔

میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ ایک نئے دین کے بانی بنیں، ان کے چھ متبعین اور موافقین ہوں اور تاریخ میں ان کا ویسے ہی نام اور مقام ہو جیسا جناب رسول اللہ ﷺ کا ہے، انگریزوں اس کام کے لئے موزوں شخص نظر آئے اور گویا انہیں ان کی شخصیت میں ایک ایجنٹ مل گیا جو ان کے اغراض کے لئے مسلمانوں میں کام کرے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی تیزی سے کام لینا شروع کیا۔ پہلے منصب تجدید کا دعویٰ کیا پھر ترقی کر کے امام مہدی بن گئے کچھ دن اور گزرے تو مسیح موعود ہونے کی شہادت دی اور آخر کار نبوت کا تخت بچھ دیا، اور انگریزوں نے جو چاہا تھا وہ پورا ہو گیا۔

ان بزرگ نے اپنا پرٹ بڑی خوبی سے ادا کیا۔ اور انگریزوں نے بھی اس تحریک کی سرپرستی میں کوئی کمی نہیں کی، اس کی حفاظت بھی کی، اور ہر طرح کی سہولتیں اس کام میں بہم پہنچائیں مرزا صاحب نے بھی گورنمنٹ کے ان احسانات کو فراموش نہیں کیا، اور ہمیشہ وہ اس بات کے معترف رہے کہ ان کا نمود برطانیہ عظمیٰ کا رہین منت ہے، چنانچہ اپنی ایک تحریر میں خود حکومت برطانیہ کا ”خود کاشتہ“ پودا قرار دیا ہے، وہ اپنی اس درخواست میں جو لفٹنٹ گورنر پنجاب کو ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء میں پیش کی تھی لکھتے ہیں:-

”یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس ۵۰ سال کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار، جانثار خاندان ثابت کر چکی اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ سے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چھٹیت میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سرکار انگریزی کی خیر خواہ اور خدمت گزار ہے۔ اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم و احتیاط اور تحقیق و توجہ سے کام لے۔ اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائیے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔“

اور ایک جگہ اپنی وفاداریوں اور خدمت گزار یوں کو گناات ہوئے لکھتے ہیں:-

”میری عمر کا اکثر حصہ اس سبطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزر رہا ہے، اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں میں نے

ایسی کتابوں کو تمام عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔“

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

”میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں، تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی پکی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں، اور ان کے بعض مفہموں کے دلوں سے غلط خیال ”جہاد“ وغیرہ کو دور کر دوں، جو ان کی دین صفائی اور خدشات و تعذبات سے روکتے ہیں۔“

اور اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:-

”میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھتے جائیں گے، وہ یہ مسئلہ جہاد کے معتقد نہ ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی جہاد کا انکار کرنا ہے۔“

”میں نے بیسیوں کتابیں عربی فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اجاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے، چنانچہ میں نے یہ کتابیں ہیرف زر کثیر چھاپ کر بلا واسطہ میں پہنچائی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک (ہندوستان) پر بھی پڑا ہے اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت تیار ہو جاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی پکی خیر خواہی سے لبالب ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت اعلیٰ درجہ پر ہے، اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام ملک کے لئے بڑی برکت ہیں۔ اور گورنمنٹ کے سید ولی جاں نثار۔“

مرزا غلام احمد صاحب کی اس تحریک ان کی اس جماعت نے انگریزی حکومت کے لئے بہترین جاسوس اور بڑے سچے دوست اور جاں نثار فراہم کئے، اس گروہ کے بعض چیدہ اشخاص نے ہند اور بیرون ہند میں انگریزی حکومت کی بیش قیمت خدمات انجام دیں اور اس سلسلہ میں جانی قربانی تک سے دریغ نہیں کیا۔ جیسے عبداللطیف صاحب قادیانی جو افغانستان میں مذہب قادیانی کی تبلیغ اور جہاد کی مخالفت کرتے تھے، ان کو حکومت افغانستان نے قتل کیا کیونکہ ان کی دعوت سے اس بات کا خطرہ تھا کہ افغان قوم کا وہ جذبہ جہاد اور حوصلہ جنگ فدا ہو جائے جس کے لئے وہ دنیا بھر میں مشہور ہے، ایسی ہی مدد عبدالحلیم قادیانی اور ملا نور علی قادیانی اسی انگریزی حکومت کے لئے افغانستان میں فدا کے گھاٹ اترے، کیونکہ ان کے پاس سے حکومت

افغانستان کو کچھ ایسے خطوط اور کاغذات دستیاب ہوئے جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں برطانوی حکومت کے ایجنٹ ہیں، اور حکومت افغانستان کے خلاف سازش میں مشغول ہیں جیسا کہ افغانستان کے وزیر داخلہ کے ۱۹۲۵ء کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے اور قادیانیوں کے سرکاری اخبار ”الفضل“ نے اپنی ۳ مارچ ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں اس بیان کو نقل کیا، اور اس قربانی پر بڑے فخریہ انداز میں تبصرہ کیا۔

علی بذیہ قادیانی جماعت اپنے دور آغاز سے اب تک برابر تمام قوم پرور و وطن دوست تحریکات سے کنارہ کش رہی، ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں نہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اس نے کوئی حصہ لیا، نہ ان کے بعد، اور صرف یہی نہیں بلکہ انگریزوں کی چودھ اہٹ میں پوری قزاقوں کی ٹولی (مستعمرین) کے ہاتھوں عالم اسلام پر جو مصائب ٹوٹ رہے تھے، یہ ان کے لئے موجب غم نہیں، باعث مسرت تھے، انہیں کبھی عام زندگی سے اسلامی مسائل سے یا ان اسلامی تحریکات سے جو اسلامی حمیت یا سیاسی شعور کا نتیجہ تھیں اور ان کی دلچسپیوں کا دائرہ صرف وقت مسیح، حیات مسیح، نزول مسیح، اور نبوت مرزا غلام احمد پر مباحثوں اور منظر تلوں تک محدود رہا۔

مرزا صاحب کا خاندان انگریزی حکومت سے جو پنجاب میں نئی نئی قائم ہوئی تھی، شروع سے فرمانبردارانہ و مخلصانہ تعلق رکھتا تھا۔ اس خاندان کے متعدد افراد نے اس نئی حکومت کی ترقی، اور اس کے استحکام میں جان بازی اور جان نثاری سے کام لیا تھا۔ اور بعض نازک موقعوں پر اس کی مدد کی تھی، مرزا صاحب کتاب ابریہ کے شروع میں ”اشتہار واجب الاظہار“ میں لکھتے ہیں۔

”میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے، میرا والد مرزا مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں وفادار و خیر خواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی، اور جن کا ذکر مسٹر رائفن صاحب کی تاریخ ریسن پنجاب میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی، یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچ کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے، ان خدمات کی وجہ سے جو چھٹیاں خوشنودی حکام ان کو ملی تھی، مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہو گئیں، مگر تین چھٹیاں جو مدت سے چھپ چکی ہیں، ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں، میرے دادا صاحب کی وفات کے بعد پر میرا بڑا بھائی مرزا اندام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تمہوں کے گزر پر مفسدوں کا سرکار

انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا، تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔“

وفات:

مرزا غلام احمد صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے اسلام نے ان کی تردید اور مخالفت شروع کی، تردید اور مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر ”اہل حدیث“ پیش پیش اور نمایاں تھے، مرزا صاحب نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

”اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام و ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا کہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔“

اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہو تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکہ بین کی سزا سے نہیں بچیں گے، پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طعن، بیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔“

اس اشتہار کے ایک سال بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب بمقام راہور بعد عشاء اسہال میں مبتلا ہوئے۔ اسہال کے ساتھ استفراغ بھی تھا۔ رات ہی کو علاج کی تدبیر کی گئی لیکن ضعف بڑھتا گیا اور حالت دگرگوں ہو گئی بالآخر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء سے شنبہ کو دن چڑھے آپ نے انتقال کیا، مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب صاحب کا بیان ہے:-

حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سوچکا تھا، جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا، جب میں حضرت عباس صاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا:-

میر صاحب مجھ کو باقی ہیضہ ہو یا ہے، اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات
میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن ۱۰ بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔
جب کہ موراثہ اللہ صاحب نے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس برس بعد ۱۵
مارچ ۱۹۴۸ء میں ۸۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی جس نے خفتہ ایران کو بیدار کر دیا

(یہ سن عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ ۱۵ جون ۱۹۷۳ء کو اس جلسہ
مستبایہ میں دی گئی تھی جو آیت اللہ عظمیٰ مرزا محمد ظہیر کمری۔ دولت کدہ واقع زرین نعل تہران
میں منعقد کیا گیا تھا)

حضرات! ابھی آپ کے سامنے قاری نے سورہ آل عمران کی مشہور آیت کی تلاوت کی۔
واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکرو انعمۃ اللہ علیکم
اذکتتم اعداء فاللف بین قلوبکم فصبحتم بنعمتہ اخوانا وکتتم علی
شفا حفرة من النار فانقذکم منها کذا الک یبین اللہ لکم آیاتہ لعلکم
تہتدون (آل عمران ۱۰۳)

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی
رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ
تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم اللہ تعالیٰ
کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے ٹڑھے سے
کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم
کو اپنے ادا کام بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں تاکہ تم کو راہ پر رہو۔
پھر یہ فاضل اہل سنت استاذ محمد جمال نے اس آیت کے پہلے حصہ کے
بحث کی سے میں اس کے دوسرے حصہ یعنی ۔

وکتتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها کذا الک یبین اللہ لکم
آیاتہ لعلکم تہتدون (آل عمران ۱۰۲)
اور تم کو دوزخ کے ٹڑھے سے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان

بچائی سی صرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔

پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں نیز اس پر غور و فکر کی دعوت دوں گا۔

حضرات یہ آیت کریمہ ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے دلوں پر نقش دینی چاہیے اس آیت میں اس عظیم نعمت کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے امت اسلام کو سرفراز فرمایا ہے اور اے باشندگان ایران آپ ہی تہا اس نعمت کے مالک نہیں ہیں بلکہ ہم برصغیر کے رہنے والے بلکہ اس روئے زمین پر بننے والے تمام مسلمان بلکہ اس جزیرہ العرب کے باشندہ بھی جہاں سے اسلام کی ریشمیں پھوٹیں اور ساری مہمانت پر چھائیں اس عظیم نعمت میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔

ہم سب جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے نہ تو حید و نبوت سے واقف تھے نہ شر و شریکی خبر تھی اخلاقی قدروں سے بیگناہ آشنا اور صحیح مذہبی تعلیمات قطعاً بہر تھے، اوپام و خرافات میں رفته رہے تھے، خام و جاہل حکومتوں کے جو رواستبداد کا شکار تھے، انسانیت ہر طرف پامال ہو رہی تھی۔

ایک طرف مطلق معنائیں حکمران، دوسری طرف علم و مذہب کے چارہ درہم، معبود بنے بیٹھے تھے، عوام ان کی پرستش اور اندھی اطاعت پر مجبور تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اتخذوا احبارہم و رہبا انہم اور اباً من دون اللہ. (التوبہ ۳۱)

انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے ماہ و مشائخ کو (باعتبارِ طاقت کے) رب بنا رکھا ہے۔

اسلام آیا اور اس کی مینا پاشیوں نے روئے زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کیا، اسلام کی نعمت ساری انسانیت کے لئے عام تھی، وہ اس بارش کی طرح تھی، جو سپید و سیاہ اور بندہ و آقا کے درمیان امتیاز نہیں کرتی، وہ تو بادل تھا، جو پست و بلند، گلشن و صحرا سب کو سیراب کر گیا، اور حق تو یہ تھا، کہ اسے عربی شاعر کے اس قول سے مستحب کیا جائے۔

فاذب کما ذہبت غواذی مزنة

اٹنی علیہا السہل والاوعار

ایک فارسی شاعر کا قول ہے، جو زیادہ بلیغ ہے۔

پر تو مہر یوراندہ و آباد یکسیت
حسن چون تیغ کشد بندہ و آزاد یکسیت

اس نعمت سے عظیم تر کوئی نعمت نہیں، یہاں تک کہ زندگی بھی جو ہر لذت سرور کا سرچشمہ ہے اگر اسلام تو حید خالص اور ایمان کی نعمت نہ ہوتی تو یہ زندگی ایک عذاب مسلسل ہوتی اور اس کی حیثیت جہنم تک پہنچنے کے لئے ایک پل سے زیادہ نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے ہمیں نوازا، اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور اس نعمت کے حصول میں ہم پر نبی ﷺ کی ذاتِ سرامی اور آپ کی بعثت درسا لت اور دعوت و جہاد کا ناقابل فراموش احسان ہے۔

اقبال کا یہ کہن کسی طرح ہے جا نہیں ہے کہ اُرنبی ﷺ (علیہ الف الف تحسینہ) نہ ہوتے اگر آپ کے اصحاب اور اہل بیت نہ ہوتے اگر دعوتِ اسلامی کے وہ اولین داعی اور اس کے راہ میں جان کی بازی لگا دینے والے مجاہدین نہ ہوتے تو نہ اسلامی ایران ہوتا نہ اسلامی ہند نہ اسلامی مصر نہ اسلامی شام کسی بھی اسلامی ملک کا وجود نہ ہوتا یہاں تک وہ جزیرۃ العرب بھی جو ہماری محبت و عقیدت کا مرکز ہے اور جس کی طرف ہم رخ کرتے ہیں موجود نہ ہوتا ہمارے اور آپ کے درمیان بھی کوئی رشتہ نہ ہوتا خصوصاً جبکہ ہم مشرقِ اقصیٰ کی باشندے ہیں اور آپ ایران کے حضور ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا موقعہ نصیب ہوا افکار و خیالات کا اختلاط ہوانت نے عوام و معارف نے جنم یہ علم کا ایک چشمہ ہندوستان میں بہہ رہا تھا تو دوسرا ایران میں دونوں میں ایک حویل فاصلہ تھا اسی طرح اور بھی نہ جانے کتنے چشمے ہزاروں سال پہلے اپنی تنگ راہوں میں رواں تھے اسدم آیا تو اس نے ان بکھرے ہوئے بے شمار سوتوں کو ایک عظیم چشمہ صافی میں بدل دیا اسے ایک بلند اور مشترکہ مقصد کی خاطر استعمال کیا اور انسانیت کے لئے مفید اور نتیجہ خیز بنایا اس طرح ہندوستانی و ایرانی اور عربی و عجمی افکار کا ایسا نفع بخش اور خیر و برکت سے معمور استراحت و وجود میں آیا جس کی نظیر تمدن و ثقافت کی تاریخ میں ملنا مشکل ہے ایرانیوں کے ذوق جمال و وسعت خیال طافت احساس اور عرب کی سلامتی طبع بلند حوصلگی حقیقت پسندی اور اسلامی عقائد و اعمال کا ایسا تکمیل چشمہ فک نے کا ہے کہ دیکھا ہوگا۔

ایران اپنے خواب گراں سے بیدار ہوا اس کی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ملا اس کی دہلی ہوئی چنگاریاں بھڑکنے لگیں تو ایسا معلوم ہوا گویا یہ سرزمین جمعیس اور یکتاے روزگار شخصیتوں

ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ویسا ہی علم و ادب اس کے ضمیر میں داخل ہے ذوق جمال اس کی آس و ہوا میں بس ہوا ہے گویا اس میں عالم ادیب شاعر فن کار یا صوفی عربی مدرس اور مصنف کے سوا کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا اگر کوئی فقہ و حدیث شعر و ادب اور تصنیف و تالیف کے میدان میں چوٹی کی شخصیات کو بھی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا تذکرہ و تاریخ کی کتابیں ان کے حالات اور کارناموں سے بھری پڑی ہیں خدا معصوم کتنے ملک نے ہندوستان کی طرح ایران کے اس علمی و ادبی خوان یغما سے خوشہ چینی کی ہے ہم سب ان کے علم و فضل کے بحر پیراں سے اپنی تشنگی بجھاتے ہیں ان کے شعر و ادب سے لطف اندوز ہوتے ہیں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں اور ان کی تقلید و اتباع پر فخر کرتے ہیں۔

لیکن یہ تمام عبقری اور یکتا نے روزگار شخصیات جن کے زبردست علمی کمالات و ادبی معجز طرازیوں نے ساری دنیا کو محو حیرت کر دیا اسلام ہی کے نو نہاں اور دعوت اسلام ہی کے پیدا وار تھے ان سب کو اس نئے دین نے جنم دیا تھا جس کو لے کر حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اسلام اور اخوت اسلامی کے سایہ میں آپ سے اس مبارک ملاقات کا شرف حاصل ہوا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مشرق و مغرب کے سارے مسلمان اسی عالمگیر اسلامی اخوت کے لئے بے قرار ہیں لیکن یہ درکھئے دنیا و آخرت کی ہر سعادت کا سرچشمہ اسلام اور محمد ﷺ کی ذاتِ برامی ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں گمراہی کے بعد ہدایتِ ذلت کے بعد عدت اور تنگ دستی کے بعد وسعت سے نوازا اور جہل کے بعد علم اور اختلاف و انتشار کے بعد اتحد کی دوست سے مایاں کیا اسلامی تہذیب کے سوا کوئی ہماری تہذیب نہیں اسلامی تاریخ کے سوا کوئی ہماری تاریخ نہیں اسلام کے عطا کردہ عزت و سر بلندی کے علاوہ ہمارے لئے کوئی عزت و سر بلندی نہیں ہم تمام محمد ﷺ کے طفیل جی رہے ہیں۔

آپ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی نبی آدم میں سے جس کو بھی سعادت و خبر کا کوئی ذرہ ملا وہ خواہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب ہی کے مرتبہ کا کوئی شخص کیوں نہ ہو سیدنا محمد بن عبد اللہ ﷺ کے واسطے ہی سے نصیب ہوا۔

اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو کسی کو نہ دین میں کوئی فضیلت حاصل ہوتی نہ ایمان و یقین کا

کوئی حصہ کسی کو نصیب ہوتا اور نہ کسی کے یہ حیرت انگیز کارنامے سامنے آتے جو تاریخ کے لئے سرمایہ افتخار ہیں اور جن پر مسلمانوں کو بجا طور پر ناز ہے۔
اور آج بھی کسی شخص کو اگر اس سعادت کا کوئی حصہ ملے تو وہ بھی اسی ذاتِ سرائی کے طفیل۔

حضرات ہر طرف نا کہ بندی ہے ساری راہیں مسدود اور سارے درتے بند ہیں
صرف اسلام کا راستہ ہے اور صرف ایک در پیچہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ
کھول رکھا ہے، ارشاد ہے۔

ان الدین عند اللہ الا سلام (آل عمران ۱۹۰)

بلاشبہ دین (حق اور مقصود) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم
عرب و عجم سب سیدنا محمد ﷺ کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنا علمی عقلی فکری تہذیبی اور
اعتقادی سلسلہ آپ ﷺ ہی سے جوڑتے ہیں ہر شخص نے آپ ﷺ ہی کی شمع ہدایت سے
کسب نور کیا ہے اور ہر شخص آپ ﷺ کی دانش گاہ کا فیض یافتہ ہے شاعر نے خوب کہا ہے۔

حج یک چراغیت دریں بزم کہ از پر تو آن
ہر کجای نگرم انجمنے ساختہ اند

امت اسلامیہ کے اندر جب تک اس حقیقت کا عرفان رہیگا اور جب تک اس اصول کو وہ
مضبوطی سے تھامے رہے گی بے راہ نہیں ہو سکتی اور نہ مصائب و مشکلات کا شکار ہو سکتی ہے۔
اخیر میں آپ کے پرخص اعزاز اور آپ کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے
دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے ایمان کی تکمیل اور اس کی حفاظت فرمائے خاتمہ بالخیر ہو اور قیامت
کے روز ہمارا نام ان خوش قسمت لوگوں کی فہرست میں ہو جن کے چہرے دکتے ہوں گے۔

وما علیہا الا البلاغ المبین

نبوت

انسانیت کو اس کی ضرورت اور تمدن پر اس کا احسان

الحمد لله بحمده ونستعينه ونستعمره ونعوذ بالله من شرور انفسنا
ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له
ونشهد ان لا اله الا الله وشهد ان محمدا عبده ورسوله الذي ارسله
الله تعالى الى الخلق بشيرا ونذيرا وادعيا الى الله بآدبه وسراحيصه

مقام کی موزونیت:

حضرات! اس جگہ جہاں اس وقت ہم آپ جمع ہیں موزوں ترین گفتگو، انسانیت کو نبوت
کی ضرورت اور تمدن پر اس کے احسان سے متعلق ہوسکتی ہے، جس میں ان پر زیدہ تبیوں کا ذکر
ہو جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا اعزاز بخش اور ان کی عند اللہ مقبولیت، ان کا مرتبہ و مقام مخلوق پر
عظیم احسان، اور زندگی پر ان کے عمیق اثر کا تذکرہ ہو، اور پھر امام المہدیین، خاتم النبیین کا ذکر
خیر ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے آخری رسالت اور ابدی و مکیہ نبوت سے سرفراز و ممتاز کیا، اور جنہیں
دائمی قیادت و امامت ابدی و عالمی شریعت اور محفوظ و زندہ کتاب عطا کی گئی اور ساری انسانیت کی
سعادت و نجات (طبقاً اور زبانی اختلاف کے باوجود) ان پر ایمان اور ان کی اتباع پر موقوف
کر دی گئی اور جن کی ہجرت اور آخری قیام گاہ کے لئے اس پاکیزہ شہر کو انتخاب کیا گیا جہاں پر وہی
ورسات کے ساتھ نئے زمان کا زمین سے آخری بار اتصال ہوا۔

چنانچہ جس شخص کو یہاں کچھ فرصت گفتگو ملے اور جسے یہ اعزاز عطا ہوا اس کو اپنی اس عظیم
اور نازک ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے کہ وہ کس مقام سے خطاب کر رہا ہے کیا اس کے
لئے جائز ہے کہ وہ اس مقام محمود کے تقاضوں سے صرف نظر کر کے اپنی گفتگو کے لئے کسی اور
موضوع کا انتخاب کرے؟ یہ ایمان اور شعور حسن و احسان کا بھی تقاضا ہے، عرب شاعر نے شاید

اسی موقع کے لئے کہا تھا

ولما نزلنا منزلاً طله الہدی

انیفا و بستا نامن النور حالیا

اجد لنا طیب المکان وحسہ

منی، فتمینا، فکنت الامانیا

(اور جب ہم ایک شبنم سے شاداب اور خوش منظر مقام اور کلیوں سے آراستہ باغ میں اترے تو مقام کے حسن و پاکیزگی نے ہمارے دل میں کچھ تمنائیں بیدار کر دیں، ہمارے ان تمنائوں کی جان تمہیں تھی)۔

جامعہ کی پہلی ذمہ داری:

عالم اسلام میں کسی بھی درس گاہ کی خواہ وہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں کیوں نہ قائم ہو، یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ نعمت نبوت کے سمجھنے کی طرف توجہ کرے جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت نہیں اتاری، اور اس نعمت کی قدر اور شکر کے ساتھ، اس کے سرگرم حامیوں اور داعیوں میں ہو، اور وہ زندگی کی رزم گاہ میں جہاں جاہلیت، ارتداد، اور انقلاب کے پرچم ہر طرف لہرا رہے ہیں وہ لوائے محمدی اور خیمہ مصطفوی کے سایہ میں آجائے، اور زندگی کے ہر محاذ پر خواہ وہ فکری و اعتقادی ہو، یا علمی و انتظامی، اخلاقی و اجتماعی ہو یا تمدنی و سیاسی، اسلام کی سر بلندی کے لئے اپنے کو وقف کر دے۔

کسی بھی اسلامی دانش گاہ کے فارغین و متوسلین کا دائمی شعرا و ان کا سب سے رافقہ مقصد، نبوت اور اس کے طریقہ کار کا ہر فکر و فلسفہ، مذہب و مسلک، فکر کے ہر ڈھنگ، زندگی کے ہر رنگ اور انسانیت و تمدن کے ہر آہنگ پر ترجیح دینا اور اسے برتر سمجھنا چاہئے۔

جن کی طرف مسلم دانش گاہیں، اور جماعت توجہ کرتی ہیں، اور جن اقدار و خصوصیات کا وہ دم بھرتی ہیں، کیونکہ اگر کوئی نہ ختم ہونے والی اور حقیقی فیصلہ کن جنگ ہے تو وہ نبوت و جاہلیت کی جنگ ہے وہ جاہلیت جس کی نمائندگی مغرب کر رہا ہے اور وہ اسلام (دین حق) جس کا عمیر دار تنہا مسلمان رہ گیا ہے، اس جنگ کے سوا تمام جنگیں نقلی اور خانہ جنگیاں ہیں جن میں

ایک ہی خاندان کے وگ کسی معمولی سی چیز پر لڑ پڑتے ہیں۔ یا جیسے بچے اپنی کم عقلی سے جھگڑ بیٹھتے ہیں، لیکن فکر و فطرتِ دائمی جنگِ ہدایتِ نبوت کے درمیان ہی ہے۔
ان پہلوؤں سے بھی یہاں کی موقر شخصوں کا آغاز (جس کا آج پہلا دن ہے) اسی گفتگو سے ہونا چاہئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر، اسلام کا گہوارہ، ایمان کا مرجع وحی کا مہبط و ماویٰ اور نبوت کے طویل سفر اور عظیم تاریخ کی آخری منزل ہے۔

زمانہ کو اس موضوع کی ضرورت:

آج ہر مٹی اور ہر بڑی دانش گاہ، یورپ کی یونیورسٹیوں، سبھی انجمنوں، اقوام متحدہ، اور اس کے عالمی ثقافتی ادارہ یونیسکو اور ہر جگہ اس موضوع کی ضرورت ہے، اس لئے کہ خوش بختی اور امن و خوش عیشی کی تمام سہولتوں کے باوجود انسانیت کی بد قسمتی اور موجودہ تمدن کی تیرہائی، یہ ہے کہ اس کے سربراہ نبوت و انبیاء کی تعلیمات کے باغی ہیں، اور زندگی و تمدن کی داغ بیل غیر نبوی خطوط پر ڈال رہے ہیں، اور اعزازِ خداوندی سے بے نیازی و بے پروائی برت رہے ہیں، جو نبی امی کو عطا ہوا تھا اور زبانِ حال و قدس سے گزشتہ جاہلی قوموں کے اس متکبرانہ قول کو دہر رہے ہیں، جو قرآن مجید کے نقل کیا ہے اشتر بھدوننا (کیا، ہمارے ہی جیسے انسان ہم کو ہدایت دینے چاہے ہیں)۔ ایک امی ہمیں علم سکھائے گا، ایک فقیر بے نوا ہمیں خوشحال کرے گا، اور ایک بادیہ نشین ہمیں مہذب بنائے گا؟

لیکن جب بد قسمتی سے یا ناسازگار حالات کے سبب اگر ہم یہ باتیں یورپ، امریکہ اور ایشیا کی پر شکوہ یونیورسٹیوں میں نہیں کر سکتے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہم مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں اسے موضوعِ بحث نہ بنائیں اور کیوں نہ ہو، یہ مدینہ منورہ ہی تھا، جو ہمیشہ معنوی اور برائے قدر و قدر کی تخم ریزی کی زمین اور وہ مبارک خطہ رہا ہے، جو ان کے حق میں ہمیشہ زرخیز، ثابت ہوا ہے، اور جو اس فرمانِ خداوندی کا صحیح مصداق ہے۔

البلد الطیب ینخرج نباتہ باذن ربہ

اور (دیکھو) اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے یہاں جو بات بھی گئی ہے، پوری دنیا میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی ہے۔

نبوت اور انبیاء قرآن کی روشنی میں:

متکلمین کی روح سے معافی چاہتے ہوئے میں کہوں گا کہ ہم کلام و کتب عقائد کی نظر نبوت و انبیاء کے بارے میں کوتاہ اور محدود تھی، اس نے نبوت کو ایک طرح سے ایسا محدود و محدود عقیدہ سمجھا جس کا عقائد کے محدود دائرہ کے حدود زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن علم کلام کی بنیاد پر اس کا محدود و محدود بارے میں ایک مخصوص تعلیمی ضرورت بھی تھی، اس سے ہمیں نبوت و انبیاء، قرآن کی روشنی میں اور قرآن کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

اور اس کتاب حکیم کے واسطے سے نبوت کے امکانات و مضمرات اس کے وسیع فتن اس کی گہرائیوں اور زندگی کے اندر اس کی اتری ہوئی جڑوں، قلب و فطر، اخلاق و رجحانات پر اس کے اثر و سیرت سازی، معاشرہ و اور تمدنوں کی تشکیل و قیادت، بلکہ ایک مخصوص و ممتاز اور جہت کے مقابل و متوازی تہذیب کی بنیاد رکھنے کے سلسلے میں اس کے بنیادی کردار پر غور کرنا چاہئے۔

شوق انگیز اور محبوب موضوع:

ہم جب اس مقصد سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ادب و حکمت اور فن و ہنر اور شخصیات کی ایک تصویریں و ریسمانیں ہکا بھکا رہنے آتے ہیں، جن سے زیادہ خوبصورت تخلیق شاید اس کائنات میں کوئی نہیں۔

انبیاء کے ذکر میں قرآن کا اسلوب زندگی سے بریر، بشارت و مسرت سے بھرپور اور محبت سے سرشار نظر آتا ہے، وہ ایک محبوب کی داستان شوق اور ذریعہ جمیل ہے، جس میں جتن بھی طول، وسعت، تنوع اور شاخ و سرشاخ کی کیفیت ہو کم معلوم ہوتی ہے، گویا:

مذیٰز یومہ کایت دراز تر شفق

میرا یقین ہے کہ جسے بھی مذاق سیم، ذوق جمال اور جذبہ محبت کا کوئی حصہ ملا ہے، وہ اس تذکرہ سے لطف اٹھائے گا، اور اس اسلوب کا مزہ محسوس کرے گا، سننے والے حضرات پر انہی کا ذکر اس محبت و مودت کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

اے ابراہیم! کانِ امتہ قانتا للہ حیفا ولم یک من المشرکین ۝ شاہد
الا نعمہ اجتہاد و ہدایہ الی صراط مستقیم و اتیانہ فی الدنیا حسنة و انہ فی

الاحرة لمن الصالحين ثم اوحيا البک ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا وما کان من
المشركين.

بشک ابراہیم (لوگوں کے) امام اور خدا کے فرماں بردار تھے مشرکوں میں سے نہ تھے
اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، خدا نے ان کو برتر کر دیا تھا، اور اپنی سیدگی راہ پر چلا دیا تھا اور ہم
نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی، اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے، پھر ہم نے
تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کر۔ ہو یہ طرف نے ہو رہے تھے اور
مشرکوں میں سے نہ تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو مدِ حفظہ میں۔

وتذک حجتنا اتيها ابراهيم علي قومه رفع درجات من شاء ان
ربك حكيم عليم وو هاله اسحاق ويعقوب كلا هدينا وبو حاهدينا من قبل
ومن دريته داود و سيمان وايوب و يوسف و موسى وهارون و كذا لك
بحري المحسن و زكريا ويحيى وعيسى والياس كل من الصالحين و
اسماعيل واليسع ويونس ولوطا و كلا فصلنا على العلمين ومن آباء هم و زريا
تهم واحواهم واجتياهم وهديتهم الى صراط مستقيم ذالك هدى الله
يهدي به من يشاء من عباده ولو اشر كوا لحبط عنهم ما كانوا يعملون اولئك
الذين اتيهم الكتاب والحكم والسوة فان يكفربها هوء لاء فقد و كلبا بها قوما
ليسوا بها بكافرين.

و یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی ہم جس کو
چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں، بشک تمہارا پروردگار دان اور خبردار ہے اور ہم نے ان کو
اسحاق و یعقوب علیہ السلام بخشے اور سب ہدایت دی اور پہلے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت دی تھی
اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور
موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور
زکریا علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کو بھی، یہ سب نبیوں کا رتھے اور اسماعیل اور الیسع علیہما
السلام اور یونس علیہ السلام اور لوط کو بھی اور ان سب کو جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور

بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور ادا اور بھائیوں میں سے بھی اور ان کو برتریدہ بھی کیا تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا تھا، یہ خدا کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتا یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا فرمائی تھی اگر یہ کفارات باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر ایمان لانے کے لئے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے بھی انکار کرنے والے نہیں۔

برگزیدہ مخلوق اور انسانیت کے کامل نمونے:

قرآن بھی انبیاء کا ذکر اصطفیٰ و اجتہاد (برتریدگی) اور محبت و رضا کے الفاظ سے کرتا ہے، اور بھی بہترین تعریفوں اور عقلی اخلاقی اور عملی صلاحیتوں کا انھیں حال قرار دیتا ہے، یہ سب ظاہر کرتی ہیں کہ انبیاء خاصہ مخلوقات اور انسانیت کے کامل نمونے اور خدا کی پیامبری اور دعوت دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ باصلاحیت اور باہمت افراد ہوتے ہیں۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالہ

اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کا کون سا محل سے اور وہ اپنی پیغمبری کے عنایت فرمائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد آتینا ابراہیم رشده من قبل و کنا به عالمین .

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے۔

اور ارشاد ہوتا ہے۔

واتخذنا للہ ابراہیم خلیلاً .

اور خدا نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔

اور ارشاد ہے۔

وترکنا علیہ فی الاخرین سلام علی ابراہیم کذا لک نجزی

المحسنین انہ من عبادنا المؤمنین

اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا زرخیز بانی چھوڑ دیا کہ ابراہیم پر سلام ہو نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں، وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔
اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

ان ابراہیم لعلیم او اہ منیب

ب شک ابراہیم بڑے حل والے بر مردوں اور رجوع کرنے والے تھے۔
اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے ارشاد ہوا۔

وکان عذربہ مرصیا

اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ تھے۔
اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں فرمایا گیا۔
واسطعتک لنفسی۔

اور میں نے تم کو اپنے کام کے لئے بنایا ہے۔

اور کہا گیا۔

والقیث علیک محبتہ منی ولتصنع علی عینی۔

اور موسیٰ میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے)
اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ۔
مزید ارشاد ہوا۔

انی اصطفتک علی الناس برسلتی وبکلامی

میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔
حضرت داؤد کے بارے میں کہا گیا۔

واذکر عبدنا داؤد ذا الایمانہ او اب

اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے، اور بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔

وران کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام کے لئے ارشاد ہوا۔

نعم العبد انہ او اب۔

بہت خوب بندے تھے، اور رجوع کرنے والے تھے۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام اور انبیاء کی آبرو مند جماعت کا خصوصی اندرِ محبت و اکرام اور صفاتِ علیہ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا کیا۔

وَادْكُرْ عَمَادًا اِبْرَاهِيْمَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولٰٓئِیْ اِلٰی یَدِیْ وَالْاِیْمٰرَ اٰنَا
اَحْمَدُ هُمْ بِحَالِصَةِ ذِكْرِی الدَّارِ وَ اِهْمُ عَمَدًا لِّمَنْ الْمَصْطٰطِیْنَ الْاِحْمَارِ
اور ہمارے بندوں ابراہیم علیہ السلام واسحاق و یعقوب علیہ السلام کو یاد کرو، جو حقیقت
و بصیرت و بے تھے ہم نے ان کو یک صفتِ خالص آخرت کے گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ
ہمارے نزدیک منتخب اور نیک ووں میں سے تھے۔

میں نے اس عزیز و مذید فتنہ میں (اس قسم کے باوجود کہ آپ حضرت قرآن کا تحقیقی
مطالعہ کرتے ہیں، اور میری معروضات آپ کے لئے نئی اور انوکھی چیز نہیں) دراز نفسی سے اس
سے کامیاب تاکہ آپ کے ذہنوں میں اللہ کے نزدیک نبی کی بندہ مقامی و رتدرومنزات اور ان
کے سلسلہ میں قرآن کی اسی ترین تعریف و توصیف و مختصر کردوں، جس میں قرآن نے انہیں
مکارم اخلاق، محاسن و فضائل اور بہترین صد حیتوں کا حامل بتایا ہے۔

قدرتی سوال:

اس دنیا کی زندگی میں، جہاں معصومات حاصل کرنے اور اعزازات اور ضروریات کو پور
کرنے کا دار و مدار انسان کے ظاہری حواس اور عقلی صد حیتوں پر ہے، اور جو زندگی اسی پر اعتماد
کرتی ہے، سلسلہ نبوت اور انبیاء کرام کا کیا مقام ہے؟ اور دوسرے علماء و عقیدے انبیاء کس بن
پر ممتد کرتے ہیں اور کیوں صرف انہیں کو حق پہنچتا ہے کہ ایسے حقائق سے متعلق گفتگو کریں، اور
ایک خبریں سنائیں جن تک نہ تیز ترین احساسات پہنچ سکتے ہیں، نہ ذکی ترین عقول کی رسائی
ہے۔ حالانکہ سب ایک ہی ماحول میں پے پڑھے ہیں، اور ایک ہی سر زمین پر زندگی گزارتے
ہیں، یہ وجہ ہے کہ یہ لوگ ایسی چیزیں دیکھ لیتے ہیں جو ان کے زمانے کے بقری اور فوق احوال
صد حیتوں والے بھی نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہ ان کی بھی چیزیں سننے کے اچھے کی طرح واضح اور
روشن ہو جاتی ہیں اور ان کی پیشین گوئی پوری اترتی ہے؟

یہ ایک قدرتی سوال ہے، جو برائی بعثت پر لوگوں کے، انہوں میں پیدا ہوا، اور دل و دماغ پر چھ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شرف نبوت سے سرفراز کیا گیا، اور تبلیغ و اسلام کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپ کو بھی اس سوال کا سامنا کرنا پڑا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جو موقف اختیار کیا اور جس حکیمانہ انداز سے اس مسئلہ کو حل کیا وہ آپ کے لافانی معجزات میں سے ایک ہے۔

قوم اور بالخصوص وادی مکہ کے بسنے والے ایک مدت سے دقیق مسائل میں اصطلاحات اور فلسفیانہ مباحث سے اٹک تھکے رہنے والے تھے، یمن، یمن کی تیزی، سلامت فہم، صداقت کے اعتراف اور اس کے سامنے ہر تسلیم کرنے میں ممتاز اور فائق تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اس زندگی میں انبیاء کا مقام یہ ہے، ان کو دوسروں کے مقابلہ میں جو حواس ظاہری کے علاوہ کسی اور ذریعہ ہم سے مالک نہیں، ان دیکھی حقیقتوں سے اظہار کا حق کیوں حاصل ہے، اس کی تشریح آپ نے اس انداز میں فرمائی جس میں عربوں کے اس ممتاز وصف کا پورا لحاظ ہے، آپ کا یہ حکیمانہ انداز ائمہ کلام اور علمائے فلسفہ کی باتوں میں دیوں سے کہیں زیادہ موثر اور دلنشین تھا، آپ نے اس کے لئے جو ترتیب اور طریقہ کار اختیار کیا اور جن مقدمات سے کام لیا وہ مخاطبین کی فطرت سلیم، ان کی عقلی و علمی سطح اور موقع و محل سے سے پوری مطابقت رکھتے تھے، انبیاء کے کرامتیں اسلام کا بھی یہی طریقہ ہے، کہ وہ اپنی نبوت کے احقاق و اثبات میں، بوٹ، تکلف اور ستورہ و کنایہ کا راستہ نہیں اختیار کرتے، بلکہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے مرافقہ اور اہم نتائج پیدا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو صحافت کا وجود تھا نہ اسلکی کی طاقت انسانوں کے قابو میں آئی تھی، اور نہ آواز کو بند کرنے اور پھیلانے والے آلات ایجاد ہوئے تھے، ایسے وقت میں وادی مکہ کے بسنے والوں کو ایک جگہ متعین وقت میں جمع کرنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا تھا؟ کس طرح ان کے دل و دماغ پر اتنا اثر ڈالا جاسکتا تھا کہ وہ اپنی دلچسپیوں سے ہاتھ کھینچ دیتے اور بھگتے ہوئے سب کے سب آپ کی طرف چلے آتے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب قوم ہی کے ایک فرد تھے، آپ عربوں کی عادات اور ان کے رسم و رواج سے خوب واقف تھے، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ان رسوم کا ان کی طبیعتوں اور ان کے معاشرہ میں کتنا گہرا اثر ہے؟ اس دشوار اور نازک کام میں بھی آپ نے اس سے مدد لی۔

میں نے اس بات کو بھی کہ جب ان کا کوئی فرائضی خط و محسوس کرتا تھا تو میری کسی دشمن کے اندر کا خوف ہوتا، وہی دشمن کھات میں کا ہوتا اور شہر کے اس سے غافل ہوتے تو وہ کسی پہاڑی کی پوٹیا کی سید پر چڑھ جاتا اور بندہ وار سے پکارتا یا صبح (خط و خط) یا صبح (دشمن دشمن) پوری قوم یہ آواز سنتے ہی جھج جاتی اسلحہ سنبھالتی اور خطروں کا مقابلہ کرتے دوز پر آتی۔۔۔ لیکن۔۔۔ وہ ہنسنا خط و تھا، جو عام طور پر ان کو پریشان کر دیتا، اور ان کے آرام و راحت کو سب سے زیادہ۔۔۔ صرف ایک تھا۔۔۔ دشمن۔۔۔ جس کا دشمن ان کی یہ کثیر تعداد و موت کے کھاتے اور میتوں کا اسباب موت تھا، اونٹوں اور اونٹوں کے جانوروں کو متکا جاتا، اور ان کے متکاں پانی تانے والی و حرائق زندی میں ان کی مانند ہوتے وہ آشنا تھے، ورنہ یہ انھما بولے جاتے تھے۔۔۔ وہی ایک معنی سمجھتے تھے۔

یہ خطرات اور نقصانات، اپنی وقعت اور اہمیت کے باوجود انہیں کے کرام کی نظروں میں نہ آتے تھے، جو اس کائنات کے پیدا کرنے والے اور اس کو چلانے والے کی ذات کی صفات اور اس کے حقوق سے جہالت کے خطروں کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں، ورنہ جہالتی زندگی کی زہر ناک سے بھی باخبر ہوتے ہیں، جو اس زمانہ میں مکہ والوں کی تھی اور اس جاہلی معاشرہ میں پھیلے ہوئے گناہوں اور فسادِ اخلاق کے نقصانات سے بھی واقف ہوتے ہیں، اس زمانہ کے لوگ بت پوجتے، مردار کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے، پڑوسیوں کو پریشان کرتے، اور طقت والے کمزوروں کو پامال کر دیتے۔۔۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دشمن نہیں باہر نہیں وہ ان کے دل و دماغ، ان کے عقائد و اخلاق میں پرورش پا رہا ہے، وہ باہر کے تمام دشمنوں سے زیادہ مضرت رساں اور خطرناک ہے، خطرہ کا یہ سرچشمہ جو ان کی اپنی ذات اور ان کے ”اندرون“ سے نکلا ہے، ان تمام خطرات سے بڑا اور اہم ہے جن سے ان کو جاہلیت کی طویل زندگی میں سابقہ پڑ تھا، یا جن سے وہ عرب کی قبائلی زندگی میں دوچار ہوئے تھے، ان کی نفسوں کی دشمنی ہر دشمن قبیلہ یا جنگ

(۱) عربوں نے ان کے دل و دماغ میں جاہلی معنی کی بیج ترین تصویر حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریرات کا جو اس نے تراویح میں پڑھی۔۔۔ وہاں میں لکھی۔

آزاد لشکر دشمنی سے زیادہ سخت تھی، ان کی زندگی کے اطوار قدرت و غلبہ والے خدائی آثار غصب کو بھڑکانے والے تھے، جو نہ اپنے بندوں کے لئے نفروں کو پسند کرتا ہے، نہ روئے زمین پر فساد چاہتا ہے۔

کوہ صفا پر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو کوہ صفا پر تشریف لائے جو منہ کی قریبی پہاڑی تھی، اور بلند آواز سے ندا دی ”یا صبا حاہ، یا صبا حاہ“ اس وادی کے سننے والوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ انتہائی سنجیدہ اور خطرناک موقع ہی پر یہ آواز بلند کی جاتی ہے اور مطلقاً اس میں غلط بیانی۔ فریب دہی یا مذاق سے کام نہیں لیا جاتا، نہ واؤں نے یہ مشہور و معروف آواز سنی، جو ان کے شہر کے سب سے سچے آدمی کے منہ سے نکل رہی تھی، جس کا انہوں نے ”صدق“ اور ”امین“ نام ہی رکھ دیا تھا۔ وہ اس آواز کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کے سامنے تجربات اور حادثات کا طویل سلسلہ تھا، انہوں نے اس آواز کی طرف بڑھنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور لوگ جمع ہو گئے، کچھ خود آئے، کچھ نے اپنے نمائندے بھیج دیئے۔ (۱)

جب لوگ جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب فرمایا، اے نبی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی کعب! تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک لشکر چھپا ہوا ہے، اور تم پر بے خبری پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری اس بات کو باور کرو گے؟

رسول عربی ﷺ نے جن لوگوں کو مخاطب کیا تھا، اور جن سے یہ سوال کیا تھا، وہ ”ناخواندہ“ اور ”غیر ترقی یافتہ“ تھے، انہوں نے فلسفہ و منطق نہیں پڑھا تھا، نہ بال کی کھال نکالنے کے عادی تھے، بلکہ (جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں) حقیقت پسند اور عملی لوگ تھے، ان کو اللہ نے سلامت فہم اور عقل عام کا وافر حصہ عنایت فرمایا تھا، انہوں نے موقع محل کا جائزہ لیا اور جس مقام پر یہ خطیب کھڑا تھا، اس کی طبعی ساخت کو دیکھا۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی سچائی، امانت، اخلاص اور خیر خواہی کا باریک تجربہ

مر چلے تھے، ایک پہاڑی پر کھڑا ہے، وہ سامنے بھی دیکھ رہا ہے، جس میں اس کے مخاطبین بھی اس کے ساتھ ہیں، اور ساتھ ہی وہ پہاڑ کے عقب کی جانب دوسری طرف بھی دیکھ رہا ہے، جہاں سامنے پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والوں کی نظر نہیں پہنچتی، لوگ بغیر شک اور ادنیٰ تاثر کے سمجھ گئے کہ جو شخص اس پوزیشن میں ہے، اس کو حق حاصل ہے کہ پہاڑ کے دوسری طرف چھپے ہوئے دشمن یا خطہ کی خبر لے اور جن لوگوں کے سامنے پہاڑ کا ملتا ہے، ان کو یہ حق نہیں کہ اسے جھٹل دیں اور اس کی خبر بوسلف سے بغیر دریافت کریں کہ اس مشاہدہ میں وہ کس خطیب کے ساتھ شامل نہیں ہیں، کیونکہ بیچ میں داخل ہونے والے پہاڑ نے ان کی حالت اور خطیب کی حالت میں فرق کر دیا ہے، اور پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے خطیب کو دوسری طرف دیکھنے اور کو اسی دینے کا موقع دیا ہے، جو ان لوگوں کو حاصل نہیں۔

عرب منصف تھے، بہادر اور سچے تھے، انہوں نے ہماری زبان ہماری طرح کی تردید نہیں کر سکتے، ہمیں اس کو باور کرنا ہوتا۔

نبوت کی حکیمانہ تمثیل:

نبوت کی اس مدد و اشارت وہی خدمت کے ذریعہ ہے کہ اس عربی فصاحت و بدعت کی مدد سے جس کا آپ کو حصہ وافر ملے ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے نبوت اور انبیاء کے بارے میں اور ان کے مقام کی تصویر کھینچ دی اور ان کی ممت زحیشیت کو واضح کر دیا، جس وجہ سے وہ ایسے عام کا مشاہدہ کرتے ہیں، جس کا مشاہدہ ان کی زمانہ کے ان ہی جیسے دوسرے انسان نہیں کر سکتے، اور ایسے امور و حوادث کی خبر دیتے ہیں، جس کی شہادت دورے مسافروں اور زمین نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ نبوت کے بلند پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوتے ہیں، انسان ہونے کی حیثیت سے اور اس سرت کو پا کینہ گی اور فطرت کی سلمت کی وجہ سے وہ محسوس دنیا کو انی طرح دیکھتے ہیں، جیسے سب صحیح (کو اس اور صحیح کہ انسان) لیکن اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نبوت (اور اللہ کی مرضی کی مطابق)، عالم غیب سے تعلق کی وجہ سے عالم نبوت اور نبی حقائق کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

قل انما انا بشر مثکم یوحی الی

کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں، البتہ میری طرف وحی آتی ہے۔ کسی ذہین سے ذہین انسان بہت بڑے عالم، یا بہت بڑے عقلمند کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کو جھٹلادے، اور ان کے مشاہدات کا انکار کر دے، کیونکہ وہ انبیاء کے ساتھ ان کے اس مشاہدہ میں شریک نہیں، جن چیزوں کو انبیاء دیکھتے ہیں، وہ نہیں دیکھتا، جس طرح پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوئے والے انسان کے لئے کسی صورت میں یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے انسان کو جھٹلادے اور پہاڑ کے پیچھے کی خبروں اور چوٹی کے اوٹ کے حادثات کا انکار کر دے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی حواس ظاہری کی طلسمات کا رفقہ ران سے جھگڑتا اور حجت بازی کرتا ہے تو وہ تعجب کا نظارہ کرتے ہیں اور پوری قوت و اعتماد سے کہتے ہیں۔

اتحاجہ بی فی اللہ وقد ہدان

تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا بحث کرتے ہو اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ عرب کے جاہل اس ابتدائی مرحلہ میں فلاسفہ اور حکماء سے زیادہ عقلمند ثابت ہوئے جنہوں نے صرف اس بناء پر انبیاء و رسل کی خبروں کو جھٹلادیا، اور حقائق کا انکار کر دیا کہ خود انہوں نے ان امور کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور ان کو یہ باتیں معلوم نہیں تھیں۔

بل کذبوا بمالہم یحیطوا بعلمہ ولما یأتہم تازیلہ

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پاسکے اس کو نادانی سے جھٹلادیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

اور جب یہ فطری، عقلی اور ضروری مرحلہ طے ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پورے عزم و یقین کے ساتھ قدم آگے بڑھایا اور دوسرے اور آخری مرحلہ میں داخل ہوئے اور فرمایا۔ ”فابی بذیر لکم بین یدی عذاب شدید“ (میں تم کو ایک آنے والے سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں) آپ نے ان کو اس حقیقی اور مستقل خطرہ سے ڈرایا جو ان کے طریق حیات کا، جس کے مطابق وہ زندگی گزار رہے تھے، ان عقائد کا، جن کا وہ اعتقاد رکھتے تھے، ان بتوں کا جن کے وہ شیدائی تھے، جاہلی اور فاسد اخلاق و عادات کا، جن کو وہ دانتوں سے پکڑے ہوئے تھے، اور مختصر الفاظ میں انتہائی جہالت کا، جس میں وہ زندگی گزار رہے تھے، طبعی تقاضا تھا، جن میں نہ ایمان

تھا نہ علم، نہ انصاف تھا نہ خدا ترسی اور اس زندگی کا فطری انجام ہے، معاشرہ میں ہمہ گیر فساد، زندگی میں تنگی اور پریشانی، قلبی اضطراب اور داخلی عذاب۔

ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسب ایدی الناس لیدیفہم بعض الیدی عملوا لعلہم یرجعون

خستگی اور تری میں دُشوں کے اعمال نے سبب فساد پھیل کیا ہے تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آ جائیں۔

ولندیفہم من العذاب الادیی دون العذاب الاکبر لعلہم یرجعون اور ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے، شاید ہماری طرف لوٹ آئیں۔

اور اس زندگی کے بعد ہمیشہ کا عذاب ہے، جس کے سامنے سارے عذاب اور ہر قسم کی تکلیفات بیچ و بے قیمت ہیں۔

ولعذاب الاخوة اشق

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔

ولعذاب الاخوة اشد وابقی

اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر ہونے والا ہے۔

ولعذاب الاخوة اخزی

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے۔

علماء اور محققین نے دواؤں کے خواص دریافت کئے ہیں، مختلف اشیاء کی طبائع اور ہر چیز میں چھپی ہوئی قوت کو معلوم کر کے معلومات کا قیمتی خزانہ جمع کر دیا ہے، لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور جمع کرنے والوں کی محنت و سعی اور فضل و کمال کا اعتراف کیا اور ان کو خراج تحسین ادا کیا، لیکن اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے احکام، اس کی مرضیات اور عقائد و اعمال کی خصوصیات اور صحیح و غلط، اچھے اور برے اخلاق کے نتائج کا علم، آخرت میں نیک و بد، ثواب و عذاب اور جنت و جہنم کی معرفت کا انبیائے کرام واحد سرچشمہ اور واحد ذریعہ علم ہیں، اس زندگی کے بعد کے حالات اور اس عالم میں ہونے والے حشر و نشر، انعام و عذاب اور نعمت و قحط کے

علم کے لئے اللہ نے اپنی مرضی کے مطابق انبیاء کو مقرر فرمایا ہے۔

عالم الغیب فلا ینظر علی غیبہ احداً الا من ارقتضیٰ من رسول
وہی غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں جس پیغمبر کو
پسند فرمائے۔

انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) نبوت کے پہاڑ پر بھڑے ہوتے ہیں اور اس
عالم کو بھی دیکھتے ہیں، اور عالم غیب کو بھی اور انسانیت اور اس کی تہذیب و تمدن پر مستقبل قریب یا
مستقبل بعید میں شب خون مارنے والوں کی خبر دیتے ہیں، چھپے ہوئے خطرات و نقصانات
سے آگاہ کرتے ہیں، اور شفقت، محبت، مہربانی اور اخلاص کے ساتھ اپنی قوم و ذرات ہیں، اور
جب کوئی ان کے اس فطری اور عقلی حق کا انکار کرتا ہے، اس بدیہی چیز میں شک کرتا ہے، یا ان
کی بلند حیثیت اور اعتقاد کو چیلنج کرتا ہے، تو وہ نصیحت و اخلاص اور رنج و الم کے ساتھ کہتے ہیں۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مشی وفرادی ثم تفکروا
ما بصاحکم من رحمة ان ہوا الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید (سہ ۴۶)
کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خدا کے لئے دو دو اور اکیسے
اکیسے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو، تمہارے رفیق کو ٹوڑا نہیں، وہ تم کو عذاب سخت کے آنے سے
پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔

ہدایت کا واحد ذریعہ:

اور اسی وجہ سے قرآن بار بار زور دیتا ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی حقیقی صفات کی
تشہید کرنے والے صرف انبیاء کرام ہی ہیں، اور وہی اللہ کی صحیح معرفت کا، جس میں نہ
جہالت و گمراہی کا شائبہ ہو، نہ غلط فہمی یا غیہ۔ سب انداز بیان کا شبہ، واحد و سیدہ ہیں، اور ان کے
بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے وہ معرفت حاصل ہو ہی نہیں سکتی، نہ تنہا عقل
رہنمائی کر سکتی ہے، نہ ذہن کی تیزی و ذکاوت کافی ہو سکتی ہی، نہ فطرت کی سلامتی اس کا ذریعہ
بن سکتی ہے، نہ ذہن کی بند پروازی کی وہاں نرس ہے، نہ عقل و خرد کی کاوشیں اس تک پہنچا سکتی
ہیں، نہ تجربات کا خزانہ ہی مددگار ثابت ہو سکتا ہے، اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار اہل جنت کی
زبانی کیا ہے، جو سچے بھی ہیں اور صاحب تجربہ بھی، اور یہ موقع بھی ایسا ہے کہ وہاں غلط بیانی اور

مہذا میزری کا کوئی گز نہیں۔

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله
خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم کو یہاں کا راستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم
راستہ نہ پاتے۔

اور اس امت اف واقرار کے ساتھ ہی وہ انبیاء کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہی معرفت صحیح کا
ذریعہ اور اس راستہ کے رہنما تھے، جو اس منزل تک پہنچتا ہے۔

لقد جاءت رسل ربنا بالحق

بے شک ہمارے پروردگار کے رسول ہ حق بات لے کر آئے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء نے راس (پیہم الصلوۃ والسلام) کی بعثت ہی کی وجہ سے
نہایت سے یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کریں اور اس کی مرضی اور اس کے احکام
معلوم کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں اور اسی کے نتیجہ میں جنت میں داخلہ ممکن ہوا۔

ماورے عقل و حواس حقائق کی دریافت کے بارے میں انسانوں کی عقلی و باطنی قوتیں
جتنی بے بس، کمزور اور محدود اور ناقابل اعتقاد ہیں، ان میں سب سے نہ ہوگا کہ اس سلسلے میں ہم ان
عارفین و محققین کی شہادتیں اور تجربات بھی سنتے جائیں، جو عقل و قلب دونوں کو چوں سے نہ
صرف آشنا بلکہ دونوں کے محرم و سرشار تھے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے اپنے محققانہ
مکاتب میں اس مضمون کو بار بار دہرایا ہے کہ عقل انسانی انبیاء پیہم السلام کی مدد و رہنمائی کے بغیر
صانع عالم کا اثبات تو کر سکتی ہے، اور اس کے وجود کو ضروری قرار دے سکتی ہے، لیکن اس کی
ذات و صفات کی صحیح معرفت اور تقدیس و تنزیہ اور توحید صحیح کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی وہ ایک
مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمہ۔ خدا صمد یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات
انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرکار کا راستہ پانے سے عاجز ہے۔

فلسفہ، اشراق اور مذاہب کی تاریخ بھی اس کی پوری طور پر تائید کرتی ہے کہ محض
عقل و استدلال یا فلسفہ یا اشراق یا تکیہ کرنے والوں نے خدا کی معرفت اور اس کے لئے صحیح

صفات ثابت کرنے اور صحیح افعال کی نسبت کرنے میں کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور کثرت گمراہیوں اور نادانیوں میں مبتلا ہوئے ہیں۔ (۱) مجدد صاحب اپنے مکتوبات میں ثابت کرتے ہیں کہ جس طرح عقل کا مرتبہ جو اس سے ماوراء ہے، اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے، اور کسی چیز کے مخالف عقل اور ماورائے عقل ہونے میں بڑا فرق ہے۔ خدا کی تزیہ کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے، انہوں نے معرفت الہی میں عقلاء یونان کی سے عقلیوں کے نمونے پیش کئے ہیں، جن پر عمل بھی انگشت بدندان ہے، اسی طرح اہل اشراق اور صفائی نفس کے مدعیوں کی بوالعجبیوں کا بھی عبرتناک نقشہ کھینچا ہے۔ (۲)

اسی طرح انہوں نے دوسرے مکتوب ۲۶۶ اپنا مخلصہ عبد اللہ اور خواجہ سید اللہ فرزند ان حضرت خواجہ باقی باللہ میں بڑی تفصیل سے وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ پیغمبروں کی بعثت اللہ کی ذات و صفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے، اور یہ کہ عقل و کشف دونوں کا خاص اور بآميز ہونا ممکن نہیں، وہ جسم منہری کے اثرات، قوت و اہمہ کے تحلیلات، ردائل خالق و ربشری کمزوریاں سے کلیہ مبرا اور آزاد نہیں ہو سکتے، اس کے فیصلے اور اس کے اخذ کئے ہوئے نتائج و احکام اور ”علوم و معارف“ ان کمزوریوں کے رنگ میں رنگے اور ان کا اثر قبول کر کے ظاہر ہوتے ہیں، ان میں اکثر ان مقدمات کی کار فرمائی ہوتی ہے، جو اس کے نزدیک مسلم اور بدیہی اور حقیقتاً خلاف واقعہ اور فرضی ہوتے ہیں، ان صحیح و غیر صحیح مقدمات میں تمیز کرنا، اس کے اپنے ذاتی رجحان کی بناء پر ناممکن ہوتا ہے، اس کے مکاتیب اس طرح کے معارف و حقائق سے پر ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا مطالعہ نہایت مفید اور ایمان افروز ہے۔

اللہ نے قرآن کی ایک عظیم الشان سورہ ”سورہ الصّٰفّٰت“ کو (جس میں مشرکین کی گمراہی کی بد اعتقادی اور اللہ کی طرف ان امور کی نسبت کی تردید کی ہے، جو ذات باری کے شایان شان نہیں ہیں) ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب ”مذہب و تمدن“

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں گا طویل مکتوب ۴۳ اپنا مخلصہ ابرہیم قبادی۔

سبحان ربك رب العرش عما يصفون وسلام على المرسلين
والحمد لله رب العلمين ○

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے اس سے بہتر پیغمبروں پر سلام اور سب طرح کی تعریف خدا رب العالمین کو دے دیا اور اس سے کہ
یہ تینوں آیتیں ایک طوائف زنجیر کی زنجیر ہیں، جو ایک دوسرے سے پیوست ہیں، یہوند
جب اللہ نے اپنی ذات کو مشرکین کی غوغا اور بے ہودہ باتوں سے منبرہ فرمایا تو انبیاء کرام کا بھی
ذکر کیا، جنہوں نے خدا کی کامل تنزیہ و تقدیس کو اجاگر کیا اور اللہ کے صحیح اوصاف بیان کئے، اللہ
نے ان پر سلام بھیجا اور ان کی تعریف کی، کیونکہ مخلوق سے خالق کے صحیح تعارف اور خالق کے صحیح
صفات سے روشناس کرانے کا سہرا انہیں کے سر ہے، اور ان کی بعثت مخلوق پر احسان، انسانوں
کے لئے نعمت اور اللہ کی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا تقاضا ہے، اس لئے اس سلسلہ کو ختم کرتے
ہوئے فرمایا

والحمد لله رب العلمين ○

اور ساری تعریفیں اللہ ہی کو دے دیا اور اس سے کہ جہاں کا رب ہے۔

حضرت مجدد افغانی اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے
ہیں کہ ”انبیاء بہترین موجودات ہیں، اور بہترین وہ ذات ان کے سپرد کی گئی، او یا ان کی انتہا، نبیاء
کی ابتداء ہے نہ کہ عکس، نبوت کی پیروی میں قرب بالقرائن حاصل ہوتا ہے، کمالات و اہمیت
کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اور نسبت بھی نہیں جو قطعہ و سمنہ سے
ہوتی ہے۔ (۱)

انبیاء اور نبوت کی فضیلت کے بارے میں انہوں نے اور ان کے ایک پیشرو متفق و
عارف مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنے مکتوب میں بڑے بلند معارف و
حقائق کا اظہار فرمایا ہے۔ مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ ”وایت میں سنیہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی
طرف پوری توجہ نہیں ہو سکتی (اس لئے ان سے وہ ہدایت اور نصح عام نہیں ہوتا جو نبیاء سے ہوتا
ہے) اور نبوت میں سنیہ کی انتہائی فراخی اور کشائش کی وجہ سے نہ توجہ حق، توجہ خلق سے منع ہوتی

(۱) مکتوبات صفحہ نمبر ۸۷-۸۸ جلد اول اور صفحہ ۱۲۳ جلد دوم۔

ہے، اور نہ توجہ خلق، توجہ حق میں حائل ہوتی ہے۔“ (۱)

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ ”انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے، انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی و پاکیزگی اور قرب خداوندی میں اویسے کرام کے دل اور ان کے سرور و راز و نیاز کے برابر ہے، ان کے جسم کو وہاں سے جاتے ہیں، جہاں دوسرے کا راز و نیاز پہنچ سکتا ہے۔“ (۲)

فلسفہ یونان کی ناکامی کا راز:

یہی وجہ ہے کہ جو بھی انبیاء سے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اللہ کی ذات و صفات اور اسمائے حسنیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس دنیا سے اللہ کے تعلق اور اسی تعلق کی کیفیت، اللہ کی قدرت، اس کے احکام، اور اس دنیا میں، ان احکام کے اثرات کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے لئے اپنی عقل، اپنے علم، اپنی ذہانت و ذکاوت، کسی علم و ہنر سے واقفیت بعض کوششوں میں کامیابی اور علمی میدان میں معمولی یا عظیم الشان کارناموں پر اعتماد کرتا ہے، اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے، اور سوائے سرگردانی اور گمراہی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ان پر اللہ کا یہ فرمان صادق آتا ہے۔

هَاتَمْ هَوْلَاءَ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلَمْ تُحَاطُوا بِهِ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ .

تم لوگ جھگڑ چکے جس میں تم کو کچھ خبر تھی، اب کیوں جھگڑتے ہو، جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں، اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ہو۔

یونان کے قدیم الہیاتی فلسفہ اور اس کے مفکرین اور ماہرین کی ناکامی اور گمراہی کا یہی راز ہے، ان کی بے نظیر ذکاوت و فطانت، ان کے علمی و ادبی شاہکار، ان کی باکمال اور سحر انگیز شاعری بڑے بڑے رزم ناموں اور ریاضی، ہندسہ، اقلیدس، طبیعیات، نجوم اور فلکیات کی مہارت نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا، اور انہوں نے سمجھا کہ مابعد الصیغیات اور الہیات میں بھی

وہ اسی طرح کامیاب رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے الہیات کے مسائل اور خدا کی ذات و راس کی صفات کے موضوع پر بھی طبع آزمائی کی۔

نیمین اس دماغ سوزی کا جو نتیجہ انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ ہوا تمبیوں کا ایک مرقع، دانائوں کی نادانی کا ایک شاہکار اور باہم متضاد و مختلف اقوال و آراء اور قیاسات اور دعویٰ کا مجموعہ ہے، حجت الاسلام غزالی نے اس پر بالکل صحیح تبصرہ فرمایا ہے۔

”تہ بہ تہ تاریکیاں ہی تاریکیاں، اُس کوئی انسان اس طرح کا اپنا خواب بیان کرے تو اس کو سو، مزاج کا نتیجہ قرار دیا جائے۔“ (۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح کی چیزوں سے ایک دیوانہ بھی کیسے مطمئن ہو سکتا ہے، اور کہاں یہ عقلاء جو بزم خود بال کی کھال نکالتے ہیں۔“ (۲)

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ فدا اور حکماء کے اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”ارباب عقل ان دعوں کے کلام پر غور کریں، جن کو اپنی عقل اور تحقیق کا اتنا غرہ ہے کہ انبیائے کرام کی بتائی ہوئی باتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں، اپنی حکمت کی افادیت، فلسفہ کے اعلیٰ معیار پر بھی، یونانوں جیسی باتیں کرتے ہیں، اور ثابت شدہ و متعین حق کو اپنی پرفریب اور شکوک میں مبتلا کرنے والی باتوں سے رد کر دیتے ہیں اور واضح اور مشہور بالطلک و قبول کریتے ہیں۔“ (۳)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

”الہیات کے بارے میں جب معم اول (ارسطو) کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ اضطراب اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فدا سفہ یونان سے بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا، وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ، یونان کی الہیات کا پیغمبروں کے علوم و تعلیمات سے متقبد کرنے لگتے ہیں، اس کو یہ بات ایسی ہی نظر آتی ہے، جیسے کوئی وہابوں کا فرشتوں سے یہ گاؤں کے زمینداروں کا شاہان عالم سے مقابلہ کرنے لگے۔“ (۴)

(۱) تہذیب مند - صفحہ ۳۰ (۲) تہذیب، فدا صفحہ ۳۲ (۳) موفد صراح المعقول (۴) الرد علیٰ المنطقین صفحہ ۳۹۵

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

”عقل اگر اس مسئلہ میں کافی ہوتی تو قدسہ یونان جنہوں نے عقل کو اپنا مقصد کی بنایا تھا، گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے اور حق تعالیٰ کو اور دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے حق سبحانہ کو بیکار اور معطل سمجھ لیا ہے۔“

”عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکماء یونان) کو حکماء کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے، ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً اسبیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں، اور کتاب و سنت کے مخالف، حکماء کا ان وقتب دین، جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے، آخر کس لحاظ سے ہے؟ ہاں طنز و مذاق کے طور پر ہو سکتا ہے، یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے۔“ (۱)

اشھد و اخلقہم سکتب شہادتہم ویسئلون (۲)

کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے، عنقریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔

ما اشھدہم خلق السموات والارض ولا خلق انفسہم وما کنت

متخذاً المضللین عضداً (۳)

میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔

عہد اسلامی کے فلسفہ کی لغزش:

افسوس کہ ہمارا اسلامی فلسفہ (عمم کلام) جو یونان کے محدانہ فلسفہ کا مقابلہ کرنے کے لئے عالم وجود میں آیا تھا، وہ بھی اسی رجحان سے متاثر ہو گیا، اور ایسے مسائل میں تفصیلی بحثیں کی گئیں، جن کے نہ تو اصول و مبادی انسانوں کو معلوم تھے، نہ وہ ان کے مقدمات کا صحیح عمم رکھتے تھے۔ اس میں بھی وہی بے قابو فلسفیانہ روح سرایت کی گئی جو اپنی قدر و قیمت نہیں پہچانتی اور

حدود سے تجاوز کرتی ہے، یہاں بھی ذاتِ باری سے متعلق مسائل اور اوصاف کی تاویل میں باریکیاں اور باتوں کی کھال نکالنے کی کوشش نظر آتی ہے، وہاں سے ان مسائل میں اتنی تفصیل سے کام لیا، اور ایسا تجربہ اور ایسی تشریح کی ہے، جیسے وہ کسی تجربہ گاہ میں کھڑے ہوں اور تمام اجزاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک۔

انبیائے کرام کا امتیاز:

انبیائے کرام (صووات اللہ علیہم) کا اس حیات بخش علم میں کوئی سہیم و شریک نہیں، جس سے بغیر نہ انسانوں کو سعادت حاصل ہو سکتی ہے، نہ نجات مل سکتی ہے، وہ علم جس کی روشنی میں انسان اپنی خالق اور اس کائنات کو جو، بخشے والی ذات، اس کی اصلی صفات و راسخے اور بندوں کے باہمی تعلق کی نوعیت معلوم کرتا ہے، اسی کی روشنی میں انسان کی ابتداء اور اس کی انتہاء معلوم ہوتی ہے، اور اس دنیا میں اس کا مقام اور رب کے مقابلہ میں انسان کا موقف متعین ہوتا ہے اور اللہ کو راضی کرنے، غصہ دلانے اور آخرت میں انسان کو خوش نصیب و کامران یا ناکام و نامراد بنانے والے امور و اعمال اور انسان کے عقائد، اعمال اور اخلاق و عادات کے خواص، ان کی جزاء و سزا اور انسانوں سے صادر ہونے والے اقوال، اعمال اور اعتقادات کے نتیجے میں ملنے والے ثواب یا عذاب اور طویل مدت تک اثر انداز ہونے والے اہم نتائج کی نشاندہی ہوتی ہے، اور یہی وہ علم ہے جس کو ”علم النجاة“ کہا جاسکتا ہے۔

انبیائے کرام ارفع و اعلیٰ صلاحیتوں، احساس کی لطافت و نزاکت اور فہمی ذہانت و ذکاوت کے مالک ہونے کے باوجود اپنے زمانہ کے مروجہ اور عام علوم میں دخل نہیں دیتے، نہ ان علوم و فنون میں اپنے کمال یا اپنی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ وہ تمام چیزوں سے بالکل الگ صرف اس فریضہ کی ادائیگی اور اسی کی خدمت انجام دینے میں مشغول رہتے ہیں، جن کے لئے وہ مبعوث کئے گئے ہیں، جن کے مامور بنائے گئے ہیں اور جن پر انسان کی شقاوت و سعادت کا دار و مدار ہے، وہ انہیں علوم کو دوسروں تک پہنچانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام:

مہذب اور ترقی یافتہ قومیں جو اپنے اپنے زمانہ میں تہذیب و ثقافت، ذہانت اور علمی

ایسی بات میں بلند ترین معیار پر پہنچی ہوئی تھیں، وہ بھی انبیاءِ کرام کی لائی ہوئی تعییمات اور ان کے مخصوص علم کی اتنی ہی ضرورت مند تھیں جتنا کہ دریا میں ڈوبنے والا سہارے کے سے کسی شئی کا محتاج ہوتا ہے، یا زندگی سے مایوس مریض کو اسیرِ دوائی ضرورت ہوتی ہے، ان ترقی یافتہ قوموں کے افراد اس مخصوص اور ضروری علم کے اعتبار سے (دوسرے علوم یا تہذیب و تمدن میں جتنے بھی آگے رہے ہوں) طفلِ شیر خوار، جاہلِ محض اور تکی دست و پے بقامت تھے، اور انہوں نے اپنی علمی کامیابیوں اور تمدنی ترقیت کے باوجود، جب اس علم کو سراہا اور اس کا مددگار اڑایا تو انہوں نے اپنے لئے اور اپنی قوم و معاشرہ کے لئے تباہی و بربادست و دعوت دی، متعدد ترقی یافتہ اور متمدن قومیں جو علم و ادب کے بیش بہا خزانوں سے مالا مال تھیں اور ان کا وہ عبقریت میں جن کی مثال دی جاتی تھی، اس نکار، تبصر، غرور، خود پرستی اور اپنے علوم اور صنعتوں پر فخر کا شکار ہو چکی ہیں، اپنے زمانہ کے نبی کی لائی ہوئی تعییمات کو انہوں نے حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا، اس سے بے نیازی برتی، اس کو بے کار اور بے قیمت سمجھ، تو وہ اسی غرور ہی کی نذر ہو گئیں اور وہ حماقت جو اعلیٰ ذہانت نظر آتی تھی، وہ تنگ نظری جس کو اس وقت اور اندیشی اور حقیقت شناسی کہا جاتا تھا، ان کو لے ڈوبی اور انہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھ لیا۔

انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل:

انبیائے کرام (علیہم السلام) کے علم اور دوسرے علماء اور حکماء کے علوم و فنون کا واضح فرق ایک کہانی سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے، آپ لوگوں نے اسے سنا تو ضرور ہوگا، لیکن شاید اس طرح اس فرق پر منطبق نہ کیا ہوگا، نہ یہ بلیغ حکمت معوم کی ہوگی اور معاف کیجئے گا کہ یہ کہانی آپ ہی لوگوں یعنی طلبہ ہی کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

”راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبہ تفریح کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی اور کام کچھ نہ تھا، یہ نوجوان طلبہ خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، جاہلِ مدح دلچسپی کا اچھا ذریعہ، اور فقرے بازی، مذاق و تفریح طبع کے لئے نہایت موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز و طرار صاحبزادہ نے اس سے مخی طیب ہو کر کہا: ”پچھا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟“

ملاح نے جواب دیا۔ ”میاں میں پتہ پڑھا تھا نہیں۔“

صاحبزادہ نے ٹھنڈی سانس بھر رہا۔ ”ارے آپ نے سانس نہیں پڑھی۔“

ملاح نے کہا۔ ”میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔“

دوسرے صاحبزادے بولے۔ ”اقیدس اور الجبر اتو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟“

ملاح نے کہا۔ ”حضور ینام میرے سے بالکل نئے ہیں۔“

اب تیسرے صاحبزادے توشہ چہرے۔ ”میرے آپ نے جغرافیہ اور تاریخ تو پڑھی ہی

ہوئی؟“

ملاح نے جواب دیا۔ ”سرکاریہ شہرے نام ہیں یا دی۔“

ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انہوں نے قہقہہ لگایا۔

پھر انہوں نے پوچھا۔ ”چچا میاں تمہاری عمر کیا ہوگی؟“

ملاح نے بتلایا۔ ”ایک سو نو چالیس سال۔“

لڑکوں نے کہا۔ ”آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں۔“ ملاح بے چارہ

خفیف ہو کر رہ گیا اور چپ سا دھن۔

قدرت کا تماشا دیکھے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آ گیا، موجیں منہ

پھینا نہ ہونے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکوں لے رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب

ڈوبی، دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ چہرہ پر ہوائیاں اڑنے

لگیں۔ اب جابل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا۔ ”بھیا تم نے

کون کون سے علم پڑھے ہیں؟“

لڑکے اس بھوے بھلے جابل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے اور کانچا مدرسہ میں پڑھے

ہوئے علوم کی فہرست کن فی شروع ردی اور جب بھاری بھر کم اور مرعوب کن نام نہ چھتے تو

اس نے مسراتے ہونے پوچھا۔ ”ٹھیک ہے، یہ سب تو پڑھا، لیکن کیا پیرا کی بھی سیکھی ہے؟“ اگر

خدا نخواستہ کشتی اسٹ جائے تو کنہرہ کیسے پہنچ سکو؟“

لڑکوں میں کوئی بھی پیرا نہیں جانتا تھا، انہوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا۔

”چچا جابل ایسی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں دیکھ سکے۔“

لڑکوں کا جواب سن کر ملاج زور سے ہنسا اور کہا۔ ”میں نے تو اپنی آدمی عمر کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوئی، اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پر ہا نکھچھ کا منہ آئے گا، آج پیہا کی تمہاری جان بچا سکتی ہے اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔“

ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرنے اور تہذیب و تمدن کے بلند معیار پر پہنچنے والی تمام قوموں کی یہی حالت ہے، خواہ وہ علم و ادب کے دارہ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہی کیوں نہ رہی ہوں، یا انسانوں کے تمام علوم، حکمتوں، ایجادات اور وسیع دنیا میں چھپے ہوئے خزانوں کے انکشافات میں پوری دنیا کی امام ہی کیوں نہ رہی ہوں، لیکن وہ علم سے ناواقف تھیں، جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے ذریعہ خالق تک پہنچا جاسکتا ہے، جس کے سہارے ساری مقصود تک رسائی اور طوفان سے نجات کا حصول ممکن ہے، جو اعمال اور میدانِ نات و درست رکھتا، خواہشات اور شہوات کو قابو کرتا ہے، اخلاق و صالح اور نفس کو مہذب بناتا ہے، برائیوں سے روکتا اور بھدائیوں پر ابھارتا ہے، دس میں اللہ کا خوف اور خشیت پیدا کرتا ہے، اور جس کے بغیر نہ معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے، نہ تہذیب و تمدن کی حفاظت، جو انسان کو انجیم کی فکر اور آخرت کے لئے تیاری پر آمادہ کرتا ہے، انسانیت اور خود پرستی کے جذبات فرو کرتا ہے، دنیا کی حقیر چیزوں کی حرص و ہوس سے آزادی دلاتا ہے، احتیاط اور توازن کا راستہ دکھاتا ہے اور غیر مفید اور بے نتیجہ کوششوں سے باز رکھتا ہے۔

اللہ نے ان قوموں کا قصہ قرآن میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، جو غرور و تکبر کے نشہ میں مست تھیں اور انہوں نے اپنے اپنے معصرا نبیا کر موزلیل و حقیر سمجھا جو اس زمانہ کی رائج علوم میں امتیازی شہرت نہیں رکھتے تھے۔

فما جاء تهم راسم بالیست فرحوا بما عندهم من العلم وحق بهم

ما كانوا به يستهزؤن

اور جب ان کے پیغمبران کے پاس اٹھلی نشانیاں لے کر آئے تو جو علم ان کے خیال میں ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تم سخر کیا کرتے تھے، اس نے ان کو آن گھیرا۔

رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد بھی اس قوم کی یہی حالت ہے جو علم، حکمت، صنعت اور تمدن کے بلند مدارج طے کر چکی اور اس کے تکبر و غرور اور اپنے علوم، ترقیات اور مہارتیں یا کمالات پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نے رسول اللہ ﷺ کے آئے ہوئے بہترین اور ضروری علم سے اس کو روک رکھا، رسول اللہ ﷺ کے طریقے اختیار کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی اجازت نہ دی۔

ہمارے زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کی مثال بھی یہی ہے، جو اس قیامت تک باقی رہنے والے دین سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اور اس میں مزانو سے روشنی کی کرنیں اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہیں، جلد ہی ان قوموں سے انکار، تمہور و ستغناء کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا، ان کی جاں بسبب تہذیب کی اش کا تقفن پھیل جائے گا اور ان کے تمدن کی عمر رست زمین پر آ رہے گی۔

اسلامی ممالک کے لئے خطرہ عظیم:

مسلم اور عرب ممالک کا رویہ اور تعجب نیز ہے کہ وہ اس حیات بخش اور قیمتی علم سے اعراض اور اس سے استفادہ سے پہلو تھکی کر رہے ہیں، اور اس کے بجائے مغربی تہذیب، مادی قدروں، جاہلی زندگی اور قومی یا اشتراکی فلسفوں پر ٹوٹے پڑے ہیں، یہ ان کے لئے عظیم ترین خطرہ ہے، جس کا کوئی مداوا نہیں، اسی اعراض کی سبب میں وہ افتراق و اختلاف میں مبتلا ہیں، ہنگامے اور آئے دن کے انتخابات ان کو تباہ کر رہے ہیں، ان میں بغض و حسد جیسے مہلک امراض پیدا ہو گئے ہیں، ان کی ہوا اکھڑ گئی اور وہ دشمنوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے ہیں۔

علماء و محققین اور انبیاء کرام کا فرایک تمثیل میں:

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقاب میں دوسرے علماء و محققین اور ارباب فضل و کمال کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی بہت بڑے آباد ترقی یافتہ اور منظم شہر میں مختلف ذوق اور

مناسبت رکھنے والے ارباب علم و حکمت داخل ہوں۔

ایک جماعت آتی ہے، جس کی چیسیوں کا مہتمم زراعت و قیام قدیم شہر کی تاریخ دریافت کرنے کے لیے یہ شہر آیا، یہاں بس کی بنیاد پڑی، اس میں آتی اب رہتی، کن حادثات سے اسے دوچار ہونا پڑا، اور کون سی خصوصیات کن اوقات میں آتی رہیں؟ ایک اور جماعت اسی شہر میں آتی ہے، اس کی تلاش و تحقیق کا موضوع آثار قدیمہ میں تو وہ قدیم آثار تلاش کرے گی، شہر کے تاریخی حصوں کی حدائی کرے گی، اور ان سے نکلی ہوئی چیزوں اور کتبہات کا مطالعہ کرے ان کے زبانوں کو متعین کرے گی، قدیم ہر باد شدہ تہذیبوں و پرانے عادات و اطوار کا پتہ لگائے گی۔

کچھ اور لوگ اسی شہر کا رخ کرتے ہیں، جن کا خاص فن جغرافیہ ہے، ان کی چیسیوں جغرافیہ ہی تک محدود رہتی ہیں، وہ لوگ دیکھتے ہیں کہ اس شہر کے حدود اور جہاں ہیں، ان کا رقبہ کتنا ہے، شہر کا جغرافیائی محل وقوع کیا ہے، اس کے اردو پیش کے پہاڑ و راس پر سایہ فگن چوٹیاں کیسی ہیں؟ شہر کا سینہ چیرنے والی نہریں کون کون سی ہیں اور وہ کہاں سے گزرتی ہوئی اس شہر تک پہنچتی ہیں؟

ایک اور طبقہ داخل ہوتا ہے، جس کی جو نگاہ میدان شعر و ادب ہے، وہ اس مزین و منظم شہر کا حسن و جمال، اس کے دلکش مناظر، صبح و شام، دن و رات کو معطر کرنے والی نازک خرام ہوا میں اور باغات میں لہلہاتے ہوئے رنگ برنگے گل بوٹے اس کو متاثر کرتے ہیں، اس کے دل کی کلی کھل جاتی ہے، اور اس کی صلاحیتیں اور شاعرانہ ادراکات، نازک خیالات، بند معانی سے مزین اور فصاحت و بلاغت سے آراستہ شعرا کا ایک دیوان مرتب کر دیتے ہیں۔

کچھ اور لوگ اس شہر کا رخ کرتے ہیں، ان کی تلاش و تحقیق کا رخ زبان اور فلسفہ زبان کی طرف ہوتا ہے، وہ لوگ اہل شہر کی زبان کو اپنا موضوع بناتے ہیں، اور اس زبان کی ابتداء اس کی نشوونما، اس کی ترقی کے مدارج اور دوسری زبانوں سے اس کے تعلق کا مطالعہ کرتے ہیں، اس زبان کی اصل کا پتہ لگاتے ہیں، درمیان کی لٹشہ ٹریاں تلاش کرتے ہیں، الفاظ کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں، زبان کے قواعد مرتب کرتے ہیں و رسم الخط کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اس کے بارے میں تحقیقات عمل میں لاتے ہیں۔

اہل علم و فن کی یہ ساری جماعتیں انتہائی ضروری اور قابل قدر ہیں، ان میں سے کسی کی تنقید کسی کی جانب سے ہے تو جہی نہیں کی جاسکتی، ہر ایک کا اپنا رجحان، ذوق اور اس کے مطمحہ کا موضوع رہتا ہے، اسی کے مطابق اس کی صلاحیتیں اپنا ثمر مل رہی ہیں، لیکن یہ تمام طبقے اپنی قدر و قیمت اور اپنی اہمیت کے باوجود اس وقت تک خطہ سے نہیں نکل سکتے ہیں، جب تک کہ اس شہر کے متعلق چند انتہائی ضروری امور نہ معلوم کر میں کہ اس کا حاکم کون ہے، اس کا نظام حکومت کیسا ہے، اور وہ قوانین کون سے ہیں، جن کے سامنے تمام لوگوں کو (رجحانات اور صدحیتوں کے اختلاف کے باوجود) تسلیم کرنا پڑتا ہے، اس شہر یا ملک کی شہریت حاصل کرنے کے یہ اصول ہیں، اس کے لئے واؤں پرستے نہیں واجب الادا ہیں، اس پر آباد ہونے کے قواعد کیا ہیں، یہاں کیا چیزیں ممنوع اور خلاف قانون ہیں، جن کا ارتکاب ان کو مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے، اور اس طرح کی اور بہت سی چیزیں جو اس منظم اور ترقی یافتہ شہر میں باعزت و پرسکون زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔

مثالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ:

اسی مثال اور ترقی یافتہ شہر میں ایک دربارت داخل ہوتی ہے، صدحیتوں میں کامل صحیح و رفع بخش قوتوں کی مالک، نازک احساس اور لطیف و پاکیزہ ذوق سے مزین، انسانی خوبیوں میں سے کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن اس کے عزائم بالکل الگ ہیں، اس کی دعوت اور اس کا طریقہ کار ان لوگوں کی دعوت اور طریق کار سے بالکل جدا ہے، وہ براہ راست اس منظم شہر کے مرکز اور اس کی قوت، زندگی اور تنظیم کے اصل سرچشمہ تک پہنچتی ہے، بلکہ اس شہر کا مختار کل خود اس جماعت کی انگلی پکڑ کر اصل مرکز تک لے جاتا ہے، اور یہ مقدس جماعت براہ راست اس سے احکام و فرامین حاصل کرتی ہے، اور اسے شہر کے تمام لوگوں تک پہنچاتی ہے، وہ اس شہر کی تنظیمی قوت یا تنظیمی ادارہ اور اس کے شہریوں کی درمیانی اور اہم کڑی بن جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہر کے تمام لوگ اور علماء و فضلاء کے تمام طبقے اپنی زندگی کے تمام شعبوں اور امن و سکون کے ساتھ علمی و تحقیقی مشغول کے انہماک میں اس مقدس جماعت کے احسان مند ہیں، کیونکہ یہ سارے علوم و فنون اس خاص علم و معرفت کے زیر سایہ پرورش

پاتے اور نشوونما کے مراحل طے کرتے ہیں، جس کی تعلیم یہ مقدس جماعت دیتی ہے، جس کی تبلیغ تمام لوگوں میں کرتی ہے، دن رات اسی کی فکر رہتی ہے، اور اسی کے زیر سایہ زندگی گزارتی ہے، اگر یہ معصومات نہ ہوں اور یہ مبارک جماعت نہ ہوتی، دوسری ساری جماعتیں مٹتی اور جہالت کا شکار ہو جاتیں گی، ان سے خلاف قانون برکتیں سرزد ہوں گی، انہیں سرفہر یا بے گار، اور جیل خانوں میں بھرا جانے کا اور ان کے تمام معلوم، تمام حکمتیں، ساری تدوین اور ایجادات ان کے کچھ کا منہ آئیں گی، کیونکہ ان تمام معلوم و تحقیقات اور اس نظام کی (جو ان تمام وحدتوں کو ایک سلسلہ میں پروتا ہے) بنیاد ہے، اسی وسیع و عریض شہر کے انتظام کرنے، اسے چلانے والے ورمی رکل کی ذات کی معرفت و اس اصل مرتزق معرفت، جس کے بر اس شہر کی زندگی گردش کرتی ہے، یہی وہ معرفت ہے، جس کے لئے انبیاء، اہل مخصوص کئے گئے، جو انہیں کی ذات سے وابستہ ہے۔

و کذلک بری ابراہیم ملکوت السموت والارض ولیکون من

الموقنین

اور اسی طرح ابراہیم و آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔

مقدس ترین فریضہ:

اس معرفت کی اہمیت ہمیں زیادہ ہو جاتی ہے، اگر یہ بھی منظور ہے کہ میری بیان کی ہونی مثال میں معاملہ صرف حاکم اور منتظم ہی کا نہیں بلکہ شہر کا حاکم اور منتظم، اس کا خالق بھی ہے، جس نے اس کو جوہر بخشا ہے، اس پر زندگی کی ہریں دوڑائی ہیں، اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اور آسائیاں فراہم کی ہیں، وہ روزی رساں ہے، بخشنے والا ہے، رحمت و مغفرت والا ہے، اپنی مخلوقات سے اس سے زیادہ محبت رکھتا ہے جو اس کو اپنے بچے سے ہوتی ہے۔ ذیل کی آیت قرآنی سے معلوم ہو گا کہ اس کا تعلق اس کائنات اور مخلوق سے کتنا وسیع، عمیق اور محیط ہے، اور وہ کن صفات اور اسمائے حسنی سے موصوف ہے، جن کی تجلی اس عالم کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے۔

هو الله الذي لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم ○

هو الله الذي لا اله الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز

الحسار المنکبر، سبحان الله عما یسرکون O هو الله الخالق البارئ المصور، له الاسماء الحسنى له ما فی السموت والارض وهو العزیر الحکیم O

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی انق عبادت نہیں، بادشاہ حقیقی، پاک ذات، بے شب سے سالم، امن دینے والا، نبیان، کتاب، زبر و دست، بڑائی والا خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے، وہی خدا تمام مخلوقات کا خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا اور اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

ہذا انسان کو ودیعت کی ہوئی عقل کی ساری صلاحیتیں صرف ار کے اس کی معرفت کی تفصیل، دل کی ہریوں میں اس کی محبت، تمام اعضاء و جوارح سے اس کی اطاعت اور اس کی رضا مندی، اس کا قرب اور اس کی رحمت و توبہ کی تحصیل میں انتہائی محنت و مشقت ہی سب سے اہم فریضہ ہے، سب سے مقدس کام، انسانیت اور شرافت کا تقاضا ہے، عقل سلیم اور صراح فطرت کا صحیح مطالبہ ہے۔

انسانوں و مختلف طبقات، ان کی سرگرمیوں اور ان کی دعوتوں کے مقابلہ میں، یہ ہے انبیائے کرام و پیغمبر اسلام، ان کی سرگرمیوں و ان کی دعوت کا مقدمہ بند، یہ مقدس طبقہ انسانیت کے لئے اتنا ہی ضروری ہے، جس قدر جسم کے لئے روح، کام کے لئے عقل اور انسان کے لئے روشن آنکھیں اور دنیا ان کے بغیر (اپنے تمام علوم، ادبیات، تہذیب، ثقافت، صنعت اور حرفت کے باوجود) کلیۃً تیرا و تار اور ہمیں بحر ظلمات ہے۔

ظلمت بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا ومن لم یجعل

الله له نوراً فمالہ من نور

غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک چھایا ہوا جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو ہمیں بھی روشنی مل سکتی ہے۔

انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب:

انبیائے کرام صرف معرفت صحیحہ اور علم یقین ہی کے مرکز و منبع نہیں ہیں، بلکہ اس کے

ساتھ ہی وہ انسانی معاشرہ کو ایک اور بے بہاد دولت بھی عطا کرتے ہیں، جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر و ترقی کا پورا پورا دار و مدار ہے، اور وہ قیمتی سرمایہ ہے، بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ، اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم، اور انسان کی تمام ترقیات سر بلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ مبارک عزم ہی ہے، کیونکہ تمام اسباب و وسائل، ساز و سامان اور تجربہ و تحقیق کے ادارے انسان کے عزم و ارادہ کے تابع ہیں، تمام کارناموں کی اساس یہ ہے کہ انسان ارادہ کرے، اور اس بھلائی کا اصل ماحذ و منبع ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات رہی ہیں، انہوں نے اپنی بعثت کے زمانہ میں اپنی قوم و امت اور اپنے پورے معاشرہ میں خیر کی محبت اور شر سے نفرت کے جذبہ کو پروان چڑھایا، حق کی حمایت اور باطل کی محنت ان کی طبیعت اور فطرت میں داخل کرنے کی کوشش کی اور طویل انسانی تاریخ میں جب بھی یہ جذبہ کمزور پڑا، انسانوں کی فطرت میں تغیر رونما ہوا، اور ان میں بہیمیت اور درنگی کے آثار ظاہر ہوئے، جیسا کہ ہم قرآن میں بیان کئے ہوئے مختلف قوموں کے حالات میں مشاہدہ کرتے ہیں، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فوراً اس کا علاج کیا، اور قسادت و بہیمیت کو رحمت و رافت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا، انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی، اس کے لئے مسلسل و متواتر جدوجہد کی، عیش و آرام کی پروانہ کی، عزت و وقار کا خیال نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنے جسم و جان کی فکر نہیں کی، اور اسی مسلسل و جانناکام محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھڑکھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفس سے دنیا معطر ہوگئی، جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دل کشی و رعنائی آگئی، جو رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے، اور انہیں برگزیدہ مثالی اور قابل تقلید نفوس کی برکت سے تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی، عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گیا، کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہوئی، بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی، فضائل میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی، الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی، سعادت کا بازار گرم ہو گیا، دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں، ایمان و یقین کی عطربیز ہوائیں چلنے لگیں، انسانی نفوس ہوا و ہوس کی گرفت

سے آواز ہو گئے، قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھینچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے انسانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کی ارتقاء پر اس مبارک و مقدس طبقہ کے جس قدر احساسات ہیں، اسی اور طبقہ کے نہیں ہیں، الطاف و عنایات کا خنک سایہ، انسانوں کی عزت، ان کی شرافت، ان کے اعتدال، ان کے توازن ان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے، انہی الطاف و عنایات کی زیر سایہ حیات انسانی کے بھا کا امکان ہے، اگر انبیائے کرام علیہم السلام نہ ہوتے تو انسانیت کا سفید اپنے علم، فلسفہ، حکمت اور تہذیب و تمدن سمیت طوفان کی نذر ہو جاتا، اور روئے زمین پر انسانوں کے بجائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے ریوز دکھلیں کرتے ہوئے نظر آتے، جو نہ اپنے خالق اور رب کو پہچانتے نہ دین و اخلاق سے آشنا ہوتے، نہ رحمت و محبت کا دھبہ رکھتے اور نہ آب و ہوا دنیا گھاس چارہ سے بلند کوئی بات ان کے ذہن میں آتی۔

آج دنیا میں جتنے بھی بلند انسانی اقدار لطیف و نازک احساسات، بہترین و بلند اخلاقی تعلیمات، صحیح و نفع بخش علوم، یا باطل سے ٹکرانے کے عزائم پائے جاتے ہیں، ان تمام کی تاریخ کا سلسلہ، وحی آسمانی، انبیاء کی تعلیمات، ان کی دعوت و تبلیغ، ان کے مجاہدات اور ان کے پر خصوصاً صحابہ و تبعین ہی پر ختم ہوتا ہے، اور دنیا (ازل سے ابد تک) ان کے دسترخوان کی ریزہ چھتی پر مجبور رہی ہے، انہی کی پھیلائی ہوئی روشنی میں قدم بڑھاتی رہی ہے، اور انہی کی تعمیر کی ہوئی محکمہ عمارت کے سایہ میں سر چھپاتی اور زندگی گزارتی رہی ہے، اور رہے گی، ان مقدس نقوش پر ہر اصول، ہر ایسا دورہ و دور سلام ۔

یہاں اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے

یہ سب پودا انہیں کی لگائی ہوئی ہے

انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات

مزاج و منہاج

الحمد لله فحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن
سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له
ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذي ارسله
الله تعالى من الحق الى الخلق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه
وسراجا نيرا O

عزیزان گرامی! پہلے خطبہ میں میری گفتگو کا موضوع تھا، نبوت کی ضرورت اور اس کی
قدرو قیمت، کہ دنیائے انسانیت کو اس کی کتنی شدید ضرورت ہے، تہذیب و تمدن پر اس کے
احسانات کس قدر ہیں، انبیائے کرام کی سرگرمیاں کس نوعیت کی ہیں اور دنیا میں ان کا پیغام کیا
ہے؟ اور آج کے اس مبارک موقع پر میں نبوت کے طبعی خصائص اس کے خاص مزاج اور انبیاء
کی بنیادی خصوصیات اور امتیازات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، نیز یہ کہ انبیائے کرام کا یہ مقدس طبقہ
کن امور میں انسانی طبقات کے دوسرے مفکرین اور مصلحین سے ممتاز ہوتا ہے۔

مقام نبوت کو سمجھنے پر خود ساختہ اصطلاحات کا ظلم:

مصنوعی اور خود ساختہ انداز و اسلوب، سیاسی طور طریقوں، قیادت و تنظیم نئی راہوں اور تعلیم
و تربیت کے جدید اصولوں نے مقام نبوت کے فہم و ادراک پر بہت بڑا ظلم کیا ہے، یہ انداز فکر اور
طریق کار بجائے خود قابل قدر ہے انہوں نے جاہلوں میں تعلیم کی اشاعت معیار زندگی کو بلند
کرنے، مفاسد کا مقابلہ کرنے اور غلام ملکوں کو آزادی کی دولت عطا کرنے میں گراں بہا
خدمات انجام دی ہیں، اور یہ تمام کے تمام لائق ساس و ستائش ہیں، لیکن یہ اسالیب و انداز فکر
لوگوں کے دل و دماغ پر اس طرح چھا گئے ہیں، ان کی طبیعت اور ان کی سیرت و کردار میں اس
حد تک رچ بس گئے ہیں، اور ان کے عزم و ارادہ اور طاقت و قوت کے سرچشموں، امداد اور
محنت و مشقت پر ابھارنے والے جذبوں، غور و فکر اور کامیابی و کامرانی کے پیمانوں کی صورت

میں اس طرح ڈھل گئے ہیں، کہ وہ لوگ اس پہلو کے علاوہ منصب نبوت اور انبیائے کرام علیہم السلام کا تصور ہی نہیں کرتے، نہ اس عینک کے بغیر ان کی طرف دیکھتے ہیں، اس زمانہ میں بعض اسلام پسند مصنفین، اہل قلم اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے داعی اور علمبردار بھی نہیں خیالات۔ اثرات کے سامنے سپر انداز ہو گئے ہیں، اور انہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کی میرت کی تفسیر و تعبیر، جدید سیاسی اور معاشرتی اصطلاحات کی زبان میں شروع کر دی ہے، جو اہل زمانہ کے لئے نبوت کا حقیقی منصب، انبیائے کرام کے مزاج، ان کے پیغامات کی حقیقت اور ان کے اعمال کے صحیح رخ کو سمجھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے، اور ان کی اتباع اور ان کی صحیح عظمت و مقام پہچاننے میں مانع ہو رہی ہے، اور ذہن کو ایسے راستے کی جانب موڑ رہی ہے، جو نبوت کے مزاج و منہاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

سیاسی طرز فکر، جدید سیاسی اصطلاحات، اور موجودہ زمانہ میں سیاست و ریاست کی اہمیت کا، ذہن و فکر، طرز ادا، اور تقریر و تحریر پر ایسا گہرا اثر پڑا ہے، کہ دعوت اسلامی کے بعض داعی اور قائد، اور بلند پایہ اہل قلم بھی اپنی تحریروں میں بے تکلف وہ سیاسی اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کرنے لگے ہیں، جن کے ساتھ خاص مفہیم و افکار اپوست، اور ایک خاص تاریخ وابستہ ہے، اور جن کا ایک خاص پس منظر ہے، مزید برآں وہ اپنا ایک مخصوص و محدود مفہوم رکھتی ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی روح اور مزاج کی صحیح ترجمانی کرنے سے نہ صرف قاصر ہیں، بلکہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں شکوک و بدگمانیاں پیدا ہونے کی بھی باعث ہوتی ہیں، مثلاً ”انقلاب“ ”بغوت“ ”جمہوریت“ ”اشتراکیت“ اور ”نظام“ کے الفاظ کہ ان میں سے ہر ایک کا خاص مفہوم ہے، جس نے خاص حالات، ماحول اور حوادث و واقعات کی سایہ میں نشو و نما حاصل کیا ہے، اور ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں، اور ان سے ایک خاص طرح کے تجربات و تاثرات وابستہ ہیں، جن کو ان سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت بعثت نبوی اور اس کے اثرات و برکات کے ذکر کے سلسلے میں قرآن مجید اور شرع و دین کی زبان نے جو تعبیر اور طرز ادا اختیار کیا ہے، اسی کا اختیار کرنا مناسب ہے، اس لئے کہ وہ ہر طرح کی غلط فہمیوں اور کوتاہ اندیشیوں سے مبرا ہے، اور اسی سے دین کی صحیح روح اور اس کے اصل مزاج سے آشنائی پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کے مخلصانہ و عمیق مطالعہ کی ضرورت:

اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس موضوع پر قرآن کا مخلصانہ اور گہرا مطالعہ کیا جائے، جو حارینِ ارب اور حیروں کے تصورات سے بالکل آزاد ہو۔ اسی طرح اس پر ہمارے ذاتی رجحانات اور خواہشات ساریہ فکرنہ ہوں، ممکن ہے کہ ہماری خواہشات معیوب نہ ہوں، بلکہ مستحسن ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فطری اور طبعی ہوں، لیکن یہ قطعاً ضروری نہیں کہ قرآن سے ہر مستحسن چیز کے لئے دلیل و سند کا کام لیا جائے، یا انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتیں ہر اچھی دعوت اور جدوجہد کا ساتھ دیں، قرآن کے مطالعہ اور تفہیم کو زمانہ کے محدود پیمانوں کا پابند نہیں بنانا چاہئے کیونکہ زمانے آتے جاتے رہتے ہیں، غور و فکر کے انداز بھی بدلتے رہتے ہیں، اشیاء کی قدر و قیمت کو بھی بھی قرار نہیں، یہ چڑھتی اترتی رہتی ہے، ایک زمانہ میں جو نظر یہ پیدا ہو یہ جو اصطلاح وضع کی جائے، جائز نہیں کہ اسی نظر یہ یا اصطلاح کو اگلے زمانہ یا اگلے حوال پر بھی جوں کا توں منطبق کر دیا جائے قرآن ایک آسمانی کتاب ہے، مستقبل ہے، اپنی منفرد شخصیت رکھتی ہے، عوام انسانی کا پورا خزانہ اور اس کے سارے نظریات و ریت کے پھیلنے ہوئے تیلے کی مانند ہیں، جو بکھرتا بھی ہے، اور پھیلتا بھی، سمٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی، اس پر کسی چیز کی بنیاد رکھنا درست نہیں، پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن اپنے بلند آسمانی مقام، اور اپنی مستقل، مضبوط اور ابدی بنیادوں سے گر کر ریت کے اس بے ثبات ٹیلے پر آ رہے!!؟

انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق:

پہلی اور اہم ترین خصوصیت، جس میں انبیاء کرام علیہم السلام دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں، یہ ہے کہ جس عزم کی وہ لوگوں میں نشر و اشاعت کرتے ہیں، جس عقیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، اور جس پیغام کی تبلیغ کی ذمہ داری، ان کے سپرد کی جاتی ہے، وہ نہ تو ان کی ذہانت کی پیداوار ہے، نہ اس فاسد اور تکلیف دہ صورت حال کا رد عمل ہے، جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں، نہ ان کے لطیف و نازک شعور یا ذکی و حساس قلب کا ساختہ پرداختہ، نہ ان کے وسیع اور حکیمانہ تجربات کا نتیجہ، بلکہ اس کا منبع و ماخذ وحی آسمانی اور الہی پیغامات ہیں، جن کے لئے وہ منتخب کئے گئے ہیں، اور جس کا ان کو شرف بخشا گیا ہے، لہذا کبھی بھی دوسرے حکماء،

زمین، مصلحین اور ان تمام رہنماؤں پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، جن کا افسانیت اور اصلاح و عزیمت کی طویل تاریخ نے تجربہ کیا ہے، جو یا تو معاشرہ کی پیداوار ہوتے ہیں یا اپنی حکمت و ذہانت کا نتیجہ یا ماحول کی صدائے بازگشت یا اپنے ارد گرد ابلتے ہوئے فساد اور انارکی کے لاوہ کا رد عمل اور اس کے خلاف ایک صدائے احتجاج۔

اس رد عمل کی اثرات (جو بعض اوقات خوردبین کے بغیر نہیں دیکھے جاسکتے) بہت سے ان اسلام پسند مصنفین اور داعیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں، جن کو موجودہ مادی فلسفوں مغربی سیاست و اقتدار کی کامیابی، اور اپنے ملک کے مسلمانوں کی غیر منظم زندگی یا غلامی نے اسلام کے مطالعہ، صورت حال کا مقابلہ کرنے، اور ان فلسفوں اور نظماں مہائے حیات کے متوازی اسلامی فلسفہ اور نظام حیات کے پیش کرنے پر آمادہ کیا، ان کی تحریروں اور تعبیروں اور ان کے طریق فکر میں اس "رد عمل" کے عکس اور سائے اس شخص کو آسانی کے ساتھ نظر آسکتے ہیں، جس کو ماحول کے اثرات اور عمل و رد عمل کی سلسلہ سے آزاد ہو کر کتاب و سنت کے براہ راست مطالعہ کا موقع ملے، پھر وہ ان جدید فلسفوں اور نظماں مہائے حیات کی بہنی گرفت اور جسم و جان میں پیوست ہو جانے والے اثرات سے بھی واقف ہے۔

ان جدید تحریروں اور اسلام و مسلمانوں کی جدید نشاۃ ثانیہ کی کوششوں میں اور تائبین انبیاء اور مجددین و مصلحین کی دعوت و فکر میں جن کو علمی و دینی رسوخ کی دولت یا ایمانی صحبت و تربیت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، ایک واضح فرق محرکات عمل اور مقاصد کا ہے، پہلے گروہ کی کوشش، فکر کا بڑا محرک حصول قوت و اقتدار یا غلبہ و عزت، اسلامی ریاست کا قیام، اور حیات انسانی کا نظم و سکون اور ثانی الذکر کا اصل محرک رضائے الہی کا حصول، آخرت کی کامیابی، ایمان و احتساب کا جز بہ اور اتباع نبوی و اعدائے کلمۃ اللہ کا شوق ہے، اور انہیں جیسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الفصل ۸۳)

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے، جو

ملک میں فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام (نیک) تو پر ہیزگاروں ہی کا ہے۔ اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات قرآن کی ہے، جو سید المرسلین علیہ السلام کی زبان سے ادا کی گئی ہے۔

قل لو شاء الله ما تلوته عليكم ولا ادرككم به فقد لبثت فيكم عمراً
من قبله فلا تعقلون O

یہ بھی کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو میں ہی یہ کتاب تم کو پڑھ کر سنا تا اور نہ تمہیں اس سے
واقف کرتا میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں۔
اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وكذلك او حينا اليك روحاً من امرنا ما كنت تعلمي ما لك ولا
الايمان ولكن جعلناه نوراً نهدي به من نشاء من عبادنا واتك لهدى الى
صراط مستقيم O

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے قرآن
بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے، اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنالیا ہے کہ اس سے ہم
اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بیشک اے محمد ﷺ تم سید ہلا
راستہ دکھتے ہو۔

اور اسی طرح ارشاد ہے۔

وما كنت ترجوا ان تلقى اليك الكتب الا رحمتن ربك فلا
تكونن ظهيراً للكافرين O

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے
نازل ہوئی تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہوتا۔

اور اسی طرح اس مقام سے آپ ﷺ کی عدم موجودگی کے ذکر کے بعد جہاں ان
حادثات و واقعات کا ظہور ہوا تھا، جن کو آپ اپنی قوم کی سامنے بیان فرما رہے تھے فرمایا گیا۔
وما كنت بجانب الطور اذ نادى ولكن رحمة من ربك لتلقى قوماً

ما اتهم من نذير من قبلك لعلهم يتذكرون O

اور نہ تم اس وقت جب کہ ہم نے موسیٰ کو آواز دی طود کے کنارے تھے، بلکہ تمہارا بھیجی
جانا تمہارے پروردگار کی رحمت ہے تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت
کرنے والا نہیں آیا ہدایت کرو تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

قرآن رسالت و نبوت کے مزاج اور اس کے اصول اور اس کے منبع و مصدر کو ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ينزل الملكة بالروح من امره على من يشاء من عباده ان اذروا انه
لا اله الا انا فاتقون O

وہی فرشتوں کو پیغامِ مدے کر اپنے حکم سے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بتا دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی سے ڈرو۔

اسی وجہ سے رسول نہ تو باطنی نفسیاتی عوامل کے سامنے جھکتا ہے، نہ خارجی وقتی حادثات کے سامنے، اور اپنی رسالت کو اس رخ پر موڑتا ہے، جدھر ماحول یا حالات مڑتے ہیں، یا معاشرہ چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم کے بارہ میں فرماتا ہے۔

وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى O
اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ قرآن تو حکمِ خدا ہے، جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

اسی طرح رسول ﷺ اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ اپنے پیغامات اور اللہ کے احکام میں تغیر یا تبدیلی پیدا کر سکے، یا کچھ کمی و زیادتی کر سکے، اللہ اپنے رسول کی طرف سے کہتا ہے۔

قل ما يكون لى ان ابدله من تلقاء نفسى ان اتبع الا ما يوحى الى اى
اخاف ان عصيت ربى عذاب يوم عظيم O

کہہ دو کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے سخت دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔

اللہ نے آپ سے مددِ منت کی بھی نفی کی ہے، اور آپ کو اس سے محفوظ رکھا، چنانچہ فرماتا ہے۔

ودوالو تدھن فیدھنون O

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

اور اللہ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کرنے، ایسی باتیں بیان کرنے، جن کو اللہ نے نہ کہا ہو، یا

اس کی وحی و فرمان میں کمی یا زیادتی رسول کو درون ک اور رسوائی عذاب کی دھمکی دی ہے۔

تنزیل من رب العلمین O ولو تقول علیہا بعض الا قایل O لا خذا

منہ بالیمین O ثم لقطعنا منه الوتین O فما منکم من احد عنه حاحزین O

اور یہ تو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اور یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بناتا ہے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

اور لفظ ومعنی، ہر اعتبار سے رسالت کی کامل و مکمل تبلیغ کا حکم، یہ چنانچہ فرماتا ہے۔

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تعمل فما بلغت

رسالته واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یهدی القوم الکفرین O

اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کا پیغام پہنچانے میں قصور رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا ب شک خدا منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہی ہے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے مصلحین اور رہنماؤں کے بین فرق و امتیاز کو واضح کرنے والا بنیادی وصف، وہ رہنما جن کے پیغامات اور جن کی جدوجہد، ان کے ماحول، تہذیب و تمدن اور ان کے احساس و شعور کی پیدا کردہ ہوتی ہے، اور پورے ماحول یا باشعور ذہنوں پر چھائی ہوئی ہے اطمینانی و اضطراب کا رد عمل، یہ رہنما ہمیشہ مصلحت اور ضرورت وقت کا لحاظ رکھتے ہیں، اکثر حالات کے سامنے جھک بھی جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں بعض اصولوں کو ترک کرنا پڑتا ہے، اور کبھی دوسری جماعتوں سے معاملہ بھی کرتے ہیں "میں دین" کا طریقہ اپناتے ہیں، اور ان میں سے اکثر کا اصول یہ ہوتا ہے۔ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

انبیاء کی دعوت میں حکمت و تیسیر :

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اپنی دعوت و تبلیغ میں حکمت و مصلحت کا مطلق لحاظ نہیں رکھتے نہ لوگوں کی طبیعتوں اور ان کی توجہ کا خیال رکھتے ہیں نہ مناسب جگہ، مناسب حالات، طبیعت میں نشا و دلوں کی توجہ کی فکر کرتے ہیں، نہ دعوت میں

آسانی اور تدریج کو ملحوظ رکھتے ہیں، نہیں بلکہ یہ تمام امور تو دین کی سہل و سادہ فطرت اللہ کی حکمت بلیغہ اور انبیائے کرام کی حکیمانہ طبیعتوں کا تقاضا ہیں، جن کو دلائل و آثار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، واقعات شہادت دے رہے ہیں، اور دعوت و تبلیغ کی تاریخ اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

قرآن کہتا ہے۔

وَقَرَأْنَا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مَكْتٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا

اور ہم نے قرآن کو جزء، جزء، کر کے اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

ارادہ کرتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا اور نہیں ارادہ کرتا ہے سختی کا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا نَزَّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا

اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے اتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو آسانی برتنے اور خوشخبری سنانے کا حکم دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل، اور ابو موسیٰ اشعرئ سے یمن بھیجے وقت فرمایا۔

يَسْرَ وَلَا تَعْسَرَ، بَشِّرُوا وَلَا تَنْفَرُوا

یعنی دین کو آسان بنا کر پیش کرنا، سخت بنا کر نہیں اور لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔ اسی طرح آپ نے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين

تم آسانی برتنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں۔

کبھی کبھی آپ بڑی اہم اور ہمہ گیر مصلحتوں کے پیش نظر جزئی مصلحت والے کاموں کو

مؤخر کر دیتے تھے، مثلاً ایک بار آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

نولا حداثة قومک بالکھر لنقضت البیت ثم لبنیته علی اساس

ابراہیم علیہ السلام۔

اگر تمہاری قوم (اہل مکہ) نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو میں بیت اللہ کو توڑ کر پھر سے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق بنا دیتا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ہم لوگوں کے اکتا جانے کا خیال کر کے رسول اللہ ﷺ بعض دن وعظ میں مانعہ کر دیا کرتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ”معاذ بن جبل نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور یہاں سے لوٹ کر جاتے تو اپنے محلہ والوں کی امامت کرتے، ایک دن عشا کی نماز پڑھائی اور اس میں سورہ بقرہ پڑھی، جس سے ایک آدمی نماز سے الگ ہو گیا، حضرت معاذ اس سے کھنچے کھنچے رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا۔ ”فان، فان، فان“ فتنا انگیز فتنا انگیز، فتنا انگیز۔ (تین بار) ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ”میں نماز فجر میں اس وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں (جماعت میں شریک نہیں ہوتا) کہ فلاں صاحب اس کو بہت لمبی کر دیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بہت غضبناک ہو گئے، اس سے زیادہ غضبناک میں نے آپ کو کسی وعظ میں کبھی نہیں دیکھا اور آپ نے فرمایا۔

یا ایہا الناس ان منکم منفرین فمن ام منکم الناس فلیتجوز، فان خلفه

الضعیف والکبیر وذو الحاجة۔

لوگو! تم میں سے بعض لوگ، لوگوں کو دین سے متوحش اور دور کر دیتے ہیں، تم میں جو شخص لوگوں کی امامت کرے اس کو چاہئے کہ اختصار کرے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بوڑھی اور ضرورت مند بھی ہیں۔

اس طرح کے دلائل و شواہد بے شمار ہیں، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں تو یہ تمام روایات مشہور ہیں، اور تو اتر کے ساتھ منقول ہیں، اور انبیائے سابقین کے بارے میں بھی یہی ماننا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو حکمت کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔

اتیناہ الحکمة وفصل الخطاب۔

اور دینی ہم نے اس کو (داؤد کو) حکمت اور فیصلہ کن بات۔

اولئک الذین اتیناہم الكتاب والحکم والنبوة

یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے دینی کتاب اور حکمت اور نبوت۔

لیکن اس آسانی، تدبیر، حکمت و مصلحت کا لحاظ اور طبیعتوں کی توجہ اور آمادگی کا خیال صرف عظیم و تربیت اور جزمی مسائل میں ہے، جن کا عقائد یا دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہ ہو مگر جن امور کا تعلق عقائد بنیادی اصولوں، فرائض اور منصوصات سے ہے جو کفر و ایمان اور توحید و شرک کے مابین فرق اور تمیز کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جن کا تعلق اسلامی شعائر اور حدود اللہ سے ہے ان تمام میں انبیاء کے کرم (وہ کی زمانہ میں بھی رہے ہوں) قیود سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، ان میں نہ تو وہ کمزوری دکھا سکتے ہیں، نہ نرمی برت سکتے، اور نہ کسی قسم کا معامد اور سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔

دعوت انبیاء کا سب سے اہم رکن:

انبیاء کی دوسری خصوصیت توحید کی دعوت ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ اور عبدو معبود کے باہمی تعلق کی تصحیح اور صرف نیکی کی بندگی کی دعوت، یہ زمانہ اور ہر ماحول میں انبیاء کے اہم پیغامِ اصولی و اسلامی کی پہلی دعوت اور ان کا سب سے بڑا اور اہم مقصد رہا ہے، ہمیشہ ان کی تعلیم یہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، اور صرف وہی عبادت، دعا، توجہ، و قربانی کا مستحق ہے، ان کے بھرپور حمد کا رخ اپنے زہن میں جاری و ساری ”وثنیت“ کی طرف متوجہ رہا ہے، جو صورتوں اور مقدس وصال زندہ مردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی، ان ہستیوں کے بارے میں اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت و عظمت اور معبودیت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو خاص خاص امور میں تصرف کا اختیار بھی دے رکھا ہے، اور انسانوں کے بارے میں ان کی سفارشوں کو عملی اطلاق قبول فرماتا ہے، جیسے شہنشاہِ اعظم ہر مدد کے لئے ایک حکم بھیج دیتا ہے، اور (بعض بڑے اور اہم امور کے مدد) علاقہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری انہیں کے سر ڈال دیتا ہے۔

جس شخص کو قرآن ہے کچھ بھی تعلق ہے (جو تمہارے پچھلی کتابوں کی تعلیمات کا جامع ہے)

اس کو یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ اس شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی،

اس سے جنگ کرنا، اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کو اس کے چنگل سے نجات دلانا، نبوت کا بنیادی مقصد تھا، انبیاء کی بعثت کی اصل غرض، ان کی دعوت کی اساس، ان کے اعمال کا منتہی اور ان کی جدوجہد کی غایت اسی تھی، اور یہی ان کی زندگی اور ان کی دعوت کا اصل مرکز تھا، ان کی سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی تھیں، وہ یہیں سے آگے بڑھتے تھے، اور یہیں واپس لوٹتے تھے، یہیں سے شروع کرتے تھے، اور پھر یہیں آ کر ختم کرتے تھے، قرآن بھی تو ان کے بارے میں اجمالاً کہتا ہے۔

وما ارسلنا من قبلك الا نوحى اليه انه لا اله الا انا فاعبدون O
اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔

اور کبھی تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے، اور بتاتا ہے، کہ اس کی دعوت کی ابتدا اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی، چنانچہ کہتا ہے۔

ولقد ارسلنا نوحا الى قومه انى لكم نذير مبين O ان لا تعبدوا الا الله
اننى اخاف عليكم عذاب يوم اليم O

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انہوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈرسانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

والى عاد اذ اخاهم هودا قال يا قوم اعبدوا الله ما لكم من اله غيره ان انتم مفترون O (هود ۵۰)

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم شرک کر کے خدا پر محض بہتان باندھتے ہو۔

والى ثمود اخاهم صالحا، قال يا قوم اعبدوا الله مالكم من اله غيره هو اشاكم من الارض واستعمر كم فيها فاستغفروه ثم توبوا اليه ان ربى قريب مجيب O

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کی سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو ب شک میرا پروردگار نزدیک بھیجے اور دعا کا قبول کرنے والا بھی۔

والی مدین اخاہم شعبیاً قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ولا تقصوا المکیال والمیزان انی ارکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیط O اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعبت کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم خدائی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی توحید الوہیت اور بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے اجتناب کی دعوت تو بہت ہی صریح اور واضح ہے۔

ولقد اتینا ابراہیم رشداً من قبل و کتابہ علمین O اذ قال لا یتبعکم قومہ
ماہذہ التماثل الی انتم لہا عکفون O قالوا وجدنا اباہنا لہا عبدین O قال
لقد کتبتہم انتم و اباہم کم فی ضلال مبین O

اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے، جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن کی پرستش پر تم مختلف و قائم ہو وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے، ابراہیم نے کہا کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔

واتل علیہم نبأ ابراہیم O اذ قال لا یتبعکم قومہ ما تعبدون O قالوا نعبد
اصناماً فطل لہا عاکفین O قال هل یسمعونکم اذ تدعون، او ینفعوکم او
یضرور، قالوا بل وجدنا اباہنا کذا لک یفعلون، قال افرا یتم ما کتبت
تعبدون O انتم و اباہم کم الا قد مون O فانہم عدولی الا رب العلمین O الذی
خلقنی فہو یتہدین O والذی ہو یطعمنی ویسقین O و اذا مرضت فہو یشفی O
والذی یمیتنی ثم یحیی O والذی اطعم ان یعفر لی خطیئتی یوم الدین .

اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھا کر سنا دو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو وہ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے

دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں، لیکن خدائے رب العالمین میرا دوست ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

واذکر فی الکتاب ابراہیم، انه کان صديقاً نبياً O اذ قال لا بیدہ یا ابت
لما تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئاً O

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں۔

وابراہیم اذ قال لقومہ اعبدوا اللہ واتقوہ ذلکم خیرا لکم ان کنتم تعلمون O انما تعبدون من دون اللہ اوثاناً وتخلقون افکاً، ان الذین تعبدون من دون اللہ لا یملکون لکم رزقاً، فابتغوا عند اللہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہ الیہ ترجعون O

اور ابراہیم کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اس سے ڈرو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تو تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور طوفان باندھتے ہو تو جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس خدا ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

وقال انما اتخذتم من دون اللہ اوثاناً مودة بینکم فی الحیوة الدنیا ثم یوم القیمة یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضاً وما وکم النار وما لکم من ناصرین O اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لئے مگر پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کی دوستی سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔

اور اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت میں بھی توحید کو امتیازی مقام حاصل ہے، چنانچہ قید میں ان کے مبلغ اور حکمت آمیز وعظ کے ذکر میں قرآن میں ہے۔

قال لا یأتیکما طعام تررقاہ الا سأتکمما بتا ویلہ قبل ان یأتیکما ذلکمما مما علمسی ربی۔ انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون باللہ وہم بالاحرقہم کافرون، واتبع ملۃ ابائی ابراہیم واسحاق و یعقوب ماکان لنا ان شرک باللہ من شئی ذالک من فضل اللہ علیا وعلى الناس، لکن اکثر الناس لا یشکرون، یصاحبی السحن ارباب متفرقون اخیرام اللہ الواحد القہار ما تعدون من دویہ لا اسماء سمیتموہا نتم و اباؤکم ما انزل اللہ بہا من سلطان، ان الحکم الا للہ امر ان لا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

یوسف نے کہا جو کھانا تم کو منے والا ہے وہ آئے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہے جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ خدا کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدائے یکتا وغالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی، سن رکھو کہ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور فرعون کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی یہی تھی، جس کا دعویٰ تھا کہ وہ (قدیم مصریوں کے عقیدہ میں) سب سے بڑے معبود سورج کا مظہر ہے، وہ کہتا تھا، ”انا ربکم الا علی“ (میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب) اور جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سنی تو کہا۔

یا ایہا الملا ما علمت لکم من الہ غیری۔
اے اہل دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا۔
اور ساتھ ہی دھمکی بھی دی۔

لئن اتحدت الہا عیری لا جعلنک من المسجوبین ○

اور اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کردوں گا۔

اور قرآن نے ”بت پرستی“ کو ”شرک اکبر“ ”گندن“ اور ”جھوٹی بات“ کا نام دیا ہے، اور

بہت زوروں سے اس کے معائب بیان کئے ہیں، چنانچہ سورہ ن میں ہے۔

ذلک ومن یعظم حرمان اللہ فہو خیر لہ عند ربہ واحلت لکم الا

نعام الا ما یتلی علیکم فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور ○

حنفاء، للہ غیر مشرکین وہ ومن یشرک باللہ فکا بما خر من السماء فتحطفہ

الطیر او تہوی بہ الريح فی مکان سحیق۔

اور ہم راہم ہے اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ

پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے، اور تمہارے لئے مولیٰ حلال کر دیئے گئے ہیں

سوا ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں، تو بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے

اجتناب کرو، صرف ایک خدا کے ہو اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا کر، اور جو شخص کسی کو خدا

کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہی جیسے آسمان سے رپڑے، پھر اس کو پرندے اچھ

لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔

ازل سے تا امروز:

یہی بت پرستی اور شریک (یعنی خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور ان کے سامنے

انتہائی ذلت اور مسکنت کا اظہار، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان سے دعا، اور مدد کی طلب اور

ان کے لئے نذر و نیاز) عالمگیر اور ابدی جاہلیت ہے، اور یہی نوع انسانی کی پرانی کمزوری اور

قدیم ترین مرض ہے، جو زندگی کے تمام مراحل، تغیرات اور انقلابات میں نوع انسانی کے پیچھے

لگا رہتا ہے، اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے، بندوں کی روحانی اخلاقی اور تمدنی

ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے، اور ان کو بند درجات سے گرجر عیش و عشرت میں ڈال دیتا ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ○ ثم رددناہ اسفل سافلیں (۲)

ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت کو بدن

پست سے پست کر دیا۔

اور یہی جہالت انہوں کو مسجود ملنک کے بلند و بال مقام سے گرا کر ضعیف مخلوقات اور ذلیل و بے حقیقت اشیاء کے سامنے سجدہ ریز کر دیتی ہے، اور انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے، ان کی صلاحیتوں کا خون کر دیتی ہے، قادر مطلق پر، اس کے یقین، اس کی خود اعتمادی، اور خود شناسی کا خاتمہ کر دیتی ہے، اور سمیع و بصیر، صاحب قدرت و قسم، صاحب جود و عطا، اور مغفرت و محبت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کی لامحدود صفات اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے مژور، عاجز، فقیر اور حقیر مخلوقات کے زیر سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتی ہے، جن کی جھولی میں کچھ نہیں۔

یولج اللیل فی النہار ویولج النہار فی اللیل وسخر الشمس والقمر کل یجرى لا جل مسمى ذلکم اللہ ربکم لہ الملک، والذین تدعون من دونه ما یملکون من قطمیر O ان تدعوہم لا یسمعون عاء کم ولو سمعوا ما استجابو لکم، ویوم القیمۃ یکفرون بشر ککم ولا یبنک مثل خیر O یا یہا الناس اتم الفقراء الی اللہ واللہ هو الغنی الحمید O (نظر ۱۵)

وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے یہی تمہارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو کسی چیز کے مالک نہیں اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور خدائے باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا لوگو تم سب خدا کے محتاج ہو اور خدا بے پروا سزاوار حمد و ثنا ہے۔

قرآنی اصطلاحات صحابہ کی نظر میں:

یہی شرک و بت پرستی (ما بعد الطبیعیاتی حدود کی اندر ہی) اپنی تمام واضح اور غیر واضح شکلوں کے ساتھ، ہر زمانہ، ہر ماحول اور ہر معاشرہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کے جہاد کا موضوع رہی ہے، اور اسی نے اہل جاہلیت کی آتش غضب کو بھڑکا دیا اور وہ چیخ پڑے۔

اجعل الالہۃ الہا واحدا، ان هذا الشیء عجاب O وانطلق الملامنہم ان امشوا واصبروا علی الہتکم ان هذا الشیء یراد O ما سمعنا بهذا فی الملة

الاححرة ان هذا الاخلاق۔

کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنادیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے، تو ان میں جو معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے اور بولے کہ چلو اور اپنے معبودوں کی پوجا پر قائم رہو بے شک یہ ایسی بات ہے جس سے تم پر شرف و فضیلت مقصود ہے یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔

اور جس صاحب عقل و فہم نے بھی عہد نبوی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو وہ صی پے سرام کے حالات سے باخبر ہو، اس کو اس امر میں ذرا بھی شبہ نہ ہوگا کہ ہماری پیش کی ہوئی آیتوں سے صحابہ کرامؓ یہی عریاں و ثنیت، مورتیوں اور بتوں کی کھلی پرستش، گزرے ہوئے یا موجود اشخاص کی تقدیس و تعظیم، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان کے لئے نذر و نیاز، ان کے ناموں کی قسمیں، ان کی عبادت سے اللہ کے قرب کا حصول، ان کی شفاعت پر یقین کامل، اور ان سے نفع و نقصان اور مصائب کے ازالہ کی درخواست وغیرہ ہی سمجھتے رہے ہیں، اور اسی طرح ”الہ“ ”رب“ ”عبادت“ اور ”دین“ سے بھی ان کلمات کا صرف دینی مفہوم ہی سمجھ ہے، اور ان کی اسالیب کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اقوال و آثار میں بے شمار مقامات پر یہی مفہوم مراد ہے، اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

دینی دعوت و تحریک کا بنیادی رکن کیا ہونا چاہئے:

اور یہی قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے۔

وجعلها كلمة باقية في عقبه لعلهم يرجعون۔

اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

اور یہی تمام مصلحین، مجاہدین اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کا شعار ہے، رہے جاہلیت کے دوسرے مظاہر، جیسے غیر اللہ کی اطاعت، ان کی قوت حاکمہ کو تسلیم کرنا غیر الہی قوانین کو قبول کرنا اور ایسی حکومت تسلیم کرنا، اور اس کے احکام و قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جو خلافت الہیہ کی بنیادوں پر قائم نہ ہوئی ہو، تو یہ سب اسی بت پرستی اور شرک کے تابع ہیں، اور ان کا درجہ اس کے بعد ہے، اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ سابق الذکر شرک جلی کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور دعوت و تبلیغ

کے بنیادی اصولوں میں اس کو ختمی حیثیت دی جائے، یا یہ فی الحقیقت وصومت و ورس و یب درجہ میں رکھا جائے و رد و توب پر ایک ہی حکم لگایا جائے، یہ یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ مذہب قدیم یا ہیبت کی خصوصیات میں سے ہے، جس کا زمانہ نزر چکا اور اب اس کا دور بھی ختم ہو چکا، یونکہ یہ انبیاء کرام کی دعوت، ان کی جدوجہد اور ان کی مقدس کوششوں کے حق میں بداندیشی ہوگی، اور قرآن (جو آخری اور ابدی کتاب ہدایت ہے) کی ہدایت میں شک و شبہ کے مترادف ہوگا، اور اس ایمان و اعتقاد میں بے یقینی کے ہم معنی ہوگا کہ انبیاء کرام کا طریق کار ہی بہترین طریق کار ہے، جس کو اللہ نے پسند فرمایا ہے، ورس کے لئے اس قدر تائید و توثیق، کامیابی و کامرانی، و بارآوری مقدر فرمائی ہے، جتنی کسی بھی دوسرے اصلاحی طریق کار کے لئے نہیں۔

نوجوان و اعمیوں اور انشا پر دازوں سے:

عزیز نوجوانو! تم اپنی دانش گاہ سے انشاء اللہ دینی اور مصحح، انشا پر داز اور معنف و رقابہ و رہنما بن کر نکلو گے، میں چاہتا ہوں کہ یہاں تم کو ایب نصیحت کرتا چلوں جو طویل مدتی کا حاصل اور تجربات کا نچوڑ ہے، ورنہ اس کی صحیح سمیت اور اس کی قدر و قیمت، طویل تجربات کے بغیر نہیں سمجھ سکو گے۔

خبردار! تمہاری تحریریں، اور اسلام، اس کے حقائق اور اس کے اصولوں کے پیش کرنے کا تمہارا انداز، ہر ذوق کی کو یہ تاثر نہ دینے پائے کہ مسلمان اس طول و طویل مدت میں مستقل جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے، اور دین کو حق طور پر نہ سمجھ سکے، جو کہ ہر زمانہ اور ہر ماحول کا دین ہے ورنہ صرف قرآن کی بنیادی اصطلاحات و تعبیریں کو سمجھنے سے بھی قصہ رہے، یونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طویل مدت میں یہ کتاب غنفت اور جہالت کی نذر رہی، اس کے حقائق کو سمجھا نہیں جاسکا، اور نزول کے تھوڑی ہی مدت کے بعد اس سے استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ تصویر قرآن کی آیت مبارکہ ”انا نحن نزلنا الذکر و انہ لہد فطون“ (ہمیں نے اتاری ہے یہ نصیحت جتنی قرآن اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے بالکل خلاف ہے، یونکہ فضل و احسان کے موقع پر حفاظت کے وعدہ میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل اور زندگی میں ان کا انطباق بھی شامل ہوتا ہے، اور ایسی کتاب کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے، جو طویل مدت تک معطل پڑی رہے، نہ سمجھی

جائے نہ اس پر عمل کیا جائے نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا۔

ان علينا حمعه وقرانه ○ فاذا قراناہ فاتع قرانه ○ ثم ان علیا بباہ

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم اس کو نہ کرو اور پھر ان طرح پڑھا کرو، پھر اس کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

غور و فکر کا یہ انداز، جسے اور حضرات کے بعض مفکرین اور دانش پر داز اختیار کر رہے ہیں، اس ابدی اور انقلاب آفریں صلاحیتوں اور کارناموں سے بھرپور امت پر ایک طویل امیعاؤ فکر کی قحط اور ذہنی و علمی قحط کا نزاع مد کرتا ہے، جو درخت اپنی زندگی کی بہترین مدت میں برگ و بار نہ لائے اور بے حاصل و بے ثمر پڑا رہے، اس کی افادیت اور فطری صلاحیت مستقل طور پر مشکوک ہو جاتی ہے، اور اس سے مستقبل میں بھی کسی بڑی بھدائی کی امید رنی مشکل ہے۔ (۱)

یہ نتیجہ اگرچہ بادی النظر میں کچھ زیادہ اہم اور سنگین نہ معلوم ہو، لیکن اس کے اثرات ذہن و دماغ اور طرز فکر پر بڑے گہرے اور دور رس ہیں، اس لئے کہ یہ اس امت کی صلاحیت ہی میں

(۱) نمونہ کے طور پر یہاں مولانا سید ابوالحسن علی موہانی بانی جماعت اسلامی کی مشہور مقبول کتاب 'قرآن و چار بنیادی اصطلاحات' کے چند قہمات پیش کیے جاتے ہیں، مسنف "انہ" "رب" "دین" "عبادت" کے قرآنی کلمات اور اسلامی اصطلاحات کا ذکر کرنے اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ نزول قرآن کے وقت اس کا ہر جی طلب جس کی زبان عربی تھی، ان چاروں بنیادی و قرآنی اصطلاحوں کے صحیح معنی و مفہوم سے آشنا تھا دیکھتے ہیں

'بین بعدی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان اصطلاحات کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ یہ اصطلاحات اپنی چوری و محسوس سے ہٹ کر نہایت محدود و محدود مفہومات سے خاص ہو گئیں' (قرآن و چار بنیادی اصطلاحات ص ۴)

"پھر اس کے وجود اسباب بیان کرنے کے بعد دیکھتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مدد کا سمجھنا و گول کے لئے مشکل ہو گیا" (ص ۵)

پھر اس خط فہمی کے نتائج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'اسی یہ حقیقت ہے کہ محض چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پورا ہرگز جاننے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ عظیم بنیادیں حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوئی ہے، اور ساری مقبول کرنے سے باوجود وہ اس کے مطابق مدد و مدد میں جو نتاج حاصل ہو رہے ہیں، ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔' (ص ۶) ان عبارتوں کا پڑھنے والا اس کا مطالعہ ہر اور وسیع نہیں ہے اور جو اس حقیقت سے واقف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ مہرانی و دامن سے یہی نیا آشنائی سے محفوظ رکھا ہے جو زمان و مکان کے حدود سے بے نیاز ہو ساری امت پر سایہ فکری ہو، یہ نتیجہ تکاں سکتا ہے کہ قرآن مجید کی حقیقت اس طویل مدت تک امت کی (یا زیادہ محتاط لفظ میں امت کے اکثر فرد کی) نگاہ سے جو بھل رہی اور مدت بحیثیت مجموعی ان بنیادی اصطلاحات کی حقیقت ہی سے بے خبر رہی، جن کے گرد اس کتاب کا پورا فہم گردش کرتا ہے، اور جن پر اس کی تعلیمات اور دعوت کی عمارت قائم ہے، وہ یہ زیادہ سے صدی کے وسط ہی میں ٹھہر گیا۔

شک و شبہ پیدا کر دیتا ہے، جو نہ صرف اس دین و پیغام کی حامل ہے بلکہ اس کو دنیا میں پھیلنے سے روک کر اس کی تشریح کرنے، اور اس کی حفاظت کی بھی ذمہ دار ہے، اور اس سے اس امت کی مذمت و تارخ، اس کے مجددین، مصنفین اور مجتہدین کے علمی و عملی کارنامے بھی مشکوک اور کم قیمت ہو جاتے ہیں، اور آئندہ کے لئے بھی یہ بات بڑی مشتبہ ہو جاتی ہے کہ جو کچھ کہا اور سمجھا گیا ہے وہ صحیح ہے، اور جو کچھ کہا اور سمجھا جائے گا وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، اس سے ”ظاہر و باطن“ اور ”مغز و پوست“ کے اس فلسفہ اور دینی حقائق کو ایک نہایت سیر الفہم معملہ اور چیتان قرار دینے کی سعی کو شہ قی ہے، جس سے باطنیوں کے مختلف فرقوں نے مختلف زمانوں میں فائدہ اٹھایا۔

یہ س علمی حقیقت اور عقیدہ کے بھی خلاف ہے کہ یہ دین اس نسل کو صرف کتابی شکل ہی میں نہیں ملا، بلکہ ایک نسل نے دوسری نسل تک اس کے الفاظ و مفہیم بدلے طریق عمل تبدیل کر دیے، یہاں تاثرات کا یہ سلسلہ غلط معنی و نواں میں جاری رہا، نیز امتدادی نے قرآن مجید و ”جانب کتاب“ اور ”عربی زمین“ کے الفاظ سے یہ دیا ہے، (۱) اور ایک جگہ اس کی آیات کے محکم اور منسل ہونے کا ذکر کیا ہے (۲) یہ صفات اور تعریفیں بھی اس خیال کے منافی ہیں کہ قرآن مجید کے متعدد بنیادی حقائق طویل عرصہ تک پردہ خفا میں رہے۔

اس طرز تحقیق و طرز کلام سے غمنی مور پر یہ نتیجہ بھی نکلا جاسکتا ہے، کہ امت پر ایک ایسا سولہ دور گذرا ہے، جب وہ قرآن مجید کے ایسی اہم بنیادی صداہات کے صحیح مفہوم اور مضمرات سے نا آشنا رہی ہے، جن پر اس کے صحت فکر، اور صحت عمل کا دار و مدار ہے، اور جس سے صحیح جہات و غفلت، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر مضامین سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، حالانکہ کتاب و سنت و احادیث کی ذخیرہ سے مجموعی اور اصولی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہم سابقہ کے برخلاف یہ امت کی دور میں بھی عمومی و عام تعبیر و فہم میں مبتلا نہیں ہوگی، جیسا کہ صدر محدثین و علما نے اس کی تشریح کی ہے کہ اگرچہ مشہور روایت ”لا تجتمع اہمتی علی ضلالۃ لک و سنت ثابت نہیں ہے، لیکن وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے صحیح ہے، مشہور اندلسی محدث و ناقد علامہ ابو محمد علی بن حزم (م ۴۵۶ھ) اپنی کتاب ”الاحکام فی اصول الاحکام“ میں لکھتے ہیں۔

(۱) طہ حنفہ سورہ یوسف آیت ۲۱، اشعرا ۱۹۲-۱۹۵۔

(۲) بیور ۱۔

”محمد شین کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ امت محمدیؐ کبھی بھی غیر حق پر متفق نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ آپؐ نے اس کی خبر دی ہے کہ ہر دور میں حق کے علمبردار رہیں گے، بیان کیا گیا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ”اجتمع امتی علی ضلالتہ“ اگرچہ اس کے الفاظ و سند درجہ صحت کو نہیں پہنچے، لیکن اس کا مفہوم اور نتیجہ ان احادیث کی بنا پر جن میں ہر دور میں حق پر قائم رہنے والوں کی خبر دی گئی ہے صحیح اور ثابت ہے۔“

حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ خدا کا نکرنا ہے کہ امت ایک سنت پر عمل کرنے کے ترک پر بھی کبھی مجتمع نہیں ہوئی سوائے اس سنت کے جس کا نسخہ ظاہر و ثابت ہے۔ (۲)

حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تفسیر میں سورہ نساء کی آیت ”ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين“ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اس امت کے لئے اس بات کی ضمانت کی گئی ہے کہ وہ کسی غلط چیز پر متفق ہو جانے سے محفوظ کر دی گئی ہے۔“ (۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اجماع کی بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں۔
 ”امت کا اجماع اپنی جگہ پر حق ہے، اس لئے کہ امت الحمد للہ کسی ضلالت پر مجتمع نہیں ہو سکتی جیسا کہ کتاب و سنت میں اس کی صفت میں بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہے کہ ”کتبم خیرامۃ“ نیز ”الذی یحدونہ مکتوبا عندہم فی التورۃ والا انجیل یا مرہم بالمعروف وبہا ہم عن المکر“ نیز ”والمؤمنون بعضهم اولیاء بعض یا مرون بالمعروف ویہون عن المکر“ تو اگر امت دین کے بارے میں کسی ضلالت کی معتقد نہ رہے تو گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انہیں کیا ہے، اسی طرح ارشاد ہے۔
 وکذلک جعلناکم امۃ ومطاعاً“ (۴)

(۱) یہ حدیث ابن حزم کی رائے ہے، اور یہ مشہور محدث و فاضل محدث حدیث کا ہے۔ یہ ہے کہ یہ ایک کی حدیث ہے جس کا متن مشہور ہے اور اس کی اسناد کثیر اور اس کے ثوائد متعدد ہیں۔ (امقاصد حسنة)

(۲) اعلام الموقعین، ج ۲ ص ۳۲۰۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ج ۲ مطبع دارالاندلس ص ۳۹۳۔

(۴) فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۹ ص ۱۷۶۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس انداز فکر میں اس اہمیت و مقبولیت کو بھی بڑا دخل ہے۔ جو ہمارے زمانے میں سیاسی اقدار، سیاسی اداروں اور تنظیموں نے حاصل کر لی ہے، اسلامی نظام کا اجراء حکومت البیہ کا قیام اپنی جگہ پر نہایت صحیح اور ضروری مقصد ہیں، جن میں دورائیں نہیں ہو سکتیں، مسلمان اہل فکر اور اہل قلم کا فرض ہے کہ اپنی تمام توانائیاں اور پوری صدحتیں اس عظیم مقصد کے حصول میں لگا دیں، لیکن اس مقصد کے لئے قرآن مجید کی آیات و اصطلاحات سے بہ تکلف اپنے مدعا کو ثابت کرنے اور سارے قرآن کو انی رنگ میں دیکھنے کی ضرورت نہیں، ان کی ترغیب و تاکید اور ان کی اہمیت و عظمت کے ثبوت کے لئے کتاب و سنت کے ذخیرہ میں واضح دلائل و انصوص موجود ہیں، (اور انہیں کی روشنی و رہنمائی میں ہر دور میں صحیح الفہم اور عالی ہمت مسلمان مصلحین اور داعیوں نے کوشش کی) ان کی موجودگی میں نہ تکلفات کی کوئی حاجت نہیں۔ (۱)

دعوت انبیاء میں عقیدہ آخرت کا اہتمام:

نبوت کے خدو خال نمایاں کرنے والی صفات اور اس کی علامتوں اور خصوصیات کی دوسری اہم چیز ہے، عقیدہ آخرت کا اہتمام، اس سے دلچسپی اور شیفتگی کا اظہار، اس کی تبلیغ و تشبیہ و اس کی اہمیت پر اتنا زور کہ انبیاء کریمؐ دعوت کا بنیادی نقطہ بن جائے جو لوگ نبی سے کرام کے اقوال و احوال کے مطالعہ میں زندگی گزارتے ہیں اور ان کے کلام کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، وہ صاف محسوس کرتے ہیں کہ جیسے آخرت ہمیشہ ان کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے، اور اس کی تصویر نعمت و مصیبت اور سعادت و شقاوت کی تمام تفصیلات کے ساتھ ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے، اور وہ ہمہ وقت جنت کے شدید شتیق اور جہنم سے شدید خوف کے عالم میں رہتے ہیں، اور یہ فطری بات ہے، یہ بات ان کے لئے بالکل مشاہدہ اور ایک واقعہ کی حیثیت رکھتی ہی، جو ان کے شعور و احساس، اعصاب اور قوت فکر پر غالب آ جاتا ہے،

(۱) حال میں راقم بطور گواہ مسلمان فاضل۔ مقدمہ۔ سننے کا موقع ملے، جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ ”صلوٰۃ“ آیا ہے اس سے مراد ”صلوٰۃ“ ہی ہے، جہاں ”صلوٰۃ“ کا مطلق لفظ آیا ہے اس سے مراد عطا قی حکومت ہے، اور جس ”صلوٰۃ“ و طہی“ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد مرکزی حکومت ہے، یہ اس طرز فکر کا ایک نمونہ ہے، جو یہ مقصد و مرکزی فکر کو سامنے رکھ کر سارے قرآن مجید کو اپنی ذخیہ کو اس کے مطابق جاننے اور اس سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش سے پیدا ہوتا ہے۔

ہمارے لئے کافی ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مطاعہ کریں جس کو قرآن نے نقل کیا ہے، جس وقت آپ نے آخرت کا ذکر کیا ہے، اور اس کی ہیبت و خوف کا تصور ذہن میں آیا ہے، قلبی جوش اور جذبات کا سیلاب رواں ہو گیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

والذی اطمع ان یعمر لی حطیتی یوم الدن ○ رب ھب لی حکما
والحقنی بالصلحین ○ واجعل لی لسان صدق فی الابرار ○ واجعلی من
ورقة جنة النعیم ○ واغفر لا بی اہل کان من الصلین ○ ولا تحربی یوم یعتون ○
یوم لا یففع مال ولا بنون الا من اتى الله بقب سلیم ○ وارلفت الحنة
للمتقین ○ وبرزت الجحیم للغاوین۔

اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔ آپ پر درگاہ مجھے ستم و
دانش عطا فرما، اور نیکو کاروں میں شامل کر اور پچھتے لوگوں میں میرا ذکر نیک جاری کر اور مجھے نعمتوں
بہشت کے وارثوں میں کر اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور جس دن
لوگ اٹھ کھڑے کئے جائیں گے مجھے رسوا نہ کیجئے جس دن نہال ہی چھ فائدہ دے سکے گا اور
نہ بیٹے ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا وہ بچ جائے گا اور بہشت پر ہیروزگاروں کے
قریب کر دی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے سامنے الٹی جائے گی۔

اسی طرح عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام بھی آخرت کو ان نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں،
حالانکہ وہ اس وقت عظمت و سیادت کی انتہائی بلندی پر متمکن تھے اس وقت کا سب سے زیادہ
ترقی یافتہ اور سرسبز و شاداب ملک مصر ان کے تابع فرمان تھا، اس میں نہیں کا سہ چلتا تھا،
بوڑھے باپ اور عزیز خاندان سے مدد اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو کھنڈک اور قلب کو مسرت
سے معمور کر دیا تھا، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا اقبال اور جاہ و جلال دیکھ کر ان کے
خاندان والوں میں بھی مسرت و شادمانی کی ہر دوڑ گئی تھی، یہ نعمتیں اور احسانات کسی عالی ہمت،
حوصلہ مند شخص کو خوش اور مطمئن کرنے کے لئے کافی تھی، لیکن اس وقت بھی یوسف علیہ السلام
کے دل و دماغ پر آخرت اور حسن انجام کی فکر چھائی ہوئی تھی، جس نے ان کی نظروں میں اس
رفعت و عظمت کو بالکل بے حقیقت بنا دیا تھا، ان کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی،
چنانچہ وہ شکر، دعا، رضا اور خوف کے طے جلے جذبات کے ساتھ کہتے ہیں۔

رب قد البتس من الملک وعلستی من تاویل الا حادبت فاطو
السموت و لارض انت ولی فی الدنیا والا حرۃ تو فی مسلما والحقی
بالصلحین

اس میرے پروردگار تو نے مجھے حکمت سے بھر دیا اور خواہوں کی تعبیر کا علم بخشا ہے
آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے دنیا
سے اپنی طاعت کی حالت میں انھی اور آخرت میں سب سے پہلے میں داخل کرے گا۔

نصیحت اور موعظت کا اصل محرک:

آخرت پر ایمان اور وہاں سے والی ابدی سعادت اور لذت ال شقاوت اور ان تمام
انبیاء (جنہیں اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لئے مہیا کر رکھا ہے) اور تمام مذہبوں (جو
نافرمان کافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں) کا ہر وقت نگاہوں کے سامنے ہونا، یہی انبیاء نے
کرام کی دعوت اور ان کی پسند و نصیحت کا اصل محرک ہے، لیکن ان کو یہ نشان کرتا رہتا ہے، ان کی
آنکھوں سے نیند اٹا دیتا ہے، ان کی پسوں و پاکیزہ زندگی کو کمزور کرتا ہے، اور ان کو کسی حالت
میں سکون اور کسی پہلو پر آرام نہیں دیتا، ان کی نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے شرف و حالات کی
اہتری اور ماحول میں خرابیوں کے پر، ان چرچنے کی صورت میں ان کے دل پر باغ پر سب سے
زیادہ اثر انداز اور ان کے لئے سب سے زیادہ خطرہ بنی قدرت ہے، اور وہ ان کو اپنی موت
و تبلیغ کی اصل سبب اور خوف و اضطراب کا اصل موجب قرار دیتے ہیں، چنانچہ حضرت نوح علیہ
السلام (علیہ السلام) پہلے رسول جن کا قرآن تنزیل ہوا ہے، سے تذکرہ کرتے ہیں کہ:

مٰرئند از لسا نور حالمی از منہ اسی لکم الدیو مبین ○ ان لا تعبدوا الا للہ
انہی اخاف علیکم عذاب یوم الیم۔

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے: "ان سے کہا کہ میں تم کو کھول کھول
کر رہنے اور یہ پیغام پہنچنے آئے ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت
عذاب الیم کا خوف ہے۔"

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق بھی جو پرانے انبیاء کرام میں سے ہیں اور

ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، جن کو زندگی کی ساری سہولتیں میسر تھیں، جن کی دنیا بہت وسیع تھی، اور وہ بہت ہی خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔

واتقوا اللہ الذی امدکم بما تعلمون امدکم ربکم ورسولہ **O** وجنت وعیون **O** انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم۔

اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو اور اس نے تمہیں چار پايوں اور بیٹیوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے مجھ کو تمہارے بارے میں بڑے سخت دن کی عذاب کا خوف ہی۔

اسی طرح حضرت شعیبؑ اس کے بارے میں بتا، یہ ایسی قوم میں مبعوث تھے جن کی زندگی طف و سعادت سے بھرپور تھی، اور ان کی سرزمین سرسبز و شادابی سے لہلہا رہی تھی۔

اسی اراکم بحیور و اسی اخاف علیکم عذاب یوم محیط
میں تو تم کو آسودہ جاں دیکھتا ہوں اور اگر تم ایمان نہ آگے تو مجھے تمہارے بارے میں
ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو پھیر کر رہے گا۔

عقیدہ آخرت کا اثر انبیاء کے متبعین پر:

یہ اندازِ تصرف انبیاءؑ کی تکمیل نہیں رہا، بلکہ ان کی قوتِ تاثیر اور فیضِ صحبت سے ان کے متبعین اور پیرواں پر ایمان آنے والوں پر بھی اس کا اثر پڑا، اور ان پر بھی اس زندگی کی ممانعت، حقیقتی اور ناپائیداری اور آخرت کی عظمت و ابدیت واضح ہوئی اور یہ کہ آخرت ہی وہ اہم اور عظیم حقیقت ہے جس کے لئے مجاہدین جہاد کرتے ہیں، کام کرنے والے بڑھتے ہیں، اور متاثر ہونے والے ایک دوسرے پر سہمت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ ”مومن آل فرعون کہتا ہے۔“

یا قوم اسما حدہ الحیوة الدنیا متاع وان الاخرة هی دار القرار **O** من عمل سیة فلا یجری الا مثلھا ومن عمل صالحا من ذکر او انسی فہو مومن فاولئک یدخلون الجنة یوزقون فیھا بعبیر حساب۔

بھائیو یہ دنیا کی زندگی چند روز فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے

کاٹھرب، جو برے کاموں سے گھبرائے ہوئے تھے، اور جو نیک کاموں سے گھبرائے ہوئے تھے، عورت، اور صاحبِ مال بھی وہ تو ایسے وقتِ ہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

ورفعون کے چاروں برس کے مہینے اسلام پر ایمان آئے۔ چند ہی عرصے کے بعد جب رفعون نے ان کو دردناک زلزلہ لگایا تو ان کی دھمکی دی اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ سزا یا تھی، ان کی سزا تجویز ہوئی تھی ان کے ہاتھ اور پیر کو مخلف سمتوں سے کاٹنا، (یعنی دایاں ہاتھ تو بایں پیر، اور بایں ہاتھ تو دایاں پیر) اور ان کو یسویں و اربعین تو انہوں نے بردستہ جواب دیا۔

قالوا لئو ترک علی ما حاءنا من البیت والدی فطربا فافصنا
است قاص اما تقصی هذه الحواف الدیبا O اما بر با لیغفر لنا خطایا وما
اکرھتھا عدہ من السحر واللہ حیرواقی O انہ من یات ربه محرما فان لہ حھم
لا بموت فھا ولا یحیی O ومن یاتہ مومنا قد عمل الصلحت فا ولتک لھم
الدرجات العلی جنت عدن تحری من تحتھا الا بہار حالیدین فھا ودلک
جراۃ من تزکی

انہوں نے کہا جو دہل ہمارے پاس آگئے ہیں ان پر ورجس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ کو بہتر ترین چیزیں دیں گے تو آپ جو حکم دین ہو دے، تب کے وراپ جو حکم دے سکتے ہیں وہ ہمارے دنیا کی زندگی میں دے سکتے ہیں ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے غم کو مٹا دے اور اسے دے دے، تب کے وراپ نے ہم سے زبردستی جادو کر لیا اور خدا بہتہ اور باقی رہنے والا ہی، جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جنے گا اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک سے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لئے اونچے اونچے درجے ہیں یعنی ہم اسے رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہے۔

اعمال کی غایت، آخرت میں سزا یا جزا:

انبیاء، کرام، پیغمبروں سے جمید جہد ناممکن ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی امت اور ماننے والوں کو سیاست و حکومت یا دنیاوی منفعت کا لالچ دلائیں اور ان منافع کو ان کے ایمان کی

قیمت اور اپنی دعوت قبول کرنے کا معاوضہ بتائیں، بلکہ اس کے خلاف حب جاہ، شخص یا قوی بلندی اور حوصلہ مندی کے تحت سر بندگی و رگوں پر غلبہ ستیان پر زور مخالف کرتے ہیں۔ قرآن ہانگ دہل اعلان کرتا ہے۔

تلك الدار الآخرة جعلها للدين لا يريدون علواً في الارض ولا فساداً والعاقبة للمتقين.

وہ جو آخرت کا گھر ہے، مرنے سے ان لوگوں کے لئے تیار رکھا ہے جو ملک میں اپنی سر بندگی اور فسوکا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک تو پر ہیز کاروں ہی کا ہے۔

انبیاء اپنے متبعین میں اللہ کی رحمت کی امید اور طلب پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، اعمال کا تعلق آخرت کی جزا و سزا سے جوڑتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ یہ ایمان، اطاعت اور استغفار، اللہ کی رحمت و جوش میں لاتے ہیں، روزی کھیتے ہیں، اور بارش لاتے ہیں، لوگوں کو قحط اور مسرت سے نجات دیتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام اللہ سے اپنی قوم کی شقاوت و بد بختی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فقلت استغفروا ربكم انه كان غفراً O يرسل السماء عليكم

مدراراً O و يمددكم باموال وسين و يجعل لكم حن و يجعل لكم انهاراً O

اور میں نے کہا اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے برابر پینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں بارش عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

اسی طرح ہود علیہ السلام اپنی قوم مورب سے خطاب مغفرت کی فہمائش کرتے ہیں، اور اس کی منفع بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و يا قوم استغفروا ربكم ثم توبوا اليه يرسل السماء عليكم مدراراً

و يزدكم قوة الى قوتكم ولا تتوازا مجرمين

اور اے قوم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو، تم پر آسمان سے ماسد، بھار پینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت بڑھائے گا، اور دیکھو نہ کہار بن کر ورنہ تیری نہ کرو۔

یہ ایمان اور استغفار کی فطرت اور اس کی طبعی خاصیت ہے، جو اس سے بھی ایک نیک

ہو سکتی، جیسے اور اشیاء کی فطرت نہیں بدل سکتی، دواؤں کی خاصیت ختم نہیں ہو سکتی، اور فطرت کے قوانین اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتے۔

انبیاء اور ان کی تبعیین کی یہ باتوں میں آخرت کا مقام:

آخرت کی اہمیت، انبیاء پر آخرت کی ترجیح اور دنیا اور اس کے مال و متاع کو بے قیمت سمجھنے کی دعوت محض زبانی دعوت نہ تھی، نہ صرف امتیوں کے لئے تھی بلکہ یہی ان کی زندگی کا بنیادی اصول اور ان کا طرز عمل تھا، وہ اس پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے تھے، اور اپنے خاص دوستوں میں، اپنے خاندان میں، اور اپنی پوری زندگی میں، اسی راہ پر گامزن رہتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام اپنی پوری سماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وَمَا أَرِيدُ أَنْ أَحَالَ لَكُمْ إِلَى مَا أَبْهَأَكُمْ عَنْهُ.

اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو رتے لگوں۔

وہ دنیا کی طرف سے بے قدر اور آخرت کی طرف ہمتن متوجہ رہتے تھے، انہوں نے بلند مراتب اور اہم مناصب سے بے توجہی برتی، اور اپنی دعوت کی راہ میں ان کو قربان کر دیا، اور "قیمتی مواقع" ضائع کر دیئے، ان میں اشارے تھے کہ جن کا مستقبل روشن اور درخشاں تھا، اور وہ اپنی ذہانت، ذکاوت، مہارت، خاندانی شرافت، و نجابت اور حاکم خاندان یا شاہی دربار سے تعلق کی بنا پر اپنے ماحول کے ممتاز اور "درخشندہ" لوگوں میں سے تھے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

يا صالح قد كنت فينا مرجوًا.

اے صالح تم تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے۔

اور انبیاء کے بل بیت اور اہل خاندان نے بھی یہی روش اختیار کی جیسا کہ سرور انبیاء ﷺ

سے کہا گیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأَسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا O وَإِن كُنْتُنَّ تُحِبُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

وَالْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ أَجْرًا عَظِيمًا

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی

خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر یعنی بہشت کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیا کوئی کرنے والی ہیں، ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور آپ کی صحبت کی تاثیر تھی کہ تمام ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ترجیح دی اور دوسروں کے ساتھ خوشحالی اور پیش و آram کی زندگی سے منہ منہ کر کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فقر و رقت کی زندگی کو پسند کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کے اہل بیت کے طرز معیشت سے کون ناواقف ہے۔ وہ سیرت و تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ جو تعجب خیز بھی ہے اور سحر انگیز بھی، وہ قلوب کو عظمت و ہیبت سے معمور کر دیتا ہے۔ منہاج نبوت پر چنے والوں اور دین حق کے داعیوں کے لئے روشنی کا مینار و قناریت ہے۔ اس زندگی کا ہمیشہ کا شعار تھا اللھم لا عیش الا عیش الاحمرہ (۱)۔ (اے اللہ زندگی تو اس آخرت کی زندگی ہے) اور جس کی مقبول دعا تھی اللھم اجعل رزق آل محمد قنوتاً (۲)۔ (اے اللہ آل محمد کے رزق کو صرف گزر بسر کے لائق رکھ)۔

نبوی اور اصلاحی دعوتوں کا فرق:

انبیاء کی آخرت پر ایمان کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ و تشہیر صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی، جس کے بغیر اسلامی معاشرہ کیا، کوئی بھی معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا، نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پر سکتی ہے، یہ طرز فکر اگرچہ قابل تعریف ہے، لیکن انبیاء کے طریق کار ان کی سیرت اور ان کے خلفاء کے طریق کار سے بالکل مختلف ہے، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے (انبیاء کے) طریقہ میں یہ ایمان، وجدان، قلبی جذبہ و احساس اور ایسا عقیدہ ہے کہ جو انسان کے احساسات، خیالات، افکار اور اعمال پر پوری طرح قابو حاصل کر لیتا ہے، اور دوسرے طریقہ میں صرف اعتراف، اقرار اور ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے، اول الذکر حضرات آخرت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو تڑپ، وارفتگی اور لذت کے ساتھ، اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں تو جوش و قوت کے ساتھ اور دوسرے لوگ اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو

خداقی یا معاشرتی ضرورت کی حد تک اور اصلاح یا اخلاقی تنظیم کے جذبہ سے، اور داخلی جذبہ وجدان اور شعور کے تقاضوں اور جہتی مصراع اور منطقی ضرورتوں کو تسلیم کرنے کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ایمان بالغیب کا مطالبہ:

حضرت! نبیاء و دعوتوں اور ان کی ستیوں کی خصوصیات اور نبوت کی ممتاز اور واضح خصوصیات میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ایمان بالغیب پر بہت زور دیتے ہیں، اور ہدایت اور دین سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیادی شرط ہدایت یافتہ لوگوں کا شعار اور باب صلاحت و تقویٰ کی ہم پہچان قرار دیتے ہیں اور بہت زور و ارجحیت کے ساتھ اس کا مطالبہ کرتے ہیں، چنانچہ قرآن کہتا ہے

الم ○ ذالک الکتاب لاریب فیہ ہدی للمتقین ○ الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقناہم ینفقون ○ والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاخرة ہم یوقنون ○ اولئک علی ہدی من ربہم اولئک ہم المفلحون

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کوئی شک نہیں کہ مکمل مخلصانہ، خدا سے ڈرنے والوں کی رہنمائی ہے، جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، اسی میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (الکتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئیں، سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔

اور جو وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور اسلام (جو تمام انبیاء کا دین ہے) پر ایمان لاتے ہیں ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اللہ کی بلند و برتر صفات، اس کی لامحدود قدرت اور اس کے عجیب و غریب افعال کی ان سے تصدیق کریں، جو بسا اوقات ناقص تجربات، محدود علم اور کمزور عقل کو چیلنج کرتے ہیں اور رسولوں کی مانی ہوئی و آسمانی ستیوں میں ذکر کی ہوئی تمام باتوں پر صدق مان لیں ایمان ان میں و ان خبروں پر جن کا نہ بھی انسان نے تجربہ کیا نہ جو اس ظاہر نے ان کی

تصدیق کی، نہ عقل نے ان کو قبول کیا، یقین کریں اور صرف رسولوں کی خبروں اور ان کی بیان کی ہوئی اور اللہ کی طرف منسوب کی ہوئی باتوں میں ان کی سچائی کے اعتماد پر اور اس اعتماد پر کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جس کو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ بہت بڑا خالق ہے، بے مثل اشیاء کا بنانے والا اور اپنے ارادوں میں آزاد و خود مختار ہے، اسے اپنے لئے ہوتے اسباب اور ذرائع کی بھی ضرورت نہیں اور نہ وہ خود اپنے متعین کئے ہوئے طریقوں کا پابند ہے، بلکہ وہ ہمیشہ سے ان کا خالق و مالک ہے، ان میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، ان کا حاکم ہے، ان کی ڈور اللہ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی ہے، نہ وہ اپنے وجود و ارادہ میں آزاد و مختار ہوتے ہیں، اس طرح اس کے احکام، مقدمات اور وسائل و ذرائع پر موقوف بھی نہیں ہیں۔

انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول له کن فیکون

اس کا حکم یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہے تو اس کو ”ہو“ کہے اور وہ اسی وقت

ہو جائے۔

قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتب میں اللہ تعالیٰ کے ایسے عجیب صنائع، معجزات اور خارق عادات افعال سے بھری ہوئی ہیں کہ ایمان یا لغیب، اللہ کی بے مثل قدرت اور مشیت قاہرہ پر یقین اور ان کتابوں کی صحت اور ان رسولوں کی سچائی (جن پر یہ کتب میں نازل کی گئیں، اور انہوں نے لوگوں کو ان سے باخبر کیا) پر کامل اعتماد ہی ان کا متحمل ہو سکتا ہے، اور ان کی تصدیق و تائید کر سکتا ہے، لیکن وہ ایمان جس کی بنیاد محسوسات، ماضی حوادث، ظاہری عقل کی مطابقت اور کتابی علوم پر استوار ہوتی ہے، وہ یا تو ان کو قبول کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے بالکل انکار کر دے گا یا ان پر یقین کرنے میں تذبذب کا شکار ہوگا، اور ٹھوکر کھائے گا، یا ان کی ایسی تاویل کرے گا، جس سے وہ اس کی معصومات و محسوسات کے مطابق ہو جائیں، اسی لئے اللہ نے فرمایا:

بل ادا رک علمہم فی الاحرۃ بل ہم فی شک مہا، بل ہم مہا عمون

بلکہ تھک کر گر گیا ان کا علم آخرت کے بارے میں بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں، بلکہ وہ اس

سے اندھے ہیں۔

قرآن نے دونوں فریقوں کا فرق واضح کر دیا ہے، ایک فریق وہ ہے جس کو اللہ نے ایمان کامل سے نوازا ہے، اور اسلام کے لئے ان کا سینہ کھول دیا ہے، دوسرا فریق وہ ہے جن کی

مقدس وردوں کا دروازہ اللہ کی جانب سے آئی ہوئی اکثر چیزوں کے لئے بند کر دیا گیا ہے، چنانچہ اس فرق کی بہترین تصویر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فمن یرد اللہ ان یرہدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یصلہ یجعل صدرہ صبقا حروحا کالما یصعد فی السماء کذلک یجعل اللہ الرحمن علی الذین لا یومنون

تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرے اور اس کا سینہ تنگ اور کھٹ ہوا کر دیتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

قرآن نے اللہ کی ایسی صفات اور ایسے افعال ذکر کئے ہیں، جن کا اقرار و ران کی تصدیق ایمان یا غیب کے بغیر ممکن ہی نہیں، اسی لئے وہ ایسے حوادث، واقعات، خدا کے انعامات اور سزاؤں، رسول کے حالات، ان کے ہاتھوں صادر ہونے والے معجزات اور ان کی تائید میں ظاہر ہونے والی نشانیوں کا تذکرہ کرتا ہے، جس پر یقین ایمان یا غیب کے علاوہ کسی کے بس کا ہے، نہ کوئی دوسری تعلیم یا طاقت ان کی منتحمل ہو سکتی ہے اور نہ انتہائی مضحکہ خیز تکلفات عربی زبان کے قوانین کی خلاف ورزی، زبان و اہل زبان پر ظلم باللہ تعالیٰ پر زیادتی اور انتہائی بے شرمی کے بغیر ان کی عقلی توجیہ ہی ممکن ہے، نہ طبعی قوانین سے مطابقت کی کوئی صورت۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے سمندر کا پھٹ جانا، پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، بنی اسرائیل کی جماعت پر پہاڑ کا سایہ کی طرح بلند ہونا اور ان ہی کی ایک جماعت کا موت کے بعد زندہ ہونا، انہی کے کچھ لوگوں کے چہروں کا مسخ ہو کر ذلیل بندروں کی طرح ہو جانا، ذبح کی ہوئی گائے کے ایک ٹکڑے کے مس کرنے سے اس مقتول کا زندہ ہونا، جس کا قتل معصوم نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ میں مناسب ٹھنڈک آ جانا، سیمان علیہ السلام کے سدھائے ہوئے پرند کی گفتگو، خود ان کا چیونٹیوں کی گفتگو کو سمجھنا، ہواؤں کے دوش پر صبح و شام میں ایک ماہ کی مسافت طے کرنا، پلک جھپکتے میں ملکہ سبا کے تخت کا منتقل ہونا، مچھلی والے نبی کا قصہ، ان کا مچھلی کے پیٹ سے زندہ سدا مت نکلتا، خلاف عادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، پتھر کے ریزوں سے اصحاب

قیل کی بلاست، رہو اللہ ﷻ کا مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، پھر وہاں سے آسمان کا سفر، اور اس طرح بے شمار واقعات جن سے قرآن اور دوسری آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں، ان سب و ایمان بالغیب ہی قبول کر سکتا ہے، ایسا ایمان جس نے ایسے اللہ پر یقین کر لیا ہو، جس کی قدرت تمام چیزوں پر محیط اور حاوی ہے۔

ایمان بالغیب اور ایمان بالظاہر:

کیونکہ جس ایمان کی بنیادیں صرف محسوسات اور تجربات پر استوار ہوئی ہوں، جو مشہور اور مانوس چیزوں کا ہی ساتھ دے سکتے ہو، جو تکنیکی طریقوں، طبعی اصولوں اور محسوسات کے دامن میں پناہ دیتا ہو، وہ ایمان محسوس اور مقید ایمان ہے، محدود اور شروط ایمان ہے، وہ اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتا، نہ ادیان کا ساتھ دے سکتے ہیں، نہ انبیاءِ کرام کی دعوت، ان کی مطلوبہ تصدیقِ مطلق، دائمی اعتماد، فوری اطاعت و اتباع اور جہاد و قربانی کی راہ میں فقیہیت سے کوئی منہ سبت رکھتا ہے، درحقیقت اس کا نام ایمان رکھنا ہی درست نہیں، وہ تو صرف علم و تحقیق ہے، منطقی قوانین کے سامنے سپر اندازی ہے، حواس و تجربات کی بے قید اطاعت ہے، اس میں کوئی فضیلت و امتیاز نہیں، اور نہ وہ دین کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ہر عقلمندانہ اپنی زندگی میں اپنے تجربات، اپنی معلومات کے نتائج، اپنی محسوسات اور اپنی عقل کے اشاروں پر اعتماد و یقین رکھتا ہے۔

اور اس ”طبعیاتی“ یا ”منطقی“ ایمان والے شخص کو آسمانی کتابوں اور الہی مذاہب کے سامنے قدم قدم پہ دقتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ دین کی روح اور اس کے حقائق کے بارے میں مستقل شکوک میں گرفتار رہتا ہے، جیسا کہ ایک عارف نے کہا ہے

پائے استدلالیں چوبیس بود

پائے چوبیس سخت بے تمکین بود

اور ”پائے چوبیس“ تیز چھنے، آزادی کے ساتھ قدم اٹھانے اور ادھر ادھر مڑنے میں انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا، یہی وجہ ہے کہ خاص استدلالی ذہن کا انسان رسول کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں کے بیان کئے ہوئے حقائق اور اس علمِ جدید، اپنی یقین کی ہوئی محسوسات، مادیات اور محدود معلومات پر مبنی اصولوں کے درمیان حائل وسیع خلیج کی وجہ سے یہ تو تحریفات اور

دور از کارتاویلات کا سہارا لیتا ہے، یا الحاد پر مجبور ہو جاتا ہے۔

بل کذبوا بما لم يحيطوا بعلمه ولما ياتهم تاوليه

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پہ یہ قیود نہیں پاسکے اس کو نادانی سے جھٹلادیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

لیکن ایمان بالغیب سے بہرہ ور اور اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کی آزاد و خود مختار مشیت پر یقین رکھنے والا، رسولوں کی لائی ہوئی، ان کی بیان کی ہوئی خبروں اور اللہ کے متعلق ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین اور ان کی تصدیق کرنے والا، شکش اور تذبذب کا شکار نہیں ہوتا بلکہ وہ آرام و سکون محسوس کرتا ہے، مذاہب کی روح اور ان کی خبروں سے ایک طرح کی انسیت اور تعلق محسوس کرتا ہے، اس نے ایک بار محنت کی اور غور و فکر کیا، پھر اس کو اطمینان و سکون حاصل ہو گیا، غور و فکر کیا، اللہ پر ایمان کے بارے میں، رسول کی مچائی کے بارے میں اور رسول کی بتائی ہوئی باتوں میں اس کی عصمت کے بارے میں۔

نہیں بولتا ہے اپنی خواہش سے، یہ تو وحی ہے بھیجی ہوئی۔

وما يطق عن الهوى ان هو الا وحي يوحى

پھر ایمان لے آیا اور مطمئن ہو گیا اور وہ نہایت آسانی اور سہولت کی ساتھ ان تمام چیزوں پر یقین کریتا ہے جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے بیان کی ہوں اور صحیح طریقہ سے نقل کی گئی ہوں، جیسے پہلے ہی وہ ان سے آشنا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں نفسیات کا فرق بیان کر دیا ہے، ایک اس شخص کی نفسیات جس نے اپنی عقل کو صحیح نقل شدہ در رسول سے ثابت شدہ امور کے سامنے سرنگوں کر دیا، دوسرے اس شخص کی نفسیات جو اس کوشش میں کاربہتا ہے کہ کتاب اللہ اور رسول ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کو اپنی عاجز عقل و محدود علم کے تابع بنائے اور ان پر اپنی دور از کارتاویلات کو مسلط کر دے، چنانچہ بہت ہے۔

هو الذي ارسل عليك الكتاب، مه آيات محكمات هن ام الكتاب و احمر

متشابهات فاما الذين في قلوبهم ريح فيتبعون ماتشابهه مه ابتغاء الفتنة و استعاء تاويله و ما يعلم تاويله الا الله و الراسخون في العلم يقولون امنا به كل من عند

ربنا وما يذكر الا اولالباب O ربنا لاترغ قلوبنا بعد اذهديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب

وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی، جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں، تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں، حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ عم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں، اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرو اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اسی طرح اس شخص کی نفسیاتی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے، جو اپنی مصالح خواہشات اور ظاہر میں اور سطحی عقل کے مناسب مشہور اور مانوس چیزوں ہی میں زندگی گزار سکتا ہے، انہیں کو قبول کرتا ہے، اور انہیں پر ایمان لاتا ہے۔

ومن الناس من يعبد الله على حرف فان اصابه خيرا طمان به وان اصابه

فتنة انقلب على وجهه حسر الدنيا والاخرة ذلك هو الحسران الميسر O اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں اللہ کی سارے پر پھر اُتر پہنچتی ہے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو جاتا ہے اس عبادت پر اور اُتر پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف تو وہ پھر جاتا ہے الہاء، نوادی اس نے دنیا اور آخرت، یہی صریح نقصان ہے۔

افسوس کے ہمارے اسلامی ادب اور ہمارے مذہبی تعلیم اور دعوت وین کے انداز نے یقین اور جوش کے ساتھ ایمان بالغیب کی طرف دعوت دینے میں بڑی کوتاہی کی ہے اور اس کو تقویت دینے کے لئے ادبی و فکری غذا مہیا کرنے اور اس پر زور دینے میں تساہل سے کام لیا ہے، اور بعض ہمارے معاصر انشاء پرداز (محسن اسلام کو پیش کرنے اور جدید ذہن سے ان کو قریب کرنے میں ان کے فضل و کمال کی اعتراف کے ساتھ) دین کو جدید عقلی انداز میں ڈھانسنے کی طرف متوجہ ہیں، اور دین کی ایسی تشریح کر رہے ہیں، جو جدید علم اور جدید عقل سے میل کھاتی ہو، لیکن اس نے ایک حد تک غیر ارادی طور سے ایمان بالغیب کی روح کو نقصان

پہنچا ہے، اور تعلیم یافتہ مسلم نوجوان اسی کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، وہ انہیں چیزوں کی طرف پھلتے ہیں، جو مانوس ہوں، مقررہ صوہوں کے مطابق ہوں اور طبعیاتی زندگی میں بار بار سامنے آرہی ہوں، لیکن جو واقعات ان اصوہوں سے الگ یا ان کے خلاف واقع ہوتے ہوں اور جن کی تصدیق میں گہرے اور ہمہ گیر یقین و ایمان کی اور منجھ کی سچائی پر اعتدائی ضرورت ہو، ان کو بہت تذبذب کے بعد اور بڑی مشکل سے قبول کرتے ہیں، نہ ان کی طرف پھلتے ہیں نہ انہیں خوش آمدید کہتے ہیں، اور ان کو ان حادثات کی تصدیق میں اپنی بار بار سنی ہوئی اور ایمان لائی ہوئی اس بات کی نفی نظر آتی ہے کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی یہ تعریف بالکل صحیح ہے، اور یہ صحیح ہے کہ معقولات و منقولات میں کوئی تضاد نہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں، لیکن عقل انسانی کے درجہ اور معیار مختلف ہوتے ہیں، ہمارے زمانہ کے بڑے شہروں و حکومتوں کے مراکز میں پائی جانی وہاں شیبہ، غریب مصنوعات اور تمدن کی سہولتیں ایک دہقانی سے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی ہیں، اسی طرح ایک عام انسان کی عقل حصر حاضر میں انسانوں کی ایجادات و اختراعات مثلاً ایٹمی طاقت کی تسخیر اور مصنوعی چاند وغیرہ کو نہیں قبول کر سکتی، پھر جتنی بھی بند پر واز اور عقل رسا کا تصور کیا جائے، بہر حال اس کے بھی حدود ہوں گے، اور اس کا دائرہ انہیں حدود تک محدود رہے گا، اور اسی کے مطابق اس کی ذمہ داریاں بھی ہوں گی، اور وہ انہیں ذمہ داریوں کی ادائیگی کا مکلف ہوگا، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا۔

اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت بلکہ فلسفہ تاریخ اور علوم عمرانیات کے امام

علامہ عبد الرحمن ابن خلدون کی بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، وہ کہتے ہیں

”تم فکر کی اس خام خیالی پر ہرگز اعتقاد نہ کرو کہ وہ کائنات اور اس کے اسباب و عوامل کا احاطہ کر سکتی ہے اور اس کے وجود کی ساری تفصیلات سے واقف ہو سکتی ہے، اس معاملہ میں فکر کی خود رائی کو حقیقت پر مبنی سمجھو اور یہ سمجھ لو کہ ہر صاحب ادراک انسان ابتداء میں یہی سمجھتا ہے کہ سارے موجودات اس علم و ادراک کے احاطہ میں آگئے ہیں، کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہی، یہی حقیقت اس کے خلاف ہے، تم بہرے دو دیکھتے ہو کہ اس کے نزدیک موجودات صرف چار محسوسات پر منحصر ہیں، مسموعات کی قسم سہ سے اس کے دائرہ سے خارج ہے، اسی طرح اندھا، اس کے شمار سے مریات کی قسم بالکل خارج ہو جاتی ہے اور غیر محسوس اشیاء میں اگر ان

کے آبا و اجداد اور ان کے زمانہ کے بزرگوں اور دوسرے تمام لوگوں کا تقلید کی عہدہ ہو تو ان سے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیں، لیکن وہ ان غیر محسوس اضافے کی اثبات میں ماموروں کی اثبات کرتے ہیں، اور ان کو اپنی قوت اور طبیعت اور رائے کی مدد سے قبول نہیں کرتے، اور اب زبان بولنے لگتے ہیں اور ان سے پوچھ جائے تو ہم ان کو معقولات کا منکر ہی پائیں گے، ورنہ کے نزدیک معقولات کا پورا خزانہ ساقط ال اعتبار ہوگا اور جب یہ بات واضح ہوئی تو بہت ممکن ہیں ایسے مدرکات بھی عالم میں موجود ہوں جو ہمارے ادراک سے باہر ہوں، کیونکہ ہمارے ادراکات مخلوق اور حادث ہیں اور اللہ کی مخلوقات انسان کی معلومات سے کہیں زیادہ ہیں، اور موجودات کا عصر ممکن ہی نہیں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اللہ بنی ان کا احاطہ کر سکتا ہے، ہذا موجودات کے احاطہ کے بارے میں اپنی ادراک اور اپنی مدرکات کی تردید کر رہے اور شارح علیہ السلام کے بتائے ہوئے عقیدہ اور عقل پر قہر رہو، کیونکہ وہ تمہاری بھائی کے حریص ہیں اور تمہارے لئے نفع بخش چیز ہیں کو وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور ان کے ادراکات تمہارے ادراکات سے بلند ہیں، اور ان کی عقل کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے وسیع ہے۔

اور یہ عقل اور اس کے ادراکات کے لئے کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ عقل یک صحیح ترازو کی طرح ہے اور اس کے احکام قطعی اور یقینی ہیں، ان میں غلطی یا جھوٹ کا شائبہ نہیں لیکن تم کو یہ امید نہیں کرنا چاہئے کہ اسی ترازو سے امور و حید و آخرت اور صفات اہیہ کی حقیقت بھی قول سنو، کیونکہ یہ امید محال ہے اور اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص سونے والے والا کانٹا دیکھے تو یہ امید وابستہ کرے کہ اسی سے پہاڑ بھی قول سکتا ہے، لیکن اس سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوئی کہ کانٹا اپنی قوت میں سچا نہیں، اسی طرح عقل کے بھی حدود ہیں، جہاں اس کو ٹھہرنا پڑتا ہے، ان سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتی کہ وہ اللہ کی ذات و صفات کو بھی اپنی ادراکات کے دائرہ میں داخل کر کے بند وہ اس کے پیدا کئے ہوئے بشمار ذرات میں سے ایک حقیر ذرہ ہے۔ (۱)

تکلفات سے پرہیز اور فطرت سلیمہ پر اعتماد:

حضراتِ ارامی! انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات اور امتیازات اور ان کی خاصہ امتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خود ساختہ انداز و اطوار اور تکلف و تصنع سے باہموم

اپنی پوری زندگی میں اور بالخصوص اپنی دعوت، گفتگو اور دُاَل میں بہت دور رہتے ہیں اور خاتم النبیین ﷺ کا قول:

مَا اسْتَدْرَكْتُمْ مِنْ احَدٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّمِينَ ○ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ○
میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ یہ قرآن و اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

تمام انبیاء کے سائنسین کی حالت کی تصویر کشی کر رہا ہے، وہ سب کے سب ہمیشہ فطرتِ سلیمہ و عقل عام کو فطرتی، سادہ اور پیچیدہ یوں سے پاک انداز سے متحضر کرتے ہیں، جس کا سمجھنا نہ تو نہ در ذہانت پر موقوف ہوتا ہے، نہ امتیازی علم پر، نہ مختلف علوم و فنون کے ہمہ گیر اور گہرے مطالعہ پر، نہ علمی اصطلاحات کی واقفیت پر نہ منطق و فلسفہ ریاضی، فلکیات اور سائنسی علوم کی معرفت پر بلکہ جس طرح خواص اس سے دلچسپی لیتے ہیں، اسی طرح عوام بھی اس کو سمجھتے ہیں، اور جس طرح علماء اس سے استفادہ کر رہے ہیں، اسی طرح کم علم بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہر ایک اپنے علم و فہم کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیمات جس طرح سادہ اور بے تکلف زندگی گزارنے والی قوموں کے حالات سے مطابقت رکھتی ہیں، اسی طرح بلند تہذیب و تمدن رکھنے والی قوموں کی حالت کے بھی موافق ہوتی ہیں، وہ نہ دقیق اور پیچیدہ سوانوں کو اٹھاتے ہیں، نہ انہیں ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا کلام میٹھے اور خوشگوار پانی کی طرح ہوتا ہے، ہر شخص اس کو استعمال کرتا ہے اور اس کا نہ ورت مند بھی رہتا ہے، حکیم الامتِ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنی بے نظیر کتاب ”حجتہ اللہ بالغہ“ میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے۔

”انبیاء کرام کی سیرت میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی عقل کے انی معیار کے مطابق جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں، اور انہیں علوم کے مطابق جو نہیں اصل حقیقت کے اعتبار سے حاصل ہیں گفتگو کرتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ انسان جہاں بھی ہوگا اصل حقیقت میں اس کے ادراک کی ایک حد ہوگی جو اور تمام حیوانات سے آگے ہوگی، سوائے اس کے کہ وہ بالکل ناقص ہو، اور کچھ علوم ایسے بھی ہیں جن تک خرق و عادت کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا، جیسے انبیاء و اولیاء کے نفوس قدسیہ یا سخت محنت و ریاضت کے ذریعہ اس تک رسائی ممکن ہے، جو اس

کے نفس کو اپنی دسترس سے باہر کے عوم حاصل کرنے کے لائق بنادے یا طویل مدت تک حکمت اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق و مہارت کے ذریعہ ان عوم کی تحصیل ممکن ہے۔

اور انبیاء کرام لوگوں کو اسی سادہ ادراک کے مطابق مخاطب کرتے ہیں، جو ان کو اصل خلقت کے اعتبار سے ودیعت کی گئی ہے، اور وہ نادر اور قلیل الوجوہ چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات کا مکلف نہیں بناتے کہ اپنے رب و تجلیات و مشہدات کے ذریعہ پہچان میں، یا اہل و قیامات کے ذریعہ، اور نہ اس کا مکلف کرتے ہیں کہ اس کو تمام جہات سے منزہ سمجھیں۔ یونہی نسبت میں مشغول رہنے والے کے لیے یہ ناممکن ہے، جو طویل مدت کے معقویوں کے ساتھ نہ رہا ہو، اور انہوں نے اسے استغبطہ استدلال کے طریقے اور استحسان کے ذریعہ، قیق اور ناقابل فہم مقدمات کے ذریعہ اشباہ و نظائر کا فرق اچھی طرح سمجھا نہ دیا ہو، اور وہ تمام چیزیں ذہن نشین نہ کر دی ہوں جن پر اصحاب الہدایہ، صحابہ اہل بیتؑ پر فخر کیا کرتے ہیں۔

اور ان لوگوں کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول نہیں ہوتے، جو تہذیب نفس یا سیاست سے متعلق نہ ہوں، جیسے فضا کے حادثات کے اسباب کا بیان مثلاً بارش، زمین، ہا۔ وغیرہ یا عجیب و غریب حیوانات اور نباتات یا چاند سورج کی رفتار، کسی طرح روزانہ کے حادثات، انبیاء، بادشاہوں و مشہوروں کے قصے وغیرہ کے علاوہ اللہ شاء اللہ، چند معمولی باتوں کے جن سے ان کے کان پہنچے ہی سے آشنا رہے ہوں، اور یہ چیزیں بھی اللہ کی نعمتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ تذکیہ کے ضمن میں برکتیں تذرہ اجمالی طریقہ سے بیان کی جاتی ہیں اور ان جیسی چیزوں میں استعارات اور مجازات کا استعمال بھی جائز ہوتا ہے۔

اور اسی اصول کی بناء پر جب لوگوں نے نبی ﷺ سے چاند کے کھٹنے بڑھنے کی وجہ دریافت کی تو اللہ نے اس سے عرض کیا اور مہینوں کے فوائد بیان فرمائے، چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

يسئلونك عن الاهلة قل هي مواقيت للباس والحج

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں چاند کے بارے میں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں اور حج کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔

تم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان ثنوں اور ان کے علاوہ اسباب و سبب سے اغت و تعمق کی وجہ سے ان کا ذوق فاسد ہو گیا ہے، ورنہ وہ رسولوں کے کلام کو اس کے موقع و محل سے خلاف استعمال کرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ (۱)

اور اسی کتاب میں دین کی آسانی اور سہولت کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ”اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شارع علیہ السلام نے لوگوں کو حکمت و کلام اور اسوں سے ذوق معنوم کرنے سے قبل، اصل حقیقت سے متباعد ہونے سے منع کرنے کے معیار عقل کے مطابق مخصص کیا ہے، چنانچہ اللہ نے اپنے سے جبرت بھی ثابت کیا اور فرمایا ”الرحمن علی العرش استوی“ اور نبی ﷺ نے ایک حبشیہ سے کہا، اللہ کہیں ہے؟ اور اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ مومنہ ہے، اسی طرح استقبال قبلہ اور نمازوں اور عیدین کے اوقات معنوم کرنے کے لئے ہیئت اور ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا ”القلیلة ماس المستروی والمعرب“ اور ”الحج یوم تجمعون والمطر یوم تظفرون“ واللہ اعلم بالصواب۔ (۲)

اور شہ صاحب سے پہلے بنی حنیہ السلام، م غزالی (متوفی ۵۰۵ھ علم کلام پر اسلوب قرآن کی فوقیت اور دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”قرآن کے اراکل غذا کی طرح ہیں، ان سے ہر انسان فی مدہ اٹھاتا ہے، اور متکلمین کے دمل و اکی طرح، ان سے چند لوگ فی مدہ اٹھاتے ہیں، اور اکثر لوگ نقصان، بعد قرآن کے اراکل پانی کی طرح ہیں، جس سے شیعہ خوار پے بھی فی مدہ اٹھاتے ہیں، اور قوی انسان بھی، اور دوسری تمام لیس غذا کی طرح ہیں، جن سے قوی کبھی فی مدہ اٹھاتے ہیں، کبھی بیمار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو یہ بھی فی مدہ نہیں پہنچتا۔“ (۳)

امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کہتے ہیں (جیسے کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اپنی کتابوں میں بار بار نقل کرتے ہیں) میں نے کافی طریقوں و فلسفیانہ صوفیوں میں بہت غور کیا، لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بد روشقادیتے ہیں، یا کسی پیاسے کی پیاس بجھاتے

(۱) باب ۱۶، ج ۱، مطبوعہ

(۲) باب ۱۶، ج ۱، مطبوعہ

(۳) باب ۱۶، ج ۱، مطبوعہ

ہیں، اور (انسانی ذہن سے) قریب ترین انداز میں قرآن کے انداز کو پایا، اور جو وہی جہن میں یہ کی طرح تجربہ کرے گا، اس کو یہی بات نظر آئے گی۔

نبوت کی طبعی خصوصیات، ان کی ملامتوں، انبیاء کے کرام کے اندر اور دعوت و تبلیغ میں یہ نجی زندگی اور لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی میں، ان کی سیرتوں سے، اس زمانہ کے لوگوں، عقیدوں اور طبائع کی دور کی اور ناواقفیت کی وجہ سے میں نے اس مضمون کو بہت پھیل کے بیان کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مصنوعی انداز کلام، طرز استدلال اور دعوت و تبلیغ کے جدید اصولوں نے بڑی زیادتی کی ہے، یہاں تک کہ وہ انبیاء کے طریقوں اور ان کی سیرتوں سے غافل ہو گئے، بلکہ ان کے استخفاف تک پہنچ گئے، اور قرآن ان کے لئے بہت مشکل اور پیچیدہ ہو گیا، اب حال یہ ہے کہ وہ اس کے حکیمانہ اسلوب سے طغیان دوز ہوتے ہیں استطاعت ہی نہیں رکھتے اور تاویلات و تکلفات کا سہارا لینے لگے ہیں، حالانکہ آج دعوت و تبلیغ میں انبیاء کی سیرت ہی مثالی سیرت ہے اور قرآن کا اسلوب ہی فطری، بلیغ اور حکیمانہ اسلوب ہے، جس پر ہر زمانہ کے عقیدیں مضمّن ہوتی ہیں، دلوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور ہر سروہ اور ہر طبقہ اس میں کافی وضاحت اور شافی علاج پاتا ہے۔ "تسویل من حکیم حمید" صاحب حکمت اور قابل تعریف کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مدح صحابہؓ کے جلسے اور کرنے کے کام

یہ تقریر المحرم ۱۴۱۰ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۹۰ء کو مولانا عبد شکور، واقعہ حادہ
شوکت علی۔ کابینہ مکتبہ میں لائی تھی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ
بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له
ومن يصله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له
ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وآله
وصحبه وذريته وازواجه واهل بيته وبارك وسلم تسليما كثيرا
كثيرا اما بعد!

حضرات! اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ، آغوش نبوت کے پروردہ، اور ابستان نبوت کے
تعلیم و تربیت یافتہ حضرات کے حالات و خصوصیات معلوم کرنے کے لئے حضرت امام اہل
سنت مولانا عبد الشکور صاحب فروقی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے، اور پھر ان کی دعوت سے، ان
کے ادارہ سے اور سلسلہ ہدایت و مواعظ کے ذریعہ سے آپ کے لئے جو مواقع فراہم فرمائے،
بہت کم شہروں میں بلکہ کہنا چاہئے بہت سے سکوں میں دور و راس کی مثال نہیں ملتی، آپ کو اس
کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ مواقع میسر فرمائے، آسان کئے، فراہم
کئے اور قابل استفادہ بنائے، میں بھی اپنی سعادت سمجھ کر، خون گاہ شہیدوں میں، شریک ہونا
جس کو کہتے ہیں، اس ذہن کے ساتھ دھڑک رہا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ شاید یہ میرے لئے بھی
معفرت اور قبولیت کا ذریعہ بنے، میں آپ سے بنیادی باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

حضرات! آج کیا رہواں دن ہے۔ آپ برصغیر کے راشدین اور سید عالم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں سن رہے ہیں، آپ کی معنویت میں اضافہ ہو رہا ہے اور ہندوستان کے بہت منتخب اور ممتاز علماء کرام، مقرر بن موعظ متشریف لائے اور آپ نے ان کے مواعظ سنے، آپ یہاں سے یہ نتیجہ لے کر جائیں گے، اس کا آپ پر کیا اثر ہوگا، آپ ان مواعظ کا شکریہ کس طرح سے ادا کریں گے؟ یہ درجہ! نعمت کا شکر اس نعمت کی جنس سے ہوتا ہے اور اس نعمت کے مطابق ہوتا ہے، اٹھانے کا شکریہ اٹھانے کے مطابق ہوتا ہے، مہمان نوازی اور خاطر داری کا شکریہ اس کے مطابق ہوتا ہے اور قصیدہ خوان کا شکریہ اس کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طریقہ سے جب تفریق چیزوں کا سامان مہیا کیا جائے تو ان کا شکریہ ان کے مطابق ہوتا ہے وہ ان کی جنس سے تعلق رکھتا ہے، آپ حضرات، خلفائے راشدین کے بارے میں، جس بارے میں کرامت کے بارے میں سن کر جاتے ہیں، جو اہرات اور موتی بلیھرے جاتے ہیں اور آپ کے حبیب و دامن میں آتے ہیں، ان کا شکریہ کیا ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شایان شان اللہ کے پیغمبروں کے احسانات کا شکریہ اللہ کے پیغمبروں کے شایان شان، مصلحین اور داعیان دین اور مشائخ کرام اور مرشدین اور دین کے محسنین کا شکریہ ان کے شایان شان ہوتا ہے، تو اسی طریقہ سے ہر دعوت کا، ہر تحریک، ہر محفل کا شکریہ اور اس کا اثر ان کے مطابق ہونا چاہئے، اور آپ کے اندر صد حیات پیدا ہونی چاہئے، اگر آپ علمی مذاہروں میں جاتے ہیں، جن کا آج کل بڑا رواج ہے، جگہ جگہ علمی سیمینار ہو رہے ہیں، کنونشن ہو رہے ہیں، تو اس موضوع کے مطابق آپ استفادہ کرتے ہیں، اسی موضوع کے تقاضے سے آپ وہاں سے نتیجہ لے کر جاتے ہیں، اثر لے کر جاتے ہیں اور اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح آپ سیاسی جلسوں میں شریک ہوتے ہیں تو سیاسی شعور سیاسی بیداری پیدا ہونی چاہئے، جس پارٹی کا جلسہ ہے اس پارٹی کے متعلق ذہن بننا چاہئے یا بدن چاہئے، تو اگر خلفائے راشدین کے مناقب و فضائل کی مجلس ہو، بار بار ہو آپ بار بار شریک ہوں تو اس کا شکریہ کس طرح ادا ہو سکتا ہے، اور اس کے شایان شان کیا ہے اور اس سے آپ کی زندگی میں کیا اثر پڑنا چاہئے، کیا تبدیلی اور اصلاح آنی چاہئے۔

میں ان چیزوں کی طرف اشارہ کروں گا جو ان مجالس کے مزاج کے مطابق ہیں اور ان کا

طبعی تقاضہ ہے، عقلی تقاضہ ہے، منطقی تقاضہ ہے، شرعی تقاضہ ہے، اخلاقی تقاضہ ہے، انسانی تقاضہ ہے، اور سب سے بڑھ کر دینی تقاضہ ہے۔

س سلسلہ کی ایک بات تو یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں حضرات خلفائے راشدین کی عقیدت پیدا ہو، ان کے بارے میں آپ کے اندر جو اعتماد ہو، آپ کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو جائے کہ وہ نسل انسانی کے (انبیائے کرام کے بعد) بہترین افراد اور ائمہ جبارک و تعالیٰ کے فضل و احسان، اس کی خدائی، رزاقی اور تربیتی کا بہترین نمونہ ہیں۔

پہلی بات یہ ہونی چاہئے کہ آپ اس محفل سے یہ اثر اور نتیجہ لے کر جائیں، اگر ہم کسی حکیم کی تعریف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ بہت سے عسریضوں نے شفا پائی، وہ حکیم ہی کیا ہے، طبیب ہی کیا ہے جس کے ہاتھ ایک بھی شفا نہ ہوئی ہو، یہ مشکل سے دو چار آدمیوں کو فائدہ پہنچے ہو، اگر ہم کسی معلم و مدرس کی تعریف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حلقہ درس سے بہت سے فضلاء تیار ہوئے اور وہ علم و فضل میں اقلیٰ زکی درجہ رکھتے تھے، ورنہ پھر مدرس کا فائدہ ہی کیا، اور اس مدرس کی کامیابی کا معیار کیا؟ اگر ہم کسی کارخانہ کی تعریف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بہترین مصنوعات پیدا کرتا ہے، ایک مرتبہ ہم نے یہیں کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اگر ہم سے کوئی کہے (بھنوکے بھنیوں کو نہ رہا تھا) کہ وہاں صاحب احمد حسین دلدار حسین کا کارخانہ بہت اچھا ہے، مگر شروع میں تمباکو کے پتھر ڈب وہاں سے بنے تھے پھر جو دیکھتے تو ہر ذرا بخراب تھا، تو یہ ایسی بات ہوئی کہ اس کارخانہ والے کو آپ کے خد ف ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کرنے کا حق ہوگا کہ آپ نے اس کارخانہ کو بدنام کیا، وہاں کی شہرت کو خراب کیا، میں مدرسہ کے ایک خادم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلامی کی ایک نامور اور مسموم درگاہ ندوۃ العلماء، کا خادم ہوں اگر ندوۃ العلماء کے متعلق کوئی یہ کہے ہاں صاحب شروع میں اس کے دارالعلوم نے اچھے فاضل پیدا کئے، عدمہ سید سلیمان، مولانا عبد السلام ندوی، مولانا عبدالباری ندوی، اس کے بعد پھر کوئی نہیں نکلا اور کسی میں کوئی استعداد پیدا نہیں ہوئی، تو سب سے پہلے میں اس کا دامن پکڑنے کو تیار ہوں، ندوۃ العلماء کے ذمہ دار ندوۃ العلماء کی کارکن اور اس سے نسبت رکھنے والے دامن پکڑنے کو تیار ہیں، آپ سے کہا جائے گا کہ پہلے آپ اس کا ثبوت دیجئے کہ آپ اس ادارہ کی

تاریخ سے کہاں تک واقف ہیں، اس کے فضلا سے آپ کہاں تک آشنا ہیں، ان کے کارناموں سے آپ کہاں تک واقف ہیں، اسی طریقہ سے میں نے مختلف مدرسوں، مختلف کارخانوں کا نام لیا، اصغر علی محمد علی ہندوستان میں عطر سازی کا شہرہ آفاق کارخانہ تھا، دور دور اس کی شہرت تھی، اگر کہا جاتا ہوں صاحب! شروع میں دو چار مہینے ان کے یہاں اچھی عطر کی شیشیاں تیار ہوتی تھیں، اس کے بعد یہ بھی معذور نہیں، یہاں کہ شیشی میں عطر ہے، پانی ہے، یا تیل ہے، تو کارخانہ کے مالکان کو حق ہے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سب سے بڑے پیغمبر سید المرسلین خاتم النبیین سید اومین والا آخرین حضور اکرم ﷺ کے بارے میں معاف اللہ یہ کہا جائے کہ براہ راست جن لوگوں نے آپ ﷺ کی زیارت کی، جو لوگ آپ ﷺ کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، جو آغوش نبوت میں پے تھے، جنہوں نے آپ ﷺ کے سایہ طفت میں زندگی گزاری اور جن پر آپ ﷺ کی تربیت کے معجزانہ اثرات پڑے تھے، جن کو دنیا میں نمونہ بننا تھا، ان میں دو ایک، یا تین چار آدمی بس دین پر قائم رہے، عہد میں قائم رہے، بقیہ سب دین سے نکل گئے تو اس سے بڑھ کر حضور ﷺ کے بارے میں کوئی توین آمیز بات اور اس سے بڑھ کر آپ کے مقام نبوت اور آپ کی شان رسالت کی بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان انعامات کی جو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے، ناقد ری نہیں ہو سکتی۔

ایک بات تو یہ ہے کہ یہ عقیدت اور اعتماد آپ اپنے اندر لے کر جائیں کہ صحیحہ کرامتیں انسانی میں دور یہ میں تاریخ کی ایک جانب ہم کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں اور کی چیز کا دعویٰ کروں یا نہ کروں یہ کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے کہ جس میں معذرت کی ضرورت ہو کہ میں تاریخ کی کتابوں کا بیڑا ہوں، تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں اور تاریخی موضوعات پر لکھنے والوں کی اس عہد میں اگر اس کی کوئی فہرست بنائی جائے تو اس فہرست کے آخر میں میرا نام آنا چاہئے، میں تاریخی سیرت، تاریخی مطالعہ کی روشنی میں بہ بانک و بل کہتا ہوں کہ خلق آدم سے لے کر تاقیم قیامت انبیائے کرام علیہم السلام کے سروہ و پھوڑ، رک، ت انسانی کے لحاظ سے، فیض انسانی کے لحاظ سے، مکارم اخلاق کے لحاظ سے، تقدس کے لحاظ سے، پایزگی کے لحاظ سے، ب غرضی کے لحاظ سے اور رحمت و برکت کے لحاظ سے صحیحہ کرامتیں اللہ غنیمت سے بڑھ کر پوری نوع انسانی

میں کوئی پیدا نہیں ہوا اور یہی ہونا چاہئے تھا۔ یہ بالکل منطقی اور طبعی بات ہے، اگر کسی کسی کو مانتے ہیں اور اس کے اندر کوئی اثر تسلیم کرتے ہیں، خواہ وہ کسی درجہ، کسی نوع کا ہو، زندگی کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ ہو، اس کو لے لیجئے، سیاست کو لے لیجئے، تعلیم کو لے لیجئے، قانون کو لے لیجئے، معجزہ کو لے لیجئے، تصنیف و تالیف کو لے لیجئے، شاعری کو لے لیجئے، ادبیات کو لے لیجئے، اگر آپ اس میں کسی کا کوئی امتیاز مانتے ہیں تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ وہ متعدی ہے، وہ زبان ہی یہاں جو سمجھی نہ جائے، وہ چراغ ہی کیا جس کی روشنی نہ پھیلے، وہ خوشبو یہاں جس کا سونگھنے والے کو لطف نہ آئے، وہ آفتاب کیجئے جس کی دھوپ نہ ہو، روشنی نہ ہو، وہ چاند کیا جس کی چاندی نہ ہو، وہ بارش کیا جس سے تراوٹ اور آبیاری نہ ہو، جس سے فصلیں پیدا نہ ہوں، جس سے باغات سرسبز و شاداب نہ ہوں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے امام شعی کا ایک بیع ارشاد نقل کیا ہے کہ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سب سے بہتر کون ہوئے؟ انہوں نے کہا کہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دامن تربیت میں پرورش پائی، جنہوں نے نبیؑ کو سنا، اور ان کو اس کی بات سنی، سب سے بہتر انسان تھے، جیسا یوں سے پوچھا گیا کہ امت عیسوی میں کون سے نبیؑ کی امت میں سب سے بہتر کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ سیموں سے پوچھا گیا کہ اس امت میں (امت محمدی ﷺ) سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے ان کا نام یہودیہ، یمن اور ہم ترین نبیؑ رسول تھے، خلفائے راشدین (حضرت علیؑ کو مستثنیٰ کر کے) عشرہ مبشرہ اور جمیل القدر صحابہ۔

یہ ایک تضاد ہے، ایک یہی ہے جو جو جھنڈے والی نہیں ہے کہ سب پیغمبروں کے سب سے بہتر وہ تو وہ تھے جو ان کے دامن تربیت میں پلے بڑھے اور جنہوں نے ایک بار زیارت کر لی کچھ سے کچھ ہو گئے، تحت اثر کی سے شریا تک پہنچ گئے، چہ جائیکہ وہ لوگ جنہوں نے برسوں پیغمبر کی صحبت پائی اور برہ راست ان کے فیض یافتہ تھے، تو یہودیوں کا جواب ٹھیک تھا، مسیحیوں کا جواب ٹھیک تھا، ان کے شایان شان تھا، پیغمبر پر ایمان رکھنے والی امت کو یہی کہنا چاہئے تھا، لیکن ہمارے ان بھائیوں اور ہم وطنوں کو جو اسلام کا دھوکا دیتے ہیں، ان کا یہ جواب عجیب و

غریب ہے۔ یہ ایک پہلی ہے، جو بھائی نہیں جاسکتی، آج بھی پوچھنے والے وہ جو اب مل سکتے ہیں خدا کی دین و ملت کے لئے، کسی کو پوچھنے کی ضرورت پیش نہ ہو، لیکن وہ تو زبان حال سے اپنے طرز عمل سے یہ کہتے ہیں، ان کی تصنیفات و کلمات کا اظہار میں ہیں کہ مت محمدی ﷺ میں سب سے زیادہ ناقابل اعتبار بہت سی کچے اور خام لوگ بھی تھے، جو اپنے نبی ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی دین سے نکل گئے، جو اثنی عشر آپ ﷺ کی صحبت میں رہے، آنکھیں نبوت میں تربیت پائی، جن کی ہر وقت نگرانی ہوتی تھی، جو آپ کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے، آپ ﷺ پر بندہ تبارک و تعالیٰ کا جو کام آتا تھا، وہ براہ راست آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنتے تھے اور پھر اس کی تشریح بھی سنتے تھے اور اس پر عمل ہوتا بھی دیکھتے تھے، اور جن کے اخلاق و اعمال و کردار و ہر چیز کی نگرانی ہوتی تھی، گناہ نبوت خواران چیزوں کا بار دہیتی تھی، وہی سب سے کام نکلے، خام نکلے، یہ ایک تضاد ہے، ایک شخص کا تضاد نہیں ہے، اپنی امتوں کو سامنے رکھتے اور اس کا ایک تضاد ہے، دوسرے انبیاء کے ماننے والے یہ نہیں، حضور ﷺ کے ماننے والے یہ کہیں۔

بگتے یورپ و امریکہ جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ کئی بار میں نے کہا کہ اسلامک سینٹر واشنگٹن ڈی سی میں یہ مہمان کے بانی پارک میں اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور بڑی حرارتی تقریر کی جا رہی ہو، ٹک مست ہو رہے ہوں اور ایک جا دوسرا معلوم ہو رہا ہو اور قریب ہو کہ وہ اسلام کے آئیں، اسلام کا اعلان کریں۔

ہمیں تو بے کراہی، اسلام میں داخل کیجئے۔ اچانک ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے، ٹھیک ہے آپ نے بہت اچھی بات کہی۔ مگر آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں۔ آپ کو ہم پر امید رکھنے کا حق کیا ہے۔ اگر آج ہم اسلام لے آئیں تو اسلام پر قائم بھی رہیں گے؟ جو وہ کہہ رہے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے سایہ میں تربیت پائی، ایک دن نہیں، دو دن نہیں، چند مہینے نہیں، چند سال نہیں، تیرہ سال مکہ معظمہ اور دس سالہ مدینہ منورہ کے گزارے، وہ آپ ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام سے نکل گئے، صرف دو چار سات آدمی رہ گئے، تو آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں؟ اور آپ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں؟ کہ آپ کا مقام پیغمبر خدات بلند ہے، ہم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائیں تو اسلام پر قائم رہیں گے اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں گے؟ ہم نے کہا اس کا

کوئی جواب نہیں، دنیا کے بڑے بڑے ذکی اور بڑے سے بڑے حاضر جواب کے پاس بھی اس کا جواب نہیں۔ یہ کیا تضاد ہے، ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ نبی کے ہاتھ پر براہ راست اسلام لانے والے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لقد رضى الله عن المومنين ادبيا يعوبك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم فانزل السكينة عليهم (فتح ۱۸)

(اب پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی، دوسری طرف انہوں نے نبی ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کو خیر باد کہہ دیا۔ این چہ یواختیست!

دوسری بات یہ کہنی ہے کہ آپ صبیحہ کرام رضی اللہ عنہم کی جہاں اور دوسری خصوصیات سنیں، اس خصوصیت کو بھی آپ ذہن نشین کریں، دماغ میں بٹھا میں، یہاں سے لے کر جائیں کہ وہ دین کے پورے متبع تھے، وہ دین کے سانچے میں ڈھل گئے تھے، ان کے عقائد، ان کی عبادات، ان کے معاملات، ان کے اخلاق، ان کے رسومات، ان کی تقریبات، ان کی فتوحات، ان کی حکومت و نظام سلطنت، سب چیزیں اور زندگی کے سب شعبے شریعت کے مطابق تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ خواجہ اطاف حسین حان کے درجات بند فرمائے، کیا بات کہی ہے انہوں نے۔

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرم گئے وہ!
جہاں کر دیا گرم گرم گئے وہ!

صبیحہ کرام رضی اللہ عنہم صرف عقائد و عبادت میں مسلمان نہیں تھے، معاملات اور اخلاق میں بھی مسلمان تھے، رسوم اور زندگی کے جو فطری تقاضے اور فطری ضرورتیں ہیں ان میں بھی۔ ہم

مسلمانوں کا حال کیا ہے، کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو عقائد میں دین کے پابند ہیں۔ الحمد للہ توحید کے بارے میں ان کا ذہن صاف ہے، سات کے بارے میں، معاد کے بارے میں اور جو بنیادی عقائد ہیں یسین عبادت میں چھے ہیں اور بہت سے وہ ہیں جو عقائد و عبادت میں قہقہہ ہیں، عقائد بھی صحیح، عبادت اے بھی پابند، یسین معاملات اور اخلاق کو نہ پانچے، معاملات و اخلاق میں سخت ناقابل اعتبار کی سے معاملہ بڑے کا تو خیانت سے نہ جلیس کے، معاذ پڑے تو "تطقیف" (تھقیف میں) سے کام میں لے، ناپ تول میں ہی کریں سے تجارت کریں گے اور اس میں مشرت ہوئی تو اس میں نا انصافی اور خیانت سے مرتکب ہوں گے۔

کا پڑوس ہوا تو اس سے اذیت پہنچیں، حدیث میں آتا ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (اور دلیت) سے مسلمان بنو“۔

100

وہ بے نیس خود سے کہتا ہے کہ

تو کہ جسے "پیشوا" کہتے ہیں اس کا راجہ ہمارا ہی ہے۔

Journal of Management Education 30(6)

نویسندہ کے لئے یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ یہ معاملہ صرف ایک عوامی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ اس لئے اس کا حل بھی مذہبی اصولوں کے مطابق ہونا چاہئے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ ۱۳ سال مکہ معظمہ میں رہے اور دس سال مدینہ منورہ کو منور فرمایا، لیکن اس کثرت سے مسلمان اسلام میں داخل نہیں ہوئے جتنے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان دو سال کے عرصہ میں۔

امام زہریؒ جو سید تابعین ہیں، سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ان سے مروی ہوں گی، وہ فرماتے ہیں کہ:

”صلح حدیبیہ سے بڑے رفتح مکہ تک جو دو سال کا عرصہ ہے اس میں جس کثرت سے مسلمان ہوئے ہیں اتنی تعداد میں میں نہیں ہوں اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔“
وجہ کیا تھی؟ وہ دیوار (جنگ اور خوف) کی جو صلح حدیبیہ سے پہلے حائل تھی، ہٹ گئی، صلح و امان ہونے کی وجہ سے آنے جانے کا راستہ صاف ہوا اور کوئی خطرہ نہیں رہ گیا، کیونکہ صلح ہو گئی تھی اور عہد ہو گیا تھا کہ کوئی مسلم غیر مسلم پر حملہ آور نہ ہوگا، اب وہ عزیز یا آئے، اور عزیز اپنے عزیز سے ملنے مدینہ طیبہ آئے لگے، ماموں بھانجوں سے ملنے آ رہے تھے، بھانجے ماموں سے، چچ بھتیجیوں سے، بھتیجے چچا سے ملنے آ رہے ہیں۔ بہنوئی اور آپس کے جو رشتہ دار ہیں وہ ایک دوسرے سے ملنے آ رہے ہیں۔ پہلے جو آپس کے رشتہ دار ملنے کو ترس گئے تھے، خون کا رشتہ تھا، قرابتیں تھیں، مگر مدینہ جانا خطرہ سے خالی نہ تھا، اب یہ ڈر نہیں وہ باطمینان مدینہ آئے، انہوں نے یہاں دیکھا کہ دنیا ہی بدلی ہوئی ہے، نہ یہاں جھوٹ ہے، نہ گالی گلوچ، نہ غصہ آتا ہے، نہ یہاں ناپ تول میں کمی، نہ یہاں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے، نہ دنیا طبعی ہے، نہ دنیا پرستی، اللہ کے علاوہ نہ یہاں کسی کا خوف ہے، نہ یہاں کسی کی لالچ ہے، دنیا بدلی ہوئی ہے، انہوں نے دیکھا کہ بچوں کو سدا کر ان کے سامنے کھانا رکھ دیا جاتا ہے، ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جس کی طرف قرآن شریف کا اشارہ ہے:

وَيُؤْتُونَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج بھی ہو۔

حضور ﷺ کے یہاں مہمان آئے، یہ کاشانہ نبوت تھا، دوسروں کو کھانا اور خود فاقہ سے

رہنا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کوئی ہے جو ان مہمانوں کو اپنے گھر لے جائے اور کھانا کھلائے۔

حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کیا اور گھر لے گئے، ان کی اہلیہ صاحبہ نے کہا

مہمانوں کو آئے ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ پر رحم کرے، یہاں تو کھانے و تباہی کے پکے کھانے، انصاری صلیبی (رضی اللہ عنہ) نے کہا، پہلے تو بچوں کو سلا دینا اور کھانا لے جا کر رکھ دینا، چراغ چل رہا ہوگا، اس کو کسی بہانہ سے ہاتھ لگانا کہ بجھ جائے پھر ہم اپنا کام کر میں گے، یہی ہوا کہ اس اندھیرے میں حضرت ابو طلحہ! ہاتھ بڑھاتے رہے اور خالی ہاتھ منہ تک لاتے رہے، مہمانوں نے کھالیا اور حضرت ابو طلحہ بھوکے رہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر وہ آیت نازل فرمائی جو میں نے پڑھی۔

حضرات!

قرآن مجید کی آیت ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (نقرہ ۲۰۸)

اے ایمان والو! اسلام میں صلح میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

ریزرویشن کے ساتھ نہیں کہ اتنا دھڑبھم آگے کرتے ہیں مسجد میں، اور اتنا پیچھے رہے گا، ہاتھ بڑھاتے ہیں، دایاں بائیں پیچھے رہے گا، یہ نہیں، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے، اللہ جل شانہ مطاہرہ مرتا ہے، اسلام مطاہرہ کرتا ہے کہ پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، میں صفائی سے ہوتا ہوں اور اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ صاف ہوں کہ ہم مسلمانوں کی معاشرت، ہم مسلمانوں کے شادی بیاہ کے طریقے، ہم مسلمانوں کے وراثت کے طریقے، ہم مسلمانوں کے معاملات شریعت سے دور ہیں، اور بہت دور ہیں، اس میں ہم بالکل آزاد ہیں، صحیحہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کی تھی؟

میں ایک واقعہ سناتا ہوں، آپ کے یہاں شادی کس دھوم دھڑاکے کے ساتھ ہوتی ہے، ہمیں بھی لوگ یاد کرتے ہیں، نیوتے جو آتے ہیں انہیں دیکھ لیجئے، اسی میں سینکڑوں اور ہزاروں ہزاروں ہزار روپے خرچ ہوتے ہوں گے، اور اب تو انگریزی میں آنے کے ہیں، بڑے شندار، لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہم نے کہاں سے دیکھا؟ ہم صحیحہ کرام رضی اللہ عنہم سے نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے سبے عجیب منہ عقیدے کرتے ہیں، ان کے مناقب و فضائل سناتے ہیں، ان کے لئے مرنے کے سبے تیار ہیں، لیکن ہم ان کی اقتداء نہیں کرتے، ہمارا معاشرہ، ہماری سماجی زندگی، ہمارے شادی بیاہ،

ہماری تقریبات، ہمارا عائلی قانون (Persanal Law) بالکل آزاد ہے۔

دیکھئے! حضرات عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ایک مرتبہ حضور ارم ﷺ کے پاس آتے ہیں، میں بتا دوں آپ کو، مدینہ طیبہ میں اس وقت مرد شہری ہوتی تھی، بنتی ہوتی تھی تو اس وقت مدینہ طیبہ میں دو ڈھائی ہزار مسلمان تھے اور شروع کا واقعہ ہے (ہجرت کے وقت کا) ۱۰-۱۲ سو مسلمان ہوں کے واقعہ ہے کہ جب ایک جگہ کے آدمی نہیں جاتے ہیں تو بالعموم ایک ساتھ رہتے ہیں، ہندوستان سے جو لوگ پاکستان گئے وہ زیادہ تر کراچی میں رہے وراکثر ایک محلہ میں رہے یا ۱۰ ہور میں رہے تو زیادہ تر ایک محلہ میں رہے۔ وہ مرتبہ کو پہچانتے ہیں، مقام کو پہچانتے ہیں کہ اس حیثیت کا آدمی ہے اور تھا، مہاجرین کے بارے میں یقین ہے، سب قریب قریب شہرے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف آپ ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں، حضور ﷺ کو خاص طور سے محسوس ہوا کہ آج خوشبو بہت زیادہ مکی ہوئی ہے۔ طہر گاہ کے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا عبدالرحمن خیریت ہے؟ یا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں نے شادی کی ہے۔ نکاح کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک لفظ نہیں فرمایا۔ میں حدیث کا طالب علم ہوں، حدیث کے دفتر میں ایک ایک چیز، حرکات و سکنات سب محفوظ ہیں، اس حدیث کے ذخیرہ میں کہیں یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک لفظ بھی شکوہ کا فرمایا ہو، عبدالرحمن یہ بے مروتی، اتنی جدی بھول گئے، شادی کے موقع پر ہمیں یاد بھی نہیں کیا؟

اور یہ بھی سمجھ دیجئے کہ یہ مہاجرین آپس میں بہت قریب تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی قبیلہ قریش کے فرو تھے اور معلوم نہیں کتنے رشتے رہے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ایک حرف بھی نہیں کہا۔ عبدالرحمن اتنی جدی بھول گئے، یہاں فاصلہ ہی کیا تھا، ہمیں خبر بھی نہیں کی۔ اور پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ موجود ہو، کسی شہ اور بستی میں کون سا سے ہزار مسلمان ہے، بنی تو نبی ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کے بعد آخری درجہ کی چیز، کوئی بزرگ ہو تو چاہیں گے کہ وہ ضرور نکاح پڑھائے، نکاح نہ پڑھائے تو نکاح کی مجلس میں شریک ہو، ان کے قدم بتی ہمارے یہاں آج میں، آپ ﷺ نے پوچھا بھی نہیں، فرماتے کہ میں یہاں موجود تھا، تم نے بلایا بھی نہیں، مجھے دعوت بھی نہیں دی، مجھے اطلاع نہیں دی۔

نعمین حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جو تربیت حاصل ہوئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ اپنے کاموں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کا وقت نہیں لینا چاہئے۔ تنی دیر میں معلوم نہیں کتنے لوگ مشرف بہ اسام ہوں گے، کتنے لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے اور آپ ﷺ کو بلا مرتکبوں اور کتوں کو محروم کروں۔

آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا اومہ ولو بشاة (وایکھو ویرضہ ورنہ چاہئے، یک بکری دے دیوں نہ ہو) یہ بھی نہیں فرمایا کہ ہمیں بلانا، یہ یا فرماتے۔ آپ ﷺ کے کہنے کی بات سن میں تھی، جو بات شکایت کرنے کی تھی وہ تو کی نہیں۔

آج لکھنؤ جو اتنا بڑا شہر ہے، اس کے اس حصہ پر بالکل آخری کنارہ پر کوئی شادی ہو، اس کنارے کے آدمی کو اور اب تو ہمارے پاس پاکستان سے نیوتے آتے ہیں اور یہاں کے وہاں جاتے ہیں اور دوسرے شہروں سے آتے ہیں، نہ بلایا جائے تو شکایت کرتے ہیں، یہی بے مروتی بالکل ہمیں بھول گئے، تم فہرست ہی میں نہیں تھے تمہاری۔

یہ تھی زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی، یہ زندگی ہم نے چھوڑ دی، میں یہ کہنا چاہتا ہوں آپ سے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت کا عقیدت کا اور ان کے تذکروں، ان کے نام لینے کا، ان کی طرف نسبت کرنے کا حق ہے کہ آپ ان کی پوری زندگی آپ سے نمونہ بنائیں، یہ نہیں کہ صرف ان کی حمایت میں جوش میں آج میں اور مدح سی بہ کمالوں کا میں، ان کے نام پر بڑے بڑے جلسہ کریں، عین عمل کا جہاں تعلق ہے، زندگی کا تعلق ہے، وہ بالکل اس سے بچدہ، شادی بالکل اپنے طرز پر اور اس سے بڑھ کر جہیز کی لعنت، یہ جہیز کے مطالعے اور اس پر بکنہ مورتوں کو بیسی ہوئی دہنوں کو مار ڈالنا، معاف کیجئے گا میں اخبار پڑھتا ہوں، مسلمانوں کے واقعات آتے ہیں تو لرز جاتا ہوں، اللہ اپنے عذاب اور غضب سے پیئے، محض پیسے کی محبت میں کہ تم اسکوٹر لے کر نہیں آئیں، تم موٹر لے کر نہیں آئیں، تم فداں چیز لے کر نہیں آئیں، بہت کم زیور لے کر آئیں۔

چند ہفتے پہلے ”قومی آواز“ میں لکھنؤ کا واقعہ چھپا تھا، آپ کے کسی قریبی محلہ کا اور دوسرے شہروں کا تو چھپتا ہی رہتا ہے، ہماری ہمسایہ قوم کو تو پوچھئے، نہیں کہ بس اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو اور ہم سب کو ہدایت دی، ان کے پیشواؤں کو یہ سمجھ دے کہ مسلمانوں کو نصیحت کرنے کے

بچائے اور راجہ جنم بھومی کے لئے جان دینے کے بجائے اپنے فرقہ کے آدمیوں کو بنا میں اپنے فرقہ کو دولت کی پرستش (پوجا) سے نکالیں، ہمارے یہاں بھی یہ وقعت پیش آتے ہیں وہ چیزیں جن کا اس سے پہلے تصور بھی نہ تھا وہ پیش آرہے ہیں یہ سب پیسے کی بدولت اور اس سے حد سے بڑھی ہوئی محبت کا نتیجہ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے "حب الدنيا راس كل خطيئة" (دنیا کی محبت ہر گنہہ ہر عیب کی جڑ ہے) آپ نے بالکل ان مسائل پر غلطی نہ کی۔

سرمعین کرام! یہاں کا تحقہ، یہاں کا حق اور یہاں کا تقاضہ ہے، آپ ساری راجہ راجہ منہم کی عقیدت کو اپنے دل میں جائز نہیں کریں، اور یہ سمجھیں کہ پوری آدمیہ اسلامیہ اور اس میں، نبیہ راجہ علیہم السلام کے بعد کوئی ان کے درجہ کا نہیں ہو سکتا، اور نہ ہو سکتا، دوسری بات یہ ہے کہ ان کی اقتدا کرنے کی کوشش کریں ساری چیزوں میں، عقائد و عبادت میں، اخلاق و معاشرت میں، معاملات و تعلقات میں زندگی بھی ویسے ہی سادہ ہو، ویسے ہی ہمسایوں کا حق پہچانیں، قرآن کریم، حدیث شریف اور اسلامی تعلیمات پر عمومی طریقہ پر عمل کریں۔ کسی صحابی کے یہاں کبھی کوئی چیز تیار ہوتی تو اسے قریب کے گھر میں بھیجا جاتا، وہ گھر اپنے قریبی گھر میں بھیجتا، آخر میں وہ تحفہ اسی کے گھر میں آ جاتا جہاں سے چلا تھا، اس سے بڑھ کر یہ کہ میدان جنگ میں بالکل جاں بلب پڑے ہوئے ہیں، بھائی اپنے سگستے ہوئے بھائی کے لئے پانی لاتا ہے کہ سری کا زمانہ ہے، گرم ملک ہے، جس کی فضا بھی گرم، ان کی خدمت میں پیالہ پیش کیا، کہتے ہیں میں نے ابھی ایک آواز سنی ہے اپنے بھائی کی ان کو دو، ان کے پاس سے جایا جاتا ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابھی آواز سنی ہے اپنے پاس کے ایک زخمی کی، ان کو دو، پھر ان کے پاس آتا ہے وہ اشارہ کرتے رہتے تو جب ان کے پاس آتا ہے تو وہ دم توڑ چکے پھر واپس جب دوسرے کے پاس آتا ہے تو وہ بھی دم توڑ چکے ہوتے ہیں اور پانی کسی کے حصہ میں نہیں آتا۔

یہ ساری چیزیں ہمارے لئے قابل تقلید ہیں، بسہ واجب تقلید ہیں، کم سے کم زندگی کو سادہ بنائیے، یہ شادی بیاہ کی رسمیں جو ہم نے اپنے غیر مسلم ہم وطنوں سے ہندوستان میں آ کر سیکھی ہیں وہ واپس کیجئے اور اسلامی معاشرت اختیار کیجئے، اسراف سے بچئے، دھوم دھام سے بچئے اور شان و شوکت اور تعریف سے کہ کیسے دھوم سے شادی ہوئی ہے، کیسے دھوم سے ولیمہ دیا ہے، کیسے جہیز ملا ہے، ان سب چیزوں سے اسی طریقہ سے آپ اپنی افادیت ثابت کیجئے، اپنا

امتیاز ثابت کیجئے، ملے جسے محلہ میں، مشتہار محلہ میں، ہمارے فیہ مسلم بھائی پہنچائیں، نگلی
ٹھ میں، یہ ہمارے مسلم بھائی ہیں، اے مس ایک محلہ میں ایک مسلمان ہو اور سب و اطمینان
ہو، اس محلہ میں آفت نہیں آئے گی، یہاں ہا نہیں آئے گی، یہاں کوئی چوری کی ہمت نہیں
کرے گا، وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں، وہ اپنے مال و دوست، اپنی چٹکی کے بارے
میں، وہ اپنی عزت کے بارے میں مطمئن ہوں کہ یہاں مسلمان رہتا ہے، یہ ہمیں ہندوستان
میں نمونہ دکھانا چاہئے، تب جا کر یہاں اسلام پھیلے گا، آپ کو وہ مقام ملے گا، آپ کو عزت و
نگاہ سے دیکھا جائے گا اور آپ کی وجہ سے دلوں میں اسلام کے بارے میں چھ خیال اور اچھا
تصور پیدا ہوگا۔

میں آپ کو یہ پیغام دے کر جا رہا ہوں اور یہ مانتا ہوں کہ آپ نے یہ کام کرنا شروع کیا ہے اور آپ نے
ذمہ دیا ایک ذمہ داری سپرد کر کے جا رہا ہوں کہ سچی بہرام رضی اللہ عنہم کے نام پینے کا تقاضا کر
ان کا حق ہے، کیا معلوم کہ ہمیں ہمارے بزرگ اور اسلاف کو رقیقت کے دن ہمارا دامن نہ
پکڑیں کہ تم نام بہرام را لیتے تھے اور کام وہ ساری طرح کے کرتے تھے، تمہاری شادیاں کس طرح
ہوتی تھیں، تمہارے گھر کی زندگی کیسی تھی، تم حقوق العباد کا کتنا خیال رکھتے تھے، تم کس قدر
مانت دار تھے، تم کس درجہ خوش معاملہ تھے، تم کس درجہ شیریں زبان تھے، تم کس درجہ بند اخلاق
تھے، یہ ن کو پوچھنے کا حق ہوگا، خدا کے اس کی نوبت نہ آئے، ہمیں اور آپ کو اور سب کو اپنی
اسلامی تاریخ کرنی چاہئے اور سچی بہرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے، وہ
بے تو بہت اونچی مقام لیکن جس درجہ ہو سکے ان کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہئے اور پوری زندگی اس
سراپے میں اٹھانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

معاہدات و عہدات، خدق و معاہدات، یرت، معاشرہ، عائلی قانون، گھروالوں کے ساتھ
تعلقات، پڑوسیوں کے حقوق، شہر میں رہنے کا طریقہ، شہری زندگی، شہری زندگی گزارنے کا
طریقہ، اور سب کے ساتھ تعلق یہ ساری چیزیں ہمیں اسلام کی تعلیمات اور سچی بہرام رضی اللہ
عنہم کے نمونے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ جل شانہ ہمیں آپ کو اس کی
توفیق دے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نسل نو کے ایمان و عقیدہ کی فکر کیجئے!

یہ تقریر جمعہ مظہر اسلام ہونے پر ۱۰ مئی ۱۹۹۳ء میں منعقدہ سالانہ جلسہ میں دی گئی تھی

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ام کتبہ
شہداء اذ حصر یعقوب الموب اذ قال لبنیہ ماتعبدون من بعدی قالوا
بعد الہک والہ ابائک ابراہیم واسمعیل اسحق الہا واحدا

میرے محترم بھائیو، جو تیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اگر آپ یہی یہاں
سے سے رجا میں بغیر کسی ناقدری اور کسی تحقیر کے درہمیت م کے بغیر کہہ رہا ہوں کہ اگر یہی
پیغام لے کر آپ یہاں سے جائیں، اس واسطے کہ آپ پر کلمہ میں تو عمر بھر کے لئے صرف آپ ہی
کے لئے نہیں بلکہ آپ کی آئندہ نسلوں کے لئے اور آئندہ آنے والے عہد کے لئے بھی اور
آپ کے ماحول کے لئے بھی اور ماحول کو جن چیزوں کی ضرورت ہے اور جو خطرات و پریشانی
ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کافی ہوگی۔

تسلل ایک قانون قدرت ہے:

یہ تسلسل ایک قانون قدرت ہے اور بڑی حد تک ضروری ہے، جو صانع اقدار ہیں،
مقاصد ہیں، عقائد ہیں، زندگی کا طرز ہے، مسلک زندگی ہے ان کا تسلسل جاری رہنا چاہئے اور
اس دنیا میں جو کچھ چیزیں ہونیں جن کی آپ تاریخ پڑھتے ہیں، مصنفوں کی تاریخ میں بھی،
قوموں کی تاریخ میں بھی، تہذیبوں کی تاریخ میں بھی اور جنگ آزادی کی تاریخ میں بھی، وہ
ساری جدوجہد تسلسل ہی کو قائم رکھنے کے لئے کی گئی ہے۔ کوئی قومی تسلسل چاہتا ہے، نسل تسلسل
چاہتا ہے کہ ہماری نسل حکمران رہے اور ہمارا خاندان حکمران رہے، کوئی اپنا خاندانی تسلسل چاہتا
ہے کہ خاندان چلتا رہے اور پشتوں کے بعد پشتیں پیدا ہوتی رہیں، کوئی اخلاقی تسلسل چاہتا ہے

کہ جو ریاضتیں اور زندگی کی معیاریں ہیں جن کو ہم نے پند کیا ہے وہ قدر باقی رہیں اور ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتی رہیں، یعنی اتنا ہی تسلسل چاہتا ہے کہ جس طرح خوشی، فرغت اور عزت کی زندگی مہر زر رہے ہیں وہ ہمارے بعد ہماری آئندہ نسلوں میں باقی رہے، اس طرح آپ ذرا عمیق نظر کریں گے تو انکسیریں گے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں جو جدوجہد ہوئی ہے اور اب ہو رہی ہے اس میں زیادہ تر تسلسل کو باقی رکھنے کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ جو چیز جس کو عزیز اور محبوب ہے اور جس کی قدر و قیمت سے جو واقف ہے وہ اس کے تسلسل کے ساتھ شش کرتا ہے بعض مرتبہ اس کے لئے وہ اپنی جان، اپنے خاندان یا اپنی نسل کی اور بعض اوقات اپنی پوری قوم کی زندگی خطرے میں آتا ہے۔

یہ سب سے زیادہ جو ضروری تسلسل ہے وہ ایمانی و اعتقادی تسلسل ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السلام کے واقعات سنائے ہیں، ان کی وصیتیں سنائی ہیں، اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت اور ان کی نصیحت اور ان کا اپنی نسل کا ذمہ دار بننا اور اس کے سپرد یہ فریضہ کرنا اور اس کو یہ تعلیم دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا انہی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے جو آپ کے سامنے قرآن کریم کے طور پر پیش کی ہیں۔

اعتقادی تسلسل کے لئے حضرت ابراہیم کی دعا:

عنات ابراہیم علیہ السلام کا جہاں تک تحقق ہے تو وہ فرماتے ہیں

واجعلنا مسلمین لك ومن ذريتنا امة مسلمة لك

اے ہمارے پروردگار ہم کو تیری امت میں شامل و ابراہیم کو مسلمان رکھ، اپنا فرماں بردار رکھ۔

مسلم کے معنی ہیں فرمانبردار، پہ ڈال دینے والے، اپنے اختیار سے دستبردار رہو جانے والے اپنے شخص سے، اپنے مقصد سے، اپنے فوائد سے اور اللہ کو سب کچھ حوالے کر دینے والے، اللہ کی مرضی و اپنی مرضی پر اور اللہ کی رضا کو اپنی خوشنودی پر اور اپنی عزت پر اور اپنی منفعت پر اور اپنی مذمت پر سب پر ترجیح دینے والے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں ربنا واجعلنا مسلمین لك اے اللہ! مجھ کو اور میرے بیٹے اسماعیل کو اپنا فرماں بردار رکھ اور ومن ذريتنا امة مسلمة لك۔

جو میں تسلسل بیان کر رہا تھا اس کی شہادت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسا کہ دنیا کی تمام چیزوں سے نفی ہے پروا وصف اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس میں اس کی توحید کے اعتراف میں اور اس کی تبلیغ میں غرق، وہ فرما رہے ہیں "و جعلنا مسلمین لک ومن درتنا مہ مسلمة لک" اور ہماری آئندہ نسل کو بھی اپنا فرماں بردار اور اپنے سامنے رکھنا دینے والا ہے "امۃ مسلمة لک" ایسے، ایک قوم جو تیری تابع اور تیری فرماں بردار ہو اور جو تیری فرماں برداری کے سامنے پھر کسی کی فرماں برداری کی پروا نہ کرے۔

ایمانی تسلسل کی خاطر یعقوب کی قدر:

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ ذرا تفصیل سے سنایا۔ مہرقہ حسن مفید و مدد دہ ہے۔ ہیں، بہت سے بھائی عربی بھی سمجھتے ہیں، مہر بھی ہیں، میں بغیر کی کشتی کے بہہ رہا ہوں، اچھے جو چیز نشت سے پرستی جانے، روزمرہ پڑھیں جائے، اکثر اس پر غور کرنے پر اس وقت تک کہ یہ معصوم ہوتا ہے کہ یہ تو ہمیں معصوم تہم تو یزیدتے ہیں، یہ نسبت منسوب دہا، مکامہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے جو واقعہ سنایا ہے، کہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ یہاں پڑھیں اور انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس وقت ہم نے دیکھا اور بات کے بھائیوں کے ساتھ قسمتیں دہا، نے یہ عزروں مرتبہ پڑھا ہوگا، مگر مآسیوں نے غم یہاں ہوکا کہ احادیث میں اس وقت پر پیش کرد اور یعقوب علیہ السلام کو خط دیا تھا اور اس سے ثابت ہوتا ہے، اس سے معصوم ہوتا ہے کہ یہ چیز قابل فخر ہے، یہ چیز تشویش کے قابل، رتیں و نسبت کے قابل ہے، دوش کے قابل ہے اور اسمینان حاصل کرنے کے قابل ہے۔

اللہ تعالیٰ مانتا ہے

اعود باللہ من الشیطان الرجیم ام کسم شہداء اد حصر یعقوب الموت اذ قال لسنیہ مات بعدون من بعدی

کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کا آخری وقت آیا یا آنے کے قریب تھا تو انہوں نے اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں کو (بنیہ میں سب آتے ہیں) اپنے خاندان کے چھپے لے افرائو اور نفی اسل کے سب لوگوں کو جمع کیا اور یہ کہا کہ "مات بعدون من بعدی" پچو میرے عزیز و اور پیارو! یہ بتا دو کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے، اب آپ خیال کیجئے کہ

یعقوب علیہ السلام، باپ ان کے پیغمبر حضرت اسحاق علیہ السلام، پپا ان کے پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام، دادا ان کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام جن سے یہ بات سر رہے ہیں اور جن سے یہ مکالمہ ہو رہا ہے ان کی رگوں میں ایک ٹی کانٹیں چار چار نبیوں کا خون ہے اور انہوں نے اس گھ میں سنایا اور دیکھا یہاں سوائے توحید کے اعلان کے کچھ سنائیں، اور سوائے خدا کے واحد کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور اس کے سامنے سر جھکاتے ہوئے اور اس سے مانگتے ہوئے اور اس کے سامنے رُکڑاتے ہوئے انہوں نے کچھ دیکھا بھی نہیں۔ یہاں اس گھ میں تو بالکل اللہ کی حکومت و فرمان برداری کا سایہ چھایا ہوا ہے، شامیانہ تنہا ہوا ہے اور تو اس کی خوشبو ہے، جگہ یہاں کے افرونی سانس میں بھی اس کی خوشبو اور اس کی برکت ہے اور یہاں نہ تو اس کے سوا کوئی تذکرہ ہے نہ کوئی مسئلہ ہے اور نہ کوئی فکری چیز سمجھی جاتی ہے۔

آپ ویہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس میں دو چیزیں ہیں ایک ”مشق است و نزار بد مدنی“ جب آدمی کسی چیز سے محبت ہوتی ہے تو اس میں اس کو فکر اس کی پیدا ہوتی ہے اور اس کے اندر بھی بھی تشویش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ عدمت ہے محبت کی، کسی کا مال کہیں رکھا ہوا ہے تو بار بار اس کے مال میں خیال آئے گا کسی نے دیکھا تو نہیں۔ میں نے جب رکھا تھا تو کوئی دیکھ تو نہیں رہا تھا۔ اب تو کسی کو پتہ نہیں چل جائے گا کہ میں نے کہاں رکھ دیا، کوئی بتاتا تو نہیں دے گا، اس بات میں آئیں اس مال کی قدر و قیمت ہے اور اس کی وہ حیثیت ہے کہ اس کی قدر کی جائے، اسی طرح بہت سے دوزخ و عزت و عصمت کی فکر ہوتی ہے، بہت سے دوزخ کو آپس کے تحقیقات کی فکر ہوتی ہے کہ اتحاد کے ساتھ رہیں۔

ایک باپ کا واقعہ ہے کہ آخری وقت میں انہوں نے اپنے رُکوں کو بلایا اور کہا، ایک سڑی اؤ، اس کو توڑ دیا، انہوں نے کہا دوسری اؤ اس کو بھی توڑ دیا اور اس کے بعد کئی سڑیاں جمع کیں اور ان سب کا مجموعہ بنایا اور کہا ان کو توڑ دو، نہیں ٹوٹا تو کہا بیٹو اگر تم مل کر رہو گے، اتحاد کے ساتھ رہو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکے گا، تمہارا کوئی بال بچا نہیں کر سکے گا، ایسے ہی اگر وصیتوں پر کوئی کتاب ہو اور آپ وصیتیں پڑھیں تو آپ کو معصوم ہوگا، کس کس چیز کی کس کس نسل نے کس کس زمانہ کس کس طبقہ میں کتنی فکر رہی ہے اور وہ اس کے لئے کیا کیا انتظام کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مرنے کے قریب جب بولنا بھی مشکل ہوتا ہے اس وقت بھی کوئی نہ کوئی وصیت

مرے جاتا ہے نہ دیھوتا مرنے وہاں پر اتنا پیسہ جمع کر رہا ہے، وہاں پر خزانہ ہے اور وہاں ایک دفینہ ہے اس کو مت بھولنا اور دیکھو مجھ پر خدا کا قرض تھا اس کو ادا کرنا اور ہم رافداں پر مطالبہ ہے، ہم رافداں پر قرض ہے تم اس کو وصول کر لینا۔

اسی کو آخر فرصت ہو وصیت ناموں پر کوئی کتاب لکھے تو اس کو سینئروں نہیں بہاروں قسم کی وصیتیں ملیں گی اور سب کے اندر جو چیز مشتبہ نظر آئے گی وہ ہے محبت اور فکر کی چیز کی اہمیت و سمجھنا، جس کے نزدیک جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے وہ اہم کی وصیت کرتا ہے اور اس کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے آپ سمجھ جائیں گے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوچھنے کی وجہ کیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ان کو سب سے زیادہ فکر ایمان کی تھی۔ ہماری ۱۱ اور ہماری نسل بھی اسی ایمان پر قائم رہے۔ تو حید خان ص کا عقیدہ، ایمان یا آخرت کا عقیدہ، اللہ تعالیٰ کے سیم و خیر ہونے کا عقیدہ اور اس کے جزا و سزا کے اختیار رکھنے کا عقیدہ اور نیک کاموں سے جو اجر و ثواب ملتا ہے، برکت حاصل ہوتی ہے اس پر یقین اور گناہوں سے جو وبال آتا ہے اور جو بے برکتی ہوتی ہے، پھر اس سے اللہ کی ناراضگی ہوتی ہے اور اس پر عقیدہ اور یہ کہ زندگی کے بعد ایک زندگی ہے، آخرت کے اس عقیدہ کو گویا کہ آنکھوں سے دیکھ لیا، تو آپ ان وصیتوں میں دیکھیں گے کہ جن پر جو چیز مسط تھی، جس پر جو چیز حاوی تھی، اس کے ذہن و دماغ پر، اور جس کی قدر و قیمت سے زیادہ واقفیت تھی اسی کی اس نے وصیت کی اور اسی کی فکر کی، تو یعقوب علیہ السلام پر جو سب سے زیادہ فکر غالب تھی کہ یہ ایمان جو ہم و حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کے بعد مسلسل ہمارے خاندان میں چلا آ رہا ہے۔ یہ جاری رہے، یہ ہے تسلسل، ایمانی تسلسل، حضرت یعقوب علیہ السلام ایک پیر فرزانہ تھے، جب ندیدہ بزرگ تھے اور بڑے صاحب نظر تھے، ان کے سامنے خاندانوں کا انجیم بھی تھا، نسوں کا انجیم بھی تھا، ان کی تاریخ بھی تھی، بڑے بڑے اولیاء اللہ کے خاندانوں کی تاریخ بھی تھی۔ انبیاء عظیم السلام کے خاندانوں کی تاریخ بھی تھی، اس وجہ سے یہ فکر تھی کہ میں اپنے سامنے اطمینان کر لوں اور جتن ان کے دل میں بٹھ سکوں اور دماغ میں اتار سکوں اور ان کے دل پر نقش کر سکوں جیسے گھٹی میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہے، پلاسکوں تو میں ان کو پالا جاؤں، انہوں نے کہا ماتعدون من بعدی یہ بتاؤ کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

عبادت میں صرف نہ جھکانا، جلد نہ رونا، نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ عبادت کے معنی ہیں حالتِ مطلقہ خدائی وحدہ اشرب۔ کے حکم پر چلنا اور اس کے اشارے کو بھٹا اور اس کے قانون کو ماننا اور اسکی شریعت میں پیروی کرنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سوال میں ہم لازم یہ سب چیزیں آجائیں گی، اسکی معمولی عربی خواں آدمی کے ذہن میں یہ سوال آنے یا نہ آنے، اسکی فہم عام کے ذہن میں ہونہ ہو، لیکن یعقوب علیہ السلام جو پیغمبرِ خدا کے تھے، پیغمبر کے بیٹے، پیغمبر کے بھتیجے اور پیغمبر کے پوتے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ اب یہ سلسلہ چلے گا، خوب دیکھنا ہے۔ اتنے سلسلے تھے جو نہیں جانتے، انہوں نے کہا کہ میرے بیٹا اسمینان و دادو اور یہ بتا دو کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ نقلی طور پر ورسو فیصدی سنی بات مانو گے۔ وہ اسکا جواب نہیں دیتے۔ صمد خد وندی ہے۔ اللہ کا حکم ہے، نہ جھکا دیا، نہ کچھ چھوڑنا پڑا تو چھوڑ دیا ہے، اب تلف چھوڑ دیا، کچھ اشارہ کرنا پڑا، قربانی، یعنی بڑی تو ہر چیز کے لئے تیار ہیں، تہجدوں میں سب کتب ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم ہر اس کے سامنے جھکاؤ گے، بتوں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے، ارغٹوں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے، دریاؤں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے۔ یہ دیکھنا کہ تہذیب چلی آرہی ہے (اور میتھ و جی تمام دنیا کی قوموں میں اور ہمارے ہندوستان میں تو اس کا بہت بڑا اثر تھا، اور یہاں تہذیب، کچھ معاف کیا جائے کہ گیارہویں صدی، سب علمین یہ سن سکتے ہیں کہ یہاں تو اصل دیو مائی مذہب تھا، یہاں تو نبوت کا یہ نہی نہیں چلتا ہے کہ سب یہاں وئی پیغمبر آئے تھے۔ آئے ہوں گے لیکن کوئی تعین کے ساتھ نہیں آئے۔ ساتھ نہیں بہتے) تو انہوں نے کہا کہ یہ صرف اللہ کے سامنے جھکانا، نہ کسی فرائض کے سامنے جھکانا، نہ کسی دولت و ثروت کے سامنے جھکانا، نہ کسی جبار کے سامنے جھکانا، نہ مرنے کے بعد جھکانا، نہ کسی مزر پر جھکانا۔ سب اس میں آجاتا ہے مائعہ دوں میں بعدی، تم میرے بعد عبادت کس کی کرو گے؟ کس کے سے سر جھکاؤ گے اور کس کے حکم پر چلو گے۔ آنکھ بند کر کے اور بالکل بے چوں چراں۔

انہوں نے کہا۔ بعد الہک والہ اناک ابراہیم واسمعیل واسحق الہا
واحد البیان، وہ اجان، تان جان بھی تھے کہ ہم آپ کے پروردگار اور آپ کے معبود
عبادت کریں۔ جو آپ کے آبا و اجداد کا بھی ہے، آپ کے والد، آپ کے چچا اور آپ

کے دادا حضرت ابراہیم کا بھی الہ ہے و نحن له مسلمون اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں، حالانکہ اُسے اولیٰ نہ ہو تو کہوں کہ وہ کہہ سکتے تھے کہ ایا جان، دادا جان، نانا جان! اس کے پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ آپ ہمارے بارے میں ہم سے خائف ہیں، ہمارے بارے میں شک و شبہ ہے، ہم نے یہاں دیکھا کیا ہے، سنا کیا ہے اور آپ نے ہمیں سکھایا اور پڑھایا کیا ہے، لیکن انہوں نے اس میں کوئی بحث نہیں کی، انہوں نے کہا کہ کس کی عبادت کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، آپ کے والد، آپ کے چچا، آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی عبادت کریں گے، اور ہم پورے فرمانبردار ہوں گے، اور اپنی تمام خواہشات سے، اپنے تمام اختیارات سے اور رسم و رواج سے، اور فوائد سے، مفادات سے اور ہر قسم کے خوف و اندیشہ سے ہم بالکل خاں اندہ بن ہوں گے، ہم کسی چیز کی فکر نہیں کریں گے، جس کو انگریزی میں Surrender کرنا کہتے ہیں، اپنے حوالہ کر دینا اور اپنے کو بالکل سپرد کر دینا۔

تو یہ سب میں اس لئے سنا رہا ہوں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے نبی، نبی زادے، نبی کے پوتے، نبی کے بھتیجے، وہ اپنے بیٹوں سے، پوتوں سے، نواسوں سے اس کے پوچھنے کی ضرورت سمجھتے ہیں، یہ کیا ہے جو میں نے کہا عشق است ہزار بدگمانی، جب عشق ہوتا ہے تو ہزار طرح کی بدگمانیاں ہوتی ہیں، جب کوئی چیز عزیز ہوتی ہے تو فکر ہوتی ہے کہ یہ قائم رہے اس پر کوئی آنچ نہ آئے، اس پر کوئی آنچ نہ آئے، اس پر کوئی غبار نہ پہنچے، اس کو کوئی خطرہ نہ پیش آئے، یہ تو سب محبت کی بات ہے اور اہمیت سمجھنے کی بات ہے۔

نئی نسل کے ایمان و عقیدے کی فکر کیجئے:

آج ہم مسلمانوں کو سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسل کے متعلق یہ اطمینان کر لیں کہ یہ صراطِ مستقیم پر رہے گی، اور جس دین کا نام اسلام ہے۔ ان الذین عند اللہ الاسلام، اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اس کے متعلق آپ اطمینان کر لیں اور پھر اس کے ذرائع بھی سوچیں، اور ان خطرات کو بھی دور کریں، اور یہ چونکہ مدرسہ میں تقریب ہو رہی ہے اس لئے خاص طور پر اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مدارس و مکاتب کا قیام درحقیقت اس دینی، ایمانی، اعتقادی، اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی تسلسل کے قائم رکھنے

کے لئے ہے اگر مدارس کے سامنے یہ مقصد نہیں ہے تو انہوں نے اپنی افادیت و اہمیت سمجھی ہی نہیں۔ اپنا کام ہی نہیں سمجھا۔ یہ مدارس اس لئے ہیں کہ جو اس میں پڑھیں وہ اعتقادی طور پر توحید خالص پر ہوں، کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں، میں بالکل صاف کہتا ہوں کہ نہ کسی مزار کے سامنے سر جھکانا اور نہ چادر چڑھانا، نہ کسی کو عام اغییب سمجھنا نہ کسی کو متصرف فی الکائنات سمجھنا، فلاں بیٹے دیتے ہیں، اگر بیٹے کی ضرورت ہے تو فلاں سے مانگئے، روزی فلاں سے مانگئے، اگر بیمار کو شفاء چاہتے ہیں تو فلاں مزار اور فلاں بزرگ سے مانگئے۔ قطعاً نہیں ان المدین عند اللہ الاسلام، الالہ الخلق والامر، یاد رکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے صم چلانا، وہ پیدا کر کے فرغ نہیں ہو جاتا، شاہ جہاں تاج محل بن کر چلے گئے، اب تاج محل ہمارے آپ کے رحم و کرم پر ہے، ہندوستان کے باشندوں پر کوئی توڑے نہیں، کوئی سیپا ہی نہیں لگائے، دنیا تاج محل نہیں ہے الالہ الخلق والامر یاد رکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا، اور حکم دینا، ایڈمنسٹریشن خاصاً اسی کے ہاتھ میں ہے، یہ توحید کا عقیدہ ہو، پھر فرائض کی پابندی ہو، شریعت کا احترام ہی نہیں شریعت کا علم ہو، اور شریعت کو دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ ہو، اور شریعت پر چلانے کا جوش ہو اور ولولہ ہو اور جو اس کے مسائل ہیں اس سے واقف ہوں، اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مسئلہ بتا سکیں اور خود بھی عمل کر سکیں، اس کے لئے مدارس قائم کئے جاتے ہیں۔

یہی وہ بات ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گویا کہ بالکل سامنے کوئی چیز ہو جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دولت خانہ ہے اور ان کے بیٹے اور پوتے اور نواسے سب موجود ہیں، مجلس ہے اور بادشاہ اللہ وہ کثیر الاولاد تھے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی، معلوم نہیں کتنی تعداد میں ہوں سب مل ماکر، اور آپ ان کا امتحان لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں ان سے کہ بتا دو مجھے اس کا اطمینان درادو اور یہ کہا جاسکتا ہے یہاں کے محاورے میں کہ ہماری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی، زمین سے نہیں لگے گی جب تک میں یہ اطمینان کروں کہ میرے بعد میرے بیٹے، میرے پوتے، میرے نواسے کس کی عبادت کر رہے ہیں اور کس کی عبادت کرنے کا فیصلہ ہے ان کا، اور عزم ہے اور استقلال و استحکام ہے، تو بات ساری محبت کی ہے اور اہمیت سمجھنے کی

ہے، آپ اپنی اولاد کے بارے میں (اللہ تعالیٰ ان کو زندگی عطا فرمائے عمر میں برکت عطا فرمائے) اپنے بیٹوں کے بارے میں یہاں تک کہ بیٹوں کے بارے میں، لڑکیوں کے بارے میں بھی، پوتوں کے بارے میں اور نواسیوں کے بارے میں بھی، یہاں تک کہ جہاں آدمی کی بات احترام سے سنی جاتی ہے اور مانی جاتی ہے۔ پورا خاندان سب کی آئندہ نسل کے بارے میں آپ کو فکر مند ہونا چاہئے اور آپ کو اطمینان کر دینا چاہئے اور اس کے جو اسباب و ذرائع ہیں ان کو اختیار کرنا چاہئے۔ اگر مکاتب قائم کرنے کی ضرورت ہے تو جابجا قائم ہوں اور اس کے بعد اپنے لڑکوں کے بارے میں آپ بڑی سے بڑی دنیاوی منفعت کو اور شہنشاہ مستقبل کو اور بڑی بڑی ملازمتوں کو اور ترقیوں کو اور بڑی شہرت و تعریف، سب کو نظر انداز کر کے، پس پشت ڈال کر پہلے ان کے ایمان کی فکر کریں کہ اول تو ایمان ان کے دل میں پیدا ہوا اور پھر ایمان کے جو تقاضے ہیں اور ایمان کے جو لوازمات ہیں اور مطالبات ہیں وہ بھی چرے کریں، یہ نماز کے پابند ہوں، یہ محرمات سے دور ہوں، نظر کی حفاظت کرنے والے ہوں، اعضاء کی حفاظت کرنے والے ہوں، جھوٹ نہ بولیں، بدمعہ منگی نہ کریں اور رشوت نہ لیں اور بداخلاقی نہ کریں، ظلم نہ کریں اور نفس پرستی نہ کریں۔

اس فکر کو عام کیجئے:

ان ساری چیزوں میں ہمارا فریضہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کے بارے میں پورا اطمینان حاصل کریں اور جب تک یہ بات عام مسلمانوں میں نہیں پیدا ہوگی، محض دعوتی مرکز اور محض کتب خانے اور محض دارالتصنیف اور محض بڑے بڑے مدارس اور دارالعلوم کافی نہیں، یہ محلہ محلہ نہیں گھر گھر یہ بات ہونی چاہئے کہ آپ کو فکر ہو کہ ہماری اولاد، ہمارے بیٹے، پوتے، نواسے کس دین پر ہیں گے اور ان میں صحیح عقیدہ قائم رہے گا یا نہیں اور پھر فرائض کی پابندی ہوگی کہ نہیں؟ خدا کا خوف ہوگا کہ نہیں اور مرنے کے بعد زندگی پر یقین ہوگا کہ نہیں؟ اور اس کے لئے تیاری ہوگی کہ نہیں؟ وہ بڑی سے بڑی دوست اور عزت کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

بس آپ سب اس کو اپنے دل میں بٹھائیے، آپ کو ان کی کھانے پینے سے زیادہ، ان کی صحت سے زیادہ، ان کی دنیوی تعلیم سے زیادہ، ان کی عزت سے زیادہ اور ان کے عہدے سے زیادہ، ان کے ایمان کی فکر ہوگی، ان کے فرائض کی پابندی ہوگی اور اپنی ذات سے

عامل ہوں گے اور دوسروں کے لئے داعی و مبلغ ہوں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین
وہ قوم ہی قائد ہے اور فاتح ہے جہاں میں
جس قوم کے اخلاق کی چستی رہے تو
اس قوم کو دنیا میں نہیں بیٹھ بھی حقیقت
جس قوم کے سردار کا گھٹ جاتا ہے معیار

(حارث بن ثابت)

دین و ایمان کو بچانے کے لئے جان تک قربان کر دی جائے

یہ تقریر مقرر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی رحمہ اللہ نے مہینہ شہر کے مصافحہ
(۱۰ جگہ) میں واقع جمعہ المومنان کا مہلکس میں مسجد کے افتتاح کے موقع پر سماء راء اور قرب
وجوار لہنہ شہر کے ایک بڑے مجمع کے سامنے کی

مولانا رحمۃ اللہ نے اپنی مختصر جامع اور مؤثر تقریر کے سئے حدیث نبوی ”تم میں سے ہر
شخص ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کے متعلق جوابدہ ہے“ کو عنوان بناتے
ہوئے فرمایا، آپ نے فرمایا یہ مختصر سی حدیث، انفرادی زندگی، گھریلو زندگی اور اجتماعی زندگی کی
اصلاح کیلئے کافی ہے، بلکہ ملکوں کی صلاح کیلئے بھی یہ حدیث کافی ہے کہ ہر شخص کے ماتحت کچھ
لوگ ہوتے ہیں، بال بچے کام کرنے والے، ہر شخص اپنے ان ماتحتوں کا پورا خیال رکھا کرے،
لوگ ساری ضرورتوں کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن روحانی اور دینی ضرورتوں کا تو خیال رکھتے ہیں
طور پر خیال کم رکھا جاتا ہے، اس کی تو ہمیں فکر رہتی ہے اولاد کی ایسی تعلیم ہو جو اسے اچھی
مدد دے اس کے لئے وسعت سے بھی زیادہ خرچ کرتے ہیں اس میں اگر بچوں سے
کوئی کوتاہی ہوتی ہے تو باپ لڑو پیار سے سمجھاتا بھی ہے اور سختی سے بھی کام لیتا ہے، باپ کی یہ
آرزو ہوتی ہے کہ اولاد اچھے سے اچھے عہدوں پر فائز ہو، معاشرہ میں ایک مقام ہو، لوگ جب
سنیں کہ بڑا لڑکا امریکا میں ہے، دوسرا کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہے، تو مبارکبادیں، کہہ شاء
اللہ آپ کے صاحبزادگان بڑے بڑے عہدوں پر ہیں، لیکن ہم اپنے ماتحتوں کی ان ضرورتوں کی
طرف توجہ کم کرتے ہیں، جو دنیاوی ضرورتوں سے زیادہ اہم ہیں، ہم اس کی فکر نہیں
کرتے کہ میرے بچوں کے عقائد درست ہیں یا نہیں، دین پر چلتے ہیں یا نہیں، دین کا احترام
کرتے ہیں یا نہیں، ان کے اندر دین یا شعائر دین کی بے وقعتی تو پیدا نہیں ہو رہی ہے، اس کی

طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام کی نظر اصلاً آخرت پر ہوتی ہے، ان کی بعثت آخرت کی بنانے کیلئے ہوتی ہے، دنیا کی خوشی و مسرت اور یہاں کی پریشانی و تکالیف کو وہ کامیابی اور ناکافی کا معیار نہیں سمجھتے ان کے نزدیک کامیاب وہ ہے جو آخرت میں کامیاب ہو، اور ناکام وہ ہے جو آخرت میں ناکام ہو۔

شر پسند فرقہ پرست تنظیمیں اور پارٹیاں کوشاں ہیں کہ ملک میں ایک ہی طرح کا دماغ، ایک ہی طرح کا دل، ایک ہی تہذیب اور ایک ہی کچھر رہے، تعلیم و تبلیغ سے ایسا ماحول بنائیے کہ نئی نسل دین پر فخر کے ساتھ قائم رہے، کفر و شرک سے اس کے اندر نفرت پیدا کر دیجئے، ایمین کی حفاظت کے لئے وہ اپنی جان تک کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار رہے، گھر کے ماحول کو دینی اور پاکیزہ بنائیے تاکہ باہر کی مسموم ہوا سے بچوں کی حفاظت ہو سکے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ یہاں دو بگا میں بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے ادارہ قائم کیا گیا ہے، بچیوں کی صحیح تعلیم و تربیت سے، حوال کو سدھارنا آسان ہو جائے گا۔

نماز جمع سے پہلے بانی جامعہ جناب مولانا محمد رضوان صاحب ندوی نے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی اور دوسری حاضرین کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج معاشرہ کو برائیوں سے پاک کرنے کی ہماری کوششیں اس لئے بار آور نہیں ہو رہی ہیں کہ گھر کا ماحول فاسد ہو گیا ہے، ہمارے اس مدرسہ کا نظام تعلیم و تربیت بگڑ گیا ہے، جہاں بچہ آنکھ کھولتا ہے اور وہ مدرسہ ہے۔ اس کی گود اور گھر کا ماحول، ہم پر پہلی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ دینی تعلیم و تربیت کے ذریعے اس صورت حال کو بدلیں اور بچیوں کی صحیح دینی تعلیم و تربیت کے ذریعے گھر کے ماحول کو ایسا بنانے کی فکر کریں جس میں اپنے بڑھنے والا ہمارا بچہ اور بچی دینی سانچہ میں اس طرح ڈھل جائے۔

معاشرہ کی تعمیر کے عناصر

الحمد لله وكفى وسلامه على عباده الذين اصطفى
 محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم كبعثت وتعليم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان
 کئے گئے ہیں وہاں صراحتاً ان چار چیزوں کا تذکرہ یہاں کیا ہے۔ ۱۔ تدوین ۲۔ تعلیم کتاب۔
 ۳۔ تعلیم حکمت ۴۔ تزکیہ نفوس۔

هو الذي بعث في الامم رسولاً منهم يتلوا عليهم اياته ويزكيهم
 ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين ۵
 ترجمہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر
 اس کی آیتیں پڑھاتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ
 اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

كما ارسلنا فيكم رسولاً منكم يتلوا عليهم اياته ويزكيكم ويعلمهم
 الكتاب والحكمة ويعلمكم ما لم تكونوا تعلمون ۵ (بالقرہ ۱۸۷)
 ترجمہ جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا
 ہے۔ اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم
 نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
 جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا نیا علم و حکمت عطا کیا۔ اسی طرح نئے اخلاق نئے
 جذبات و کیفیات نیا یقین و ایمان نیا ذوق و شوق نئی بلند نظریٰ نیا جذبہ ایثار نیا شوق آخرت نیا
 جذبہ زہد و قناعت دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر نئی محبت و الفت حسن سلوک و ہمدردی
 برو و مواسات (نیکی و ہمدردی) مکارم اخلاق اسی طرح سے نیا ذوق عبادت خوف و خشیت توبہ و
 انابت دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور
 دینی ماحول قائم ہوا۔ جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے

صحابہ کرام ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمائندے اور ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ بردیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی جہالت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت اور تعظیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا لیکن اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحصیل کے لئے تو معصوم ہو گا کہ اس مجاہدین انقلاب کا ذریعہ اور اس نے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر اور ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات برمی

آپ کی زندگی سیرت و اخلاق۔

۲۔ قرآن مجید

۳۔ آپ کے ارشادات و ہدایات مواعظ و نصائح اور تعظیم و تلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ بعثت نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد اہل اخلاق جذبات افواہ رجحانات تعلقات سب ہی ہوں وجود میں نہیں آ سکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے۔ یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اصلی ذوق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں۔ وہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی۔ اس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ اور ان میں اس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید رہتے تھے۔ اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روت بھی تھی حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احسانات اور مکارم اخلاق کے

و قائل بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے ”اقامت صلوٰۃ“ کا حکم پایا تھا اور الدین ہم فی صلواتہم حاشعون کی تعریف بھی سنی تھی انہوں نے اس کی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رُوح و تجرد کی کیفیت دیکھی جس کو انہوں نے نسمع له ازیرا کا زیر المرجل (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے باندی میں ابا آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے یکن جب تک انہوں نے ربان نبوی سے۔ قرۃ یئنی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ رحتی یا بدل (بدل اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا ان کو نماز کے ساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب تک انہوں نے خالص امت کے مسجد میں وقلہ معلق فی المسجد حتی يعود الیہ (ان کا دل مسجد میں انکار ہوتا ہے مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے ان کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا۔ انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی۔ دعا نہ کرنے والوں پر عقاب بھی سنا تھا اور تضرع و انتہال (کریہ و زاری اور اصرار) کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے لیکن اس کی حقیقت انہوں نے اس وقت جانی جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک سر پر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ۔

اللہم اشدک و وعدک اللہم ان شئت لم تعد

(اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ اگر تو چاہے) اس مٹھی بھر جماعت کو ہدک کرنا (تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جاسکی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا۔ حسب (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح بندگی اور اپنی عجز و درندگی کا اظہار ہے اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز و درندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا

اللہم انک تسمع کلامی و تری مکانی و تعلم سری و علانی

لا یحییٰ علیک شی من امری وانا السائل الفقیر المستغیت
المستجیر الرحل المشفق المقر المعترف بدبی اسئالک مسالة
المسکین وانتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعا
الحائف الضریر و دعاء من خصعت لک رقبة وفاضت لک عمرته
و ذل لک جسمه ورعمه لک انفسه اللھم لاتجعلنی بدعائک
شقیاء وکن لی رؤفا رحیما باخیر المسئولین ویا خیر المعطین

ترجمہ۔ اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جہد و یقین سے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر
و جانتا ہے۔ تجھ سے میری وہی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مسیبت زدہ ہوں محتاج ہوں
فریاد کی ہوں پناہ جو ہوں پریشان ہوں ہراس ہوں اپنے غم ہوں کا اقرار کرنے والا ہوں
اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں۔ جیسے بیکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے
آگے رُڑھاتا ہوں جیسے گنہگار و ذلیل و خوار رُڑھاتا ہے ورتجھ سے طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص
طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو۔ اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن
سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رُڑھ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے
اپنے سے دعائے ننگے سے محتاج نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم والا ہو جا اے
سب مانگے جانے والوں سے بہتر اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی ب حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور
مالحوظۃ الدنیا الالہو ولعب وان الدار الآخر لہی الحیوان (دنیا کی زندگی محض
نہیں تماشا ہے و آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے مگر اس کی حقیقت
و عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کی طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر
ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے
والوں اور اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت
کیا ہوتی ہے۔ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی
میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے
مخوف اور شوق کی مٹی جلی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے
سامنے ہر وقت کھنچ رہتا ہے۔ اسی طرح وہ رحمت و تواضع خلل رفیق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم

سے آشن تھے صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں ان کی تطبیق نیز صحیح عمل ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزور دل، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوزھوں اور اپنے تمام رفقاء و اصحاب اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایت و صیتیں اور ارشادات سنے ان کو علامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر اس کی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنازہ، تسمیت عا طس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید انھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی اسی طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبویؐ ان من ابی البربر الرجل اہل و دایہ بعد ان یولی (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بند تک پہنچ سکتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔

وربما ذبح الشاة ثمہ یقطعها اعضاء ثمہ یبعثها فی صدائق حلیحة
(اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں بھری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے پھر دو ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے و ایسوں کے یہاں بھیجتے)
حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے۔ مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و

جسم کی حفاظت اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی و دینی قلبی اجتماعی اور اخلاقی نتائج و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے۔ اس کے لئے ان مہدوی مقدمات آداب و ہدایت کی ضرورت ہے جو اس عمل کو متمم یا نشان وقوع و موثر بنائیں۔ کسی بناء پر نماز ایسے خواہ قرآن مجید میں وضو طہارت شعور و تقصیل خشوع و خضوع سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خیر بنی انتظامات کا اضافہ ہوگا۔ وہ فضا اور مہول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات و روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی۔ اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیہ نفس تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت راستہ کی دعا مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر تحسینۃ المسجد یا منین راتبہ نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب جماعت کا ثواب اذان و اقامت کا ثواب اقامت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام امام کے اتباع کی تاکید صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب مساجد میں تعلیم کے حلقوں کی فضیلت ذکر کے حلقوں کی فضیلت مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی مہتمم باشان چیز اور ترکیبہ و اصلاح تعلیم و تربیت اور انانیت و توجہ الی اللہ کا کیسے موثر ذریعہ بن جاتی ہے پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت و نوافل کے ذوق قرآن مجید کے پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام سے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا دینی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے صوم و زکوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل معموالات نبوت اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہیے کہ ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجر دو منقطع کر دیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے

نے مہیا کرتی ہے اور جواب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں تک جاتی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے ذوق و شوق و پیدا کرنے استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبودیت و تقویٰ و انابت فی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات صیبر و ارشاد و ہدایت (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) ان کے سنے و انضواء و حوالہ میا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بار آور ہوتا ہے دین کی خشک انداختی مضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں وہ جذبات واقعات اور عملی مشاغل کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان جذبات و واقعات اور عملی مشاغل کا سب سے بہتر و مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی وفات کے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے، خود ہو۔ یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس سے بہت جلد منطوق ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا۔ اور ان مذاہب کو وہ ذہنی، حوالہ اور انضواء میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب اپنی نشوونما و ترقی حاصل کرتے اور روایت و اتحاد کے حصوں سے محفوظ رہتے۔ انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کر کے اس خطا کو پیروان مذاہب پیروان حقیقت کے واقعات و ملفوظات سے پرہیز کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ مذاہب و بدعات و رسوم و رتن کی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہی ان مذاہب ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دماغی اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اسلام کے آخری و ردی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا جس ذہنی و روحانی، حوالہ میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے زندگی گزاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے، حوالہ کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ بعد کی نسلیں اور صدیوں کے ایک آدمی کے سنے یا نقل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے، حوالہ سے اپنا رشتہ منقطع کر کے وقعت اس ماحول میں پہنچ جاتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تکلم اور صحابہ

کرامتِ گوشِ براواز ہیں جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح اعمال و اخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی۔ آپ کے گھر کا نقشہ آپ کے رات کے معمولات آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے اور آپ کی دعا و مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جاسکتا ہے پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشلبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ افلا اکتون عبدا شکورا (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں جن کی آنکھوں نے کاشانہ نبوت میں دو دو مہینے چوبہا گرم ہوتے نہیں دیکھے۔ جنہوں نے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے جس نے سونے سے بے زاری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھے۔ جس نے مرض و فوت میں چراغ کاتیل پڑی کے گھر سے قرض آتے دیکھے۔ اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت اپنے بچوں کے ساتھ محبت اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھے وہ مکارمِ اخلاق اور انسانیہ کا مدہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے سینے جائے گا۔

پھر اس ماحول میں صرف کاشانہ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بندہ صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوتے ہیں اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت ان کے دلوں کی تپش ان کی شبوں کا گدار ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت ان کی بے نفسی و تلہیت اور ان پر نفس انسانی کے حصے ان کا انقیاد و کامل اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں یہاں ابو طلحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے۔ اور حضرت کعب بن لک کے غزوہ تبوک سے کچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے غرض یہ ایک ایسا قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی امت اس کی شریک و سہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلوب و دماغ کی نڈا فراہم کرنا ہے۔ ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کا عہد نبوی ہی میں آتا ہے حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کرینا پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا پھر ایران و خراسان و ترکستان کے طابین غم کے سمندر کا امتداد آنا اس کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف ان کا غیر معمولی۔ افضان کا عزم و عالی ہمتی پھر اسماء و جلال و فن و روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکہ راسخہ اور بصیرت کا مدہ حاصل تھی۔ پھر ان کا انہماک و خود فراموشی پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس صحیفہ زندگی کو محفوظ کرنا مقصود تھا۔ اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد اور تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی ذوق، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں ”توارث“ کا سلسلہ جاری رہا۔ حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا۔ اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ مزاج و مذاق یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے ہیں جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں۔ وہی عبادت کا ذوق وہی تقویٰ و خشیت وہی استقامت و عزیمت وہی تواضع و احتساب نفس وہی شوق آخرت وہی دنیا سے بے رغبتی وہی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے حصہ پایا ہو امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودہویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و ہدایت تک برابر قائم ہے۔ دربارِ شریفی عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے

سے بر مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی مولانا رشید احمد گسنوہی اور مولانا عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم ثلک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ سے عہد صحیحہ کا ماحول محفوظ ہے۔ ان کا یہ گنج مزان و مذاق جس میں آخرت کا خیال دین پر سنت کا اثر رسوخ و درون پر روحانیت کا اثر ہدایت پر غالب ہے باقی رہے گا اور بھی اس امت کو دنیا پرستی سے تپا چاہا دیت انکار آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شک کا نہیں ہو سکتا بلکہ ان کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں نکلتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی سب سے زیادہ سنت و شریعت کے فروغ کے لئے نین بردوش رہے گی جو اوب امت کو زندگی با ایت اور قوت کے اس چشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اس ذخیرہ کی صرف سے بے اعتادگی اور شک و ریب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس لو کی عظیم سرمایہ اور تکی بڑی دوت سے محروم کر رہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے محروم کر رہے ہیں اور آواہ کر دین چاہتے ہیں جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں نے حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کرایا کر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ پھر اس مزان و مذاق کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحیحہ سرام کا امتیاز تھا اور جو یہ تو کائنات پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہو سکتا ہے یا با واسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جتنا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بوتہ چاہتا روزنامہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات کی ہوئی ہے۔

عید رمضان کا انعام اور ثمرہ ہے

الحمد لله بحمده و يستعیه و يستغفره و یومئ به و یتوکل علیہ و
 یعود بالله من شرر انفسا و من سیأت اعمالا من یهدہ الله فلا مضل
 له و من یضل الله فلا هادی له و یشہد ان لا اله الا الله وحده
 لا شریک له و یشہد ان سیدنا و مولانا محمد اعبده و رسولہ صلی
 الله تعالی علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین اما بعد فاعود بالله من
 الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم یا ایہا الذین آمنوا کتب
 علیکم الصم کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون
 صدق الله العظیم

جسے عید کہتے ہیں

اس مہینے کا اختتام جو مجاہدہ کا مہینہ تھا زبد و عبادت کا مہینہ تھا اور اپنی خواہشات پر غلبہ اور
 قابو پانے کا مہینہ تھا اور نفس کی عنان روکنے کا مہینہ تھا اور اللہ کی خوشی کے لئے اپنی خوشیوں اور
 خواہشوں کو قربان کرنے کا مہینہ تھا اس مہینے کا اختتام اللہ نے اس خوشی کے دن پر کیا جسے عید
 کرتے ہیں۔ یہ عید رمضان المبارک کے اختتام کا اعلان اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے
 مذاہب و قوموں کے برخلاف جن میں یہ دن ٹھیل کھینے مزے لوٹنے اور نفس کو آزاد چھوڑ دینے
 کی علامت ہوتا ہے اس میں اس کے پہلے جو ناروا ہوتے ہیں وہ روا ہو جاتے ہیں اور حدود و قیود
 سب پھلانگ دیئے جاتے ہیں۔ اور کسی چیز کے پرواہ نہ کرے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے
 جیسا کہ دین کا مزاج ہے ملت کا مزاج ہے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید کی خوشی کا دن تھا تیس دن
 کے مجاہدہ کے بعد آیا تھا بجائے اس کہ اجازت دی جاتی اس میں آزادی ہے کہ جو چاہو کرو، اس
 میں ایک زائد عبادت اللہ تعالیٰ نے شروع فرمائی، یعنی اس دن مسلمان نہادھو کر آتا ہے اور خدا
 کے حضور میں دو رکعت پڑھتا ہے یہ شکرانہ ہے رمضان المبارک کا، روزے رکھنے کی توفیق

حاصل ہونے کا، تو عید کا تعلق رمضان سے ہے کہ عید نورِ رمضان سے اُنک یا ہی نہیں جاسکتا، عیدِ ارتقیقت ایک قدرتی پھل ہے، رمضان کے درخت کا اگر رمضان کا درخت نہیں ہے اور اس کی تمام خصوصیات ساتھ نہیں ہیں وہ درخت شاداب نہیں ہے اور اس درخت کی تمام جڑیں محفوظ نہیں ہیں۔ تو اس درخت سے بھی پھل پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور سے پھل کا کوئی استحقاق نہیں ہو سکتا، وہ شخص جو کوئی درخت نہ لگائے اس درخت پر ریاض نہ کرے، محنت نہ کرے، اور اس کو پانی نہ دے، اس کو اس درخت کا پھل کھانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے ورنہ اس کی خامیوں سے کہ بے درخت کے اس کو پھل مل جائیں گے۔

عید تو رمضان المبارک کا صلہ ہے

اسی قانون پر ہم چل رہے ہیں آم کا درخت لگائیے اور آم کا پھل کھائیے، خرید سڑھان اور چیز ہے، آم کا درخت لگائے بغیر آپ آم نہیں کھا سکتے، آپ انگور کی کاشت کئے بغیر انگور نہیں پا سکتے، ویسے ہی رمضان کے بغیر عید کا کوئی استحقاق نہیں، بالکل یہ ایک غیر قدرتی، غیر اخلاقی، غیر قانونی چیز ہے، عید ہے، رمضان کا ثمرہ، عید ہے رمضان کا انعام، عید ہے رمضان کے درخت کا آخری شوفہ، درخت نہیں تو شوفہ کیا، اور پھل کیا اور پھول کیا، اس طریقے سے رمضان اور عید، ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جیسے کہ جسم اور روح ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں، جس طرح سے کہ پھل اور درخت جو اس کا قدرتی نمودار ارتقا ہے، درخت کیا ہے؟ اور اس کا پھل کیا ہے؟ درخت کی کا خاصہ پھل کیا ہے؟ درخت کی زندگی کا مظاہرہ، پھل کیا ہے؟ درخت کا نقطہ عروج اور اس کا نقطہ ارتقاء، اگر درخت نہیں اور درخت کی شادابی نہیں اور درخت کی قوت نمو نہیں اور درخت میں فیض اور فائدہ پہونچانے اور کسی کا پیٹ بھرنے اور کسی کو خوش کرنے کی صلاحیت نہیں تو پھل بھی نہیں پیدا ہوگا، تو عید بغیر رمضان بالکل غیر معقول اور غیر قدرتی چیز ہے، یعنی دین کی فطرت کے خلاف ہے، رمضان کی طرف کے خلاف ہے اور انسان کی فطرت سلیم کے خلاف ہے، عید تو رمضان کا صلہ ہے، رمضان کا انعام ہے، رمضان کی عیدی ہے، جیسے آپ بچوں کو عیدی دیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو یہ عیدی دی ہے اس عید کی شکل میں۔

عید مختلف ادوار سے گزری

یہ عید کئی دوروں سے گزری ہے، ایک عید وہ تھی، اصلی عید، جو ہر معنی سے عید تھی، وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، آپ کی موجودگی سے بڑھ کر عید کا کوئی تحفہ نہیں، اس وقت صحابہ کرام زبان حال سے کہتے ہوں گے، کہ

انبساط عید دیدن روئے تو

عید گاہ غریبان کوئے تو

پھر حقیقی عید وہ تھی جب صبح و شام فتوحات کی خبریں آتی تھیں اور اسلام کے قدم رو میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور ہر روز روز عید اور ہر شب شب برأت کا مصداق کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ مسلمانوں کا ستارہ اقبال کسی نئے افق سے طلوع نہ ہو اس وقت کی عید کیا تھی؟

عید آزادان شکوہ ملک و دیں

وہ بھی عید تھی اور حقیقی عید تھی، عید کی نماز پڑھنے کیلئے جب مسلمان جاتے تھے تو ایک رمضان ۲۹ یا ۳۰ روزوں ہی کا شکر یہ نہیں ادا کرتے تھے بلکہ ان کا دل اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا ترانہ شکر سے بھر پور ہوتا تھا، ان کے ہر بن مو سے الحمد کی صدا آتی تھی، اور جس وقت وہ الحمد للہ کہتے تھے یا عید کا ترانہ اور عید کی تکبیرات پڑھتے تھے یا عید کی حمد و تحلیل بیان کرتے تھے تو اس وقت ان کا دائرہ صرف رمضان تک ہی محدود نہیں ہوتا تھا بلکہ پوری زندگی کو صوفی تھا، زندگی کے ہر شعبے میں ان کو نئی نئی کامیابیاں نظر آتی تھیں، وہ مسرتوں سے سیریز، داغ افتاد اور بلندی کے احساس سے محمور، محمور نہیں تو معمور م سے کم سینہ ان تمام تمنائوں سے، حوصلہ مند یوں سے، مسرتوں سے، احساسات سے معمور تھا، جو چپ و راست چاروں طرف انہیں گھیرے ہوئے، وہ حقیقی عید تھی، اس کے بعد صدیوں تک عید اسی طرح رہی، اسلام کا قندہ برابر آگے بڑھ رہا تھا، پہاڑوں کو بھی، ملکوں کو بھی، میدانوں کو بھی، وادیوں کو بھی اور مرغزاروں کو بھی اور بڑے بڑے متمدن ملکوں کو بھی اور اسلام برابر اقدام کی حالت میں تھا، پیش قدمی کی حالت میں تھا اس وقت بھی یہی حالت تھی، کہ عید آزادان شکوہ ملک و دیں، وہ بخدا کی عید ہو یا دمشق کی عید ہو یا ر ہور و دہلی کی عید ہو اس وقت کی عید ان مسرتوں سے بھی ہوئی تھی، اور وہ عید کی نقل نہیں تھی بلکہ

وہ حقیقی عید تھی، اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ عید آئی جس کو ہم کہتے ہیں کہ ”عید محکوموں اور مومنین“۔ یعنی اب عید کا حاصل یہ رہ گیا ہے کہ مسلمان جتنی تعداد میں، مطہر پر نہیں جمع ہوتے اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں تو سمجھئے کہ وہ مسلمان کی عید ہے اور زیادہ عید زیادہ مظلوم، بڑی تعداد میں عید اور مظلوم اور دکھے ہوئے دل والے، چوٹ کھائے ہوئے، دماغ والے، بیتاب و بے چین روح والے اور صدموں کو اٹھانے والے، ذوق کو سہنے والے، اور لوگوں کے صحنے سننے والے، زیادہ تعداد میں جمع ہو جائیں یعنی وہ اگر جمعہ کی نماز میں ہیں تو اس سے کم تعداد میں جمع ہوں گے اور پانچ وقت کی نماز ہے تو اس سے بھی کم تعداد میں جمع ہوں گے، یہ دھندوں والے جہاں زیادہ تعداد میں جمع ہوں گے، اس کو عید کہہ دیجئے اور جس جگہ پر جمع ہو جائیں اس کو عید گاہ نہ دیجئے، یہ مظلوم اور یہ ذلت برداشت کرنے والے زیادہ بہتر لباس میں اور زیادہ دھوم دھام کے ساتھ آئیں اس کو عید کا دن سمجھ لیجئے، تو آج ہماری عید وہی ہے عید کی حقیقی خوشی ناپید ہے، لیکن بہر حال ایک چیز تو قیامت تک رہے گی، مسلمان نشیب و فراز سے گزرتے رہیں گے، اس امت کے لئے اللہ کی طرف سے مقدر رہی ہے، وہ ایک زندہ جاوید ملت ہے، اس کو قیامت تک رہنا ہے، زندگی تبدیلیوں سے بھری ہوئی ہے، اس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔

زندگی تبدیلیوں کا نام ہے

زندگی نام ہی تبدیلیوں کا ہے، تو زندہ رہنے کیسے تو تبدیلیوں سے گزرنا ناگزیر، وہ زندہ نہیں جو تبدیلیوں سے نہ گزرے، نشیب و فراز سے نہ گزرے، وہ درخت شادات درخت نہیں، جس میں بہار و خزاں نہ آئے، جس میں پت جھڑ نہ ہو جس کی شاخیں نہ چھنٹی جائیں، اس کو کوئی دیوار کا نقش اس کو فنِ تعمیر کا کوئی نمونہ نہ کہے، اس کو آثارِ قدیمہ کی کوئی چیز نہ کہے، لیکن درخت اسی کو کہیں گے، کہ جو ان تمام حصوں سے گزرتا رہے، کبھی بہار آئے تو ایسی بہار آئے کہ اس کی پتی پتی مسکرا رہی ہو، اس کی رگ رگ تنس رہی ہو اور اس کے چاروں طرف مسرتیں برس رہی ہوں اور خزاں آئے تو ایسی آئے کہ وہ پورا درخت نوحہ کننا اور مرثیہ خواں ہو، اور اس کو دیکھ کر لوگوں کے آنسو نکل آئیں مگر درخت وہی ہے جو بہار سے بھی گزرے، یہ امت ایک سدا بہار درخت ہے یہ امت کوئی فنِ تعمیر کا نمونہ نہیں، یہ امت کوئی تاج محل نہیں، یہ امت کوئی قطب

مینار نہیں جو کھڑا ہے تو کھڑا ہے، تاج محل بن گیا تو بن گیا، نہیں یہ ایک درخت ہے اور درخت میں شادابی بھی آتی ہے، اور خشکی بھی آتی ہے، تو امت کے لئے ان تبدیلیوں سے گزرنا لازمی ہے، لیکن ایک چیز ہے جو ناقابل تبدیل ہے وہ اس امت کا خدا کے ساتھ تعلق اس امت کا شریعت سے تعلق ہے، فتح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، مفتوح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، قلیل ہو جب بھی روزہ رکھے گی، کثیر ہو جب بھی روزہ رکھے گی، اور اگر اس کو فتح ملے گی تو اسی نماز روزہ کے راستہ سے ملے گی، اور اگر ذلت اس کے نصیب میں آئے گی تو اس میں کوتاہی کرنے کے سبب آئے گی، اس لئے یہ تبدیلیاں اس کی خارج میں ہیں لیکن اس کے اندرون میں، امت کے اندرون میں کوئی تبدیلی نہیں، اس کا تعلق خدا کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے گا، جہاں کہیں اور جس خطہ زمین میں ہو نماز پڑھتی ہوئی نظر آئے گی، روزہ رکھتی ہوئی نظر آئے گی، سب نہیں لیکن اس کی اتنی بڑی تعداد جو یہ ثابت کرتی ہے، کہ ابھی دین زندہ ہے اور ابھی قیامت نہیں آئی اور امت نے مجموعی انحراف اور ارتداد کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے، آج ہم مرکز اسلام سے اتنی دور جگہ پر بیٹھ کر یہاں جو لوگ ہیں کم سے کم ان کے بارے میں یہی خیال کیا جاسکتا ہے اور کرنا چاہئے کہ ان سب نے روزہ رکھا ہے اور آج وہ عید کا انعام لینے یہاں آئے ہیں۔

باغی اور سرکش نہیں بلکہ گنہگار اور قصور وار

اپنے مالک کے سامنے سر جھکا کر، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے، دو گانہ شکر ادا کر کے وہ زبان ہال اور زبان حال دونوں سے یہ کہہ رہے ہیں، مالک جیسا روزہ رکھنا چاہئے ہم نے ہرگز نہیں رکھا، جیسی نمازیں پڑھنی چاہئیں ہم نے ہرگز نہیں پڑھیں، قبل اس کے کہ ہمارے خلاف گواہیاں گذریں، ہم گواہی دینے کیلئے تیار ہیں اور قسم کھا کر کہنے کے لئے تیار ہیں، عیدناک حق عباد تک، ہم سے ہرگز روزہ نہیں رکھا گیا اور بل اس کے کہ روزہ ہمارے خلاف گواہی دے ہم خود اقرار ری مجرم ہیں، ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم سے کوئی حق ادا نہیں ہو سکا، لیکن تیرا حکم تھا ہم نے کم سے کم اس قانون کو باقی رکھا کم سے کم اس سے بغاوت نہیں کی، ہم مقصر ہیں، ہم گنہگار ہیں، قصور وار ہیں لیکن باغی اور سرکش نہیں، وہ جو کسی نے مثال دی کہ ایک شخص ایک پھنسا، میلا کچیل اور جگہ جگہ سے پھار دیا گیا ہو، ایسا پھنسا ہوا نوٹ لے کر جاتا ہے، ایک بینک

کاؤنٹر پر جہاں نوٹ بنتے ہیں اور کہتا ہے یہ نوٹ ہمارا خراب ہو گیا ہے، اسے بدل دو، مگر کہ یہ نہیں پوچھتا کہ تم نے نوٹ کی یہ گت کیوں بنائی بلکہ فوراً نیا نوٹ دے دیتا ہے، لیکن ایک شخص جاتا ہے اور وہ جا کر کھڑے نوٹ لے کر کہتا کہ بیجے آپ کے نوٹ کی یہ اوقات ہے میری نگاہ میں اور پھاڑ دیتا ہے تو فوراً اسے پکڑ لیا جاتا ہے اور وہ باغی قرار پاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم نے حکومت کی توہین کی۔

تو خدایا ہم نوٹ کو پھاڑنے والے نہیں ہم میلا پچھلا نوٹ لے کر آئے ہیں تیرے حضور میں، ہم اس کے متمنی ہیں کہ تو اس سے کچھ پھٹے ہوئے نوٹ کی جگہ پر ہمیں ایک صاف نوٹ عطا فرما دے جس سے کہ تیرے بازار آخرت میں ہم سودا خرید سکیں اور وہاں ہم کاروبار کر سکیں اور وہاں سے ہم پار ہو سکیں ”اولئک یبدل اللہ سیاتہم حسنات“ کا کیا مطلب ہے اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ ہم تمہارے گناہ معاف فرما دیں گے بلکہ سیات کو حسنات سے بدل دیں گے یہ نہیں کہ سو روپیہ کا نوٹ تم لے گئے تھے پھٹا ہوا تو کہہ دیا کہ کوئی مواخذہ نہیں، بلکہ ایک نوٹ چھپ ہوا جو ابھی ٹکسال سے نکلا ہے، وہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا جائے گا کہ اب یہ نوٹ ہے اس نوٹ کی جگہ پر فائولٹک یبدل اللہ الخ، خدایا ہم ایسا ہی پھٹا ہوا نوٹ کیا نامہ اعمال لے کر آئے ہیں، تو سریم ہے، تو نکت نواز ہے، تو غفور الرحیم ہے ہمارے روزے اور ان کی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہے، دنیا کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو، کراما کا تبین کو معلوم ہے، تیرے فرشتوں کو معلوم ہے اور ان کو بھی معلوم ہوتا ہے، میاں عشق و معشوق رمزِ یست، کراما کا تبین راہم خیر نیست، ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہرگز تیرے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں، وہ تراویح جس کا ذکر کا جتنا تھا جس کی ہم نے دھوم مچائی تھی اس تراویح کا حال ہم کو معلوم ہے کہ امام شروع کرنے کے بعد اس برابر ہم اس مراقبہ میں رہتے تھے کب ختم کرتا ہے، آج کتنا پڑھے گا اور اللہ کو توفیق دے کہ جلدی ختم کرے، گھنٹہ پر ہمارے کان لگے ہوئے، قرآن کی آواز سے زیادہ گھڑی پر ہمارے کان اور ہماری نگاہیں لگی ہوئیں ہیں کہ جلد ختم ہو یہ تراویح، ہم تیرے حضور میں کیا پیش کریں، اس کے بعد کی جو نمازیں ہیں تو ان کا وجود ہی کتنا ہوا اور ان کا وجود ہوا تو وہ وجود گفتمہ ناگفتمہ بہ ہیں، وہ وجود عدم وجود سے بدتر، ہم تو کوئی چیز تیرے سامنے پیش نہیں کر سکتے، مگر ہاں ہم وہی قصور وار ہیں، وہی ہم مفلس ہیں، وہی ہم غریب ہیں، جو پھٹا ہوا نوٹ

سے راور نوٹ بھی سوکا نہیں بلکہ ایک روپ کا اور اس سے بھی کم کا کوئی سکہ ہوتا تو وہ نوٹ لے کر تیرے حضور آئے ہیں، اب تیرے کریم دربار سے امید ہے کہ تو ہم کو اس کے بجائے ایک اجدا اور ایک چندار محمدی ٹکسوں سے نکلا ہوا نوٹ اپنی کریم درگاہ سے نکلا ہوا نوٹ تو ہمارے ہاتھ میں رکھ دے گا اور کہے گا کہ اتنا سے یہ تمہارا نوٹ ہے اس نوٹ کو بھول جاؤ ہم نے بھی محو کر دیا اس کو اور تم بھی اپنے حافظہ سے اس کو یاد محو کر دو، شرمندگی بالکل ضرورت نہیں، بس یہی عید کا مطلب ہے تم خدا کے سامنے وہی اپنی نمازیں اور روزے لے کر آئے اور آج ہمیں یہ جرات ہوئی کہ ہم اس سے سرمٹے آئیں اور شکر اور شکر اس بات کا شکر ہوتا ہے، نعمت کا کیا ہم نے اس نعمت کی قدر نہیں کی ہے کہ جیسے بھی تم روزے رہو ہم راقیوں کو پورا اردو تم ہے کہ تم عید کے دن آؤ اور پھر وہی جن ہمیں بدتمہ اچھے کپڑے پہن کر آؤ، غسل کر کے آؤ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ غلاموں کی ملامتیں رگڑ کر کے اور سیاہ پوش ہو کر کے ہم آتے کہ ہمارے روزے سیاہ پوش تھے، ہمارے نمازیں سیاہ پوش تھیں، ہمارا نامہ اعمال سیاہ پوش تھا تو ہم سیاہ پوش ہو کر آتے۔

کریم کا احسان

لیکن اس کریم نے ہم کو اجازت دی کہ ہمیں اچھے کپڑے پہن کر آؤ، عطر و خوشبو لگا کر آؤ، ایک دوسرے کو مبارکباد دو اور آ کر دو گانہ شکر ادا کرو کہ دنیا یہ سمجھے کہ تم سے بہتر کسی نے روزے نہیں رکھے، اور تم سے بہتر نمازیں کسی نے نہیں پڑھیں تو یہ اس کا کرم ہے، محض، ہم تو اس کی چیز کو بگاڑتے ہیں اور وہ ہمیں بناتا ہے، ہم اس کو مہربان دہا کرتے ہیں، اور وہ ہمیں سنوارتا ہے، ہمارا معاملہ اس کی ہر نعمت کے ساتھ یہی ہے، پھل کھاتے ہیں خراب کر دیتے ہیں کپڑا پہنتے ہیں اور میلا کر دیتے ہیں، لطیف غذائیں ہم کھاتے ہیں اور وہ دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں کہ آدمی اس کے پاس سے نہیں گذر سکتا اور اسی سے متا جلتا معامہ ہمارے اس کے احکام اور فرائض اور عبادت کے ساتھ بھی ہے، اس کے باوجود وہ ہمیں رزق دے رہا ہے، وہ ہم پر عنایت کی نگاہیں کر رہا ہے، تو ہم اسی کے حکم سے اور اسی کو دیئے ہوئے حوصلہ سے یہاں آئے ہیں ورنہ ہم کیا اور ہمارا حوصلہ کیا، ہم نے کیا روزے رکھے، کیا نمازیں پڑھیں، لیکن ہم وہی نمازیں لے کر اس کے حضور آئے ہیں اور دو رکعات کا اضافہ کرتے ہیں، اگر ہمیں یہ جواب ملتا غیب سے آواز آتی کہ۔

تو کار میں رہنا مانتی

کہ برآں نی پر مانتی

تم نے فرض ہی کون سے اچھے پڑھے تھے کہ دو گناہ شکر ادا کرنے آئے ہو، لیکن وہ کریم
کہتا ہے فاؤلک یدل اللہ سیاتہم حسات وکان اللہ غفورا رحیما۔
اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

دوروزے

جمعۃ الوداع کے موقع پر حضرت مولانا سید و احسن میں ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ ہجرت ۲۳
رمضان المبارک ۱۵۱ھ کو بغداد میں جمعہ شہ طہر مدتیر کے بریلی سندھ میں مجمع شیعہ کے سامنے
جو مختلف شہروں و رتوں میں پائے گئے ان تصانیف سے نمٹ رہے تھے۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد الیوم اکملت لکم
دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً

روزہ معمولی نعمت نہیں

میرے بھائیو! سب سے پہلے تو آپ کو رمضان المبارک کی سعادت ملنے اور رمضان
المبارک میں روزے رکھنے اور اس کام کے لئے توفیق الہی پر مبارکباد دیتا ہوں، یہ معمولی نعمت
نہیں ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ
سلم نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں، آپ نے فرمایا ”من صام رمضان ایماناً واحتساباً
عفروا له ما تقدم من ذنبه“ کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین
کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی مانج میں تو اس کے سب بچھڑے گناہ و معاف ہو گئے، اور
یہ بظاہر آخری جمعہ ہے، جمعۃ الوداع ہے، اس کے بعد جو روزے باقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو
رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور شب قدر کی دوست و نعمت بھی عطا فرمائے، ہماری اور آپ کی
عاجز اندوہوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے جو اس مہینہ میں کی گئیں۔

اب میں آپ کے سامنے بظاہر ایک نئی بات کہنے وال ہوں لیکن وہ نئی بات نہیں ہے، وہ
اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ماخوذ ہے، اور قرآن مجید پر مبنی ہے لیکن بہت
سے بھائیوں کے لئے نئی ہوگی، اور نئی چیز کی ذرا قدر ہوتی ہے اور اس سے آدمی کا ذہن ذرا تازہ،
بیدار اور متوجہ ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ ”روزے دو طرح کے ہیں، ایک چھوٹا روزہ اور ایک بڑا

پھوٹے روزے کی تحقیق نہیں بد مصروف رسانی و روقتی خاطر سے ہمہ ریا ہوں، کہ چھوٹا روزہ کتنی بڑا ہو، ۱۳، ۱۴ گھنٹہ کا روزہ ہوگا، نفی سنوں میں جہاں دن اس زمانہ میں بڑا ہوتا ہے اس سے کچھ زیادہ، یہ وہ روزہ ہے جو بلوٹ پر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے، وہ حق صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک قائم رہتا ہے، اس روزہ کا ایک قانونی ضابطہ اور اس کے چھ شرعی احکام ہیں جو آپ کو معلوم ہیں، آپ جانتے ہیں کہ روزہ میں آدمی کھا پی نہیں سکتا، اور ان تعاقبات و معاملات کا عطف نہیں حاصل کر سکتا، جن کی اور دنوں میں اجازت ہے یہ روزہ ۲۹ دن کا ہو یا ۳۰ دن کا ہو اس میں محدود یہ ندیں ہیں، رمضان سے کسی روزے سے ایک وقفہ اور اس کے قوانین و حکام پر عمل ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ غور کریں کہ اس روزے کے حدود اور کونسا روزہ ہے جو اپنے وقت اور رقبہ میں اس سے بڑا ہے، رومی نے بڑے اور بڑے ہوتے ہیں اور اس روزے کے حدود اور کونسا بڑا روزہ ہوگا، یہ شش عید روزہ بتانے والا ہوں، یہ پندرہویں شعبان کا؟ کونساں روزہ بتانے والا ہوں۔

اسلام خود ایک روزہ ہے

بڑا روزہ ہے اسلام کا روزہ، اسلام خود ایک روزہ ہے اور یہ سب روزے اور عیدین بھی بلکہ روزہ، نماز یہاں تک جنت بھی جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا وہ سب اس کے طفیل ہی ہے، اصل بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے، وہ کب ختم ہوتا ہے، کب شروع ہوتا ہے، یہ بھی سن لیجئے۔ جو خوش قسمت انسان مسلمان گھر میں پیدا ہوا، اور وہ شروع سے کلمہ گو ہے، اس پر بوخ کے بعد ہی یہ طویل و مسلسل روزہ فرض ہو جاتا ہے اور جو اسلام کے کلمہ پڑھے یہ روزہ اس پر اسلام قبول کرنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

اور یہ روزہ سب ختم ہوگا، یہ بھی سن لیجئے، رمضان کا روزہ اور نفی روزہ تو غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، مگر اسلام کا یہ روزہ تو آفتاب عمر کے غروب ہونے پر ختم ہوتا ہے۔

رمضان کا روزہ نفی روزہ کا افطار کیا ہے، آپ عمدہ سے عمدہ مشروب اور لذیذ غذا سے افطار کر سکتے ہیں اور زیادہ مشروبات اور ماکولات کا نام سن کر آپ کے منہ میں پانی آ جائے گا اور شوق پیدا ہو جائے گا اس لئے میں ان کا نام نہیں لیتا، وہ روزہ زمزم سے کھلتا ہے، یہ دوسرے

مشروبات سے یا کھجور وغیرہ سے کھلتا ہے، اور زندگی کا یہ طویل و مسلسل روزہ کس سے کھئے گا، حضرت محمد رسول اللہؐ محبوب رب العالمین شفیق المذنبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے جام مطہور، جام کوثر سے کھلے گا، اگر وہ روزہ پکا ہے اور کراس روزے کے آپ نے شرائط پورے کر دیئے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے ہم دنیا سے کلمہ پڑھتے گئے، ہماری روح اس حال میں نکلی کہ ہماری زبان پر کلمہ تھا اور ہم نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہؐ کہہ رہے تھے اور ہمارے دل میں نور ایمان تھا ہمارے دماغ میں اللہ سے ملاقات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کا شوق تھا، تو وہ روزہ اس وقت ختم ہوتا ہے، اس کا افطار کیا ہے، اس کی ضیافت یہ ہے؟ وہ ہے جس ضیافت پر آدمی اپنی جان دے دے اور اللہ کے بندوں نے جان دی ہے، اللہ کے سینکڑوں اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے اس شوق میں جان دی ہے، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہو، اللہ کے رسولؐ کے سامنے ہم جب ہوں تو وہ ہم سے خوش ہوں، راضی ہوں، جہاد کے واقعات، غزوات اور جنگوں کے واقعات پڑھئے، لوگوں نے خوشی خوشی جانیں دیں، بلکہ ایسا شوق تھا کہ ایک بچہ احد کی جنگ کے موقع پر آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہؐ مجھے بھی جہاد کرنے کی اجازت دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابھی تم چھوٹے ہو، اس نے کہا نہیں چھوٹا نہیں، میں لڑ سکتا ہوں، اس نے بڑی خوشامد کی، کسی نے سفارش بھی کی، تو آپ نے اجازت دے دی، دوسرے صاحبزادے آئے جو ذرا چھوٹے تھے، کہنے لگے آپ نے انہیں اجازت دی تھی، مجھے بھی اجازت دے دیجئے، آپ نے فرمایا تم ابھی بچے ہو، اس نے عرض کیا، کہ آپ ہماری کشتی کرا کر دیکھ لیجئے میں اس کو پچھڑ دوں تو مجھ کو اجازت دے دیجئے، یہ بچوں کا شوق تھا، کشتی ہوئی، اس نے واقعی پچھاڑ دیا، اور آپ نے ان کو بھی اجازت دین دی، اور وہ شہید بھی ہوئے، اور ابو جہل کو دیکھ کر دونوں بھائیوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کہا کہ ہمیں ابو جہل کو دھبیئے، ہم نے سنا ہے کہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، میں یہ شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں، ابو جہل کے بتانے پر دونوں لپک پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اس چھوٹے روزہ کا حکم اور اس کی پابندیاں سب کو معلوم ہیں، سب روزہ دار کھانے پینے سے اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں، جو ممنوع ہیں، لیکن اس بڑے روزہ کا خیال بہت کم لوگوں کو

ہے، حالانکہ یہ روزِ ہم و گوں کو اس بڑے روزہ کے طفیل ہی ملا ہے، اس بڑے روزہ کی برکت سے ملا ہے، یوں سمجھئے کہ اس بڑے روزہ کے انعام میں ملا ہے اور عید بھی اسی روزے کے طفیل ملی ہے اگر اسلام نہ ہوتا تو نہ نماز ہوتی، نہ روزہ ہوتا، اور کچھ لیجئے جہاں اسلام نہیں وہاں نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ کلمہ ہے نہ اللہ پر یقین ہے نہ اس کے واحد ہونے کا یقین ہے، نہ حشر کا، کا روزِ قیامت کا، نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا، یہ سب دوست ایمان ہم کو اسلام کے طفیل ملی ہے، ہم گن بھی نہیں سکتے کہ کیا کیا دوتیس ہم کو ملی ہیں، یہ سب اسلام کے طفیل ملی ہے، عزت ملی ہے طاقت ملی ہے، روحانیت ملی ہے، اور مرنے کے بعد قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ملے گی، اس کا پوچھنا ہی کیا "وَمَالَا عَيْنَ رَأَتْ وَلَا اُذْ سَمِعَتْ وَلَا حَظَرَ عَلَى قَلْبٍ بَشَرٌ" نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا، تو اس (طویل و مسلسل) روزے کا لوگوں کو کم خیل آتا ہے، اب ہم آپ کو بتاتے ہیں معلوم نہیں پھر کبھی ہماری آپ کی ملاقات ہو یا نہ ہو اور ہمیں کچھ کہنے سننے کا موقع ملے یا نہ ملے، بڑے کام کی بات آپ سے کہہ رہا ہوں، کہ اس روزہ (رمضان کے روزہ یا غلی) میں پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کھانا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ روزہ ٹوٹ جائے تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں، تب ان کی قضا ہوگی، لیکن وہ روزہ جو اسلام کا روزہ ہے، اس کا بہت کم لوگوں کو خیال ہے، ہم بتاتے ہیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں منع ہیں، اس میں کھانے پینے کی محدود چیزیں جو حرام ہیں منع ہیں، اس میں شرک منع ہے، سب سے بدتر چیز جو اللہ کو نا پسند ہے وہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "ان الله يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء" قرآن مجید میں صاف آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا۔ باقی جس کو چاہے گا معاف کر دے گا۔

شرک کیا ہے آپ سن لیجئے، اس کو سب برا سمجھتے ہیں آپ بھی برا سمجھتے ہوں گے عقیدہ یہ جو ہے کہ یہ خیال کرے کہ کارخانہ عالم اللہ کا بنایا ہوا ہے اور وہی چلا رہا ہے، "الاله الخلق والامور" اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے جلانا، اس کو مانتے ہیں کہ خالق ارض و سموات اور کائنات چلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن چلانے کے بارے میں بہت سے بھائی ایسے ہیں جن کے دل میں کبھی ان کے دماغ میں یہ بات پورے طور سے جذب نہیں ہوتی ہے، اس نے اپنی جگہ نہیں بنائی ہے، وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ کارخانہ عالم تو اللہ نے بنایا، کن فیکون، کہہ دیا

بس بن گئی، لیکن چلاتے ہیں دوسری بستیاں شریک ہیں، جیسے کوئی بادشاہ اپنی مرضی سے کوئی کام کسی کے سپرد کر دے کوئی بات کسی کے ذمہ کر دے، بھائی تم خیرات بانٹ کر دیتے دیکھو بھائی پیسے کا خیال رکھنا، غلہ پہنچا دو، کچھ پہنچا دو جس کی ضرورت ہو، کوئی بیمار ہو اس کو شفا دے، کسی کے اولاد نہیں ہے، اس کو اولاد عطا کر دو، کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہے، اس کی خدائی کر دو کسی کا مقدمہ جتا دو وغیرہ وغیرہ۔

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے ذمہ کچھ کارخانہ سونپ دیئے ہیں تو اس میں اللہ کی شان کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی، ان کی قبولیت اور بزرگی کی وجہ سے اور اپنے ارادہ سے سپرد کیا ہے اور جب چاہے گالے لے گا۔

لیکن ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرا ہی کام ہے پیدا کرنا، اور میرا ہی کام ہے جلانا اور حکم دینا ”الا الہ الخلق والامر“۔

یہ دنیا تاج محل نہیں

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے کہ شاہجہان بنا کر چدے گئے، اب اس کے بعد کوئی چاہے دیوار پر کچھ لکھ دے، دھبہ لگا دے، کھونچ لگا دے، کوئی حصہ توڑ دے، وہ کچھ نہیں کر سکتے، ان کے بس میں کچھ نہیں اور شاہجہان کیا خواہ بڑے سے بڑا بادشاہ اور حکمران ہو۔

لیکن وہ کارخانہ یعنی کارخانہ عالم پورے طور سے اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے، وہی خدق کائنات ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہے، وہی حکمران، یہ وہ پیدا کرنے والا، جلانے والا، روزی اور اولاد دینے کے والے ”انما امرہ اذا اراد شیاً ان یقول لہ کن فیکون“ اولاد دینا، روزی دینا، قسمت اچھی بری کرنا، ہر انا جتنا اور کسی کو عزت دینا، کسی آئی ہوئی بلا کوٹال دینا، یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے اور ہمیشہ سے ہمیشہ رہے گا، اس دنیا کا ایک پتہ بھی اور ایک ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر مل نہیں سکتا، پوری باگ دوڑ عمان حکومت اور کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ توحید کامل ہونی چاہئے، اولاد وہی دے سکتا ہے، روزی وہی دے سکتا ہے، عزت وہی دے سکتا ہے، جلانا مارنا اسی کا کام ہے، یہ نہ کسی ولی کے قبضہ میں ہے نہ کسی

قطب کے قبضہ میں ہے، نہ کسی غوث کے قبضہ میں ہے، نہ کسی ابتداء کے قبضہ میں ہے، ایک بات یہاں سے یہ لے کر جائیے اور یہ وہ جگہ ہے، جہاں خاص طور پر اس چیز کی دعوت دی گئی اور پورے مندرستان میں پہونچی، پہلے عقیدہ توحید کو جانچنے کے آپ اللہ ہی کو مسبب الاسباب سمجھتے ہیں اور خالق و رزاق سمجھتے ہیں۔

ایک بات تو یہ اور اس کے بعد دوسری بات قیامت کا یقین و آخرت کا یقین ہے اور اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری پیغمبر ماننا، خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین محبوب رب العالمین ماننا، اور یہ ماننا شریعت انہی کی چل رہی ہے اور قیامت تک چلے گی، و آخرت میں کام آنے کی، قیامت تک اور کسی کی شریعت نہیں چلے گی، اُرونی آپ سے بعد نئی شریعت لے کر آئے تو وہ مذہب اور دین ہے، محمد ہے، دین کا باقی ہے، اور واجبِ شتم ہے، شریعت شریعت محمدی ہے ورنہ قیامت تک چلے گی اور ہر جگہ چلے گی اور اس پر جو چاہے گا وہ ہی فلاح یاب ہوگا اور سرخرو ہوگا۔

”پس حبیبِ خدا ہیں، جو آپ سے محبت کرے خدا اس سے محبت کرتا ہے اور آپ نے فرمایا: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ أَحِبَّ إِلَيْهِ مَوْلَاهُ وَوَلَدُهُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ“ یہ مرتبہ اور کسی بزرگ، ولی کیا چیز، کسی نبی اور رسول کو بھی نہیں ملے، یہ مرتبہ خدا نے آپ کے لئے رکھا تھا، ایک تو یہ کہ آپ پر ایمان بھی ہو، عقیدہ بھی ہو، محبت بھی، اور شفاعت کا شوق بھی ہو اور اہتمام کے ساتھ ساتھ یہ کہ آپ میں شریعت پر چمکنے کا اہتمام بھی ہو، کہ آپ پوچھیں آپ کے اندر جذبہ اور جستجو اس بات کی پیدا ہو۔

کہ مسئلہ بتائے اور اہل علم و فضل کے پاس جائیے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان میں یہ بات پورے طور پر نہیں ہے، شادی بیاہ کس طریقہ پر ہو، حضور صلعم اور صحابہ کا کیا طریقہ کا رہا تھا، خوشی کا اظہار اور غم کا اظہار بھی شریعت و سنت کے مطابق ہونا چاہئے ماتم گنا، بجانا، یہ ترک و احتشام و دھوم دھماکے اور شادیوں میں وہ سب کام کرنا، چاہے سود لے کر اور زمینیں بیچ کر، رشوت لے کر ہو، پس جس سے نام ہو، ہماری حیثیت عرفی بلند ہو، لوگوں میں اونچے سمجھے جائیں اور یہ

(۱) درویشہ علم لدنی مسجد جو حضرت سید محمد شہید کی دعوت توحید و جہاد کا سب سے پہلے مرکز بنی، ”درویشی“ کے نام سے مدتوں تک اس میں یہ دعوت پھیلی۔

جہیز کا مطالبہ اور نہ دینے پر نازیبا سلوک، کہ ردِ شرم سے جھٹ جائے، ایسی بری بات ہے یہ سب شریعت کے خلاف ہے، اللہ کو ناپسند ہے، سب میں ہم پابند ہیں نہیں شریعت کے، صرف نماز و روزہ میں ہی پابند نہیں، ہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پابند ہیں، ہر چیز میں سمارے سے نمونہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”تَلْ اِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّوْنَ اللّٰهَ تَاتِعُوْا بِیْ یَحْسُکُمُ اللّٰہُ“۔

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو۔ اُتر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

اپنی زندگی پر شریعت نافذ کیجئے

تو ایک بات یہ ہے کہ شریعت اسلامی پر عمل ہو اور شریعت کو آپ سمجھیں، کہ وہ پوری زندگی میں نافذ ہے، پوری زندگی پر اس کا سایہ ہے، پوری زندگی اس کے ماتحت ہونی چاہئے، یہ نہیں کہ بس نماز و روزہ شریعت کے مطابق ہوں، اس کے سنے مسئلہ چوبیس، اور نکاح و طلاق تجارت اور کاروبار میں آزاد ہیں، لڑائی بھی چل رہی ہے، جواب بھی چل رہا ہے، میٹھی ویشن بھی دن رات چل رہا ہے (جو ہوا حدیث کی بہتر تشریح ہے) اسراف اور فضول خرچی بھی چل رہی ہے، نمود و نمائش بھی جاری ہے، ہمسایہ قوم کی نقالی بھی چل رہی ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد روزہ میں جیسے غیبت منع ہے ایسے ہی اس روزہ میں بھی غیبت منع ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا، فحش بکنا، رشوت دینا اور رشوت لینا، سود خوری اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے، تو آپ یہ سمجھ کر جائیں کہ یہ روزہ تو انشاء اللہ اب ۵-۶ دن باقی ہیں انگلے جمعہ کو شید عید ہو جائے یا اس کے بعد ہو، اگر ۳۰ کا رمضان ہوا، اس کے بعد ہم آزاد ہیں ہرگز نہیں، ہم آزاد نہیں ہیں، وہ روزہ برابر چلتا رہے گا، وہ روزہ ابھی بھی ہے، بلکہ وہ اس روزہ پر بھی سایہ فلک ہے، اور یہ روزہ اس روزہ کا جزو ہے، جو آپ رکھ رہے ہیں، وہ روزہ چلتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سب سے بڑی چیز اور تمنا کرنے کی ہے بلکہ جس کے لئے جان کی بازی گا دینا اور جس کے لئے جان فدا کر دینا جسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ ہے، ہماری آزادی، غریبی، مفلسی، دوستی، دشمنی، کامیابی اور ناکامی، یہ سب گزر جائے گی، بس خاتمہ ایمان پر فرمائے، اوسواء اللہ کو

اس کی بڑی فکر تھی، ان کے حالات پڑھتے، جن کا نام سینے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، ان کو یہ فکر ہوتی تھی بلکہ دوسروں سے دعا کرتے تھے، کہ خاتمہ بخیر ہو، سب کے دل سے یہ لگی ہوئی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے خاتمہ بخیر فرمایا ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ یہاں سے رمضان ختم ہونے کے بعد آپؐ یہ نہ سمجھیں کہ چھٹی ہو کئی اب، مہینہ تازا میں جو چاہیں کریں، مزید نہیں، آپؐ آزاد باطل نہیں ہیں، آپؐ کے گلے میں اسد کا طوق پڑا ہوا ہے، آپؐ کی تختی آپؐ کے شناختی کارڈ پر لکھا ہے کہ آپؐ مسلمان ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس روزہ کا حساب ہوگا، اور اس روزہ کا بھی حساب و کتاب ہوگا، ہم نے آپؐ کے سامنے آیت پڑھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اليوم اكملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً" میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، چاہے کوئی تبدیلی مانا چاہے، سلطنت ہے، بادشاہ ہے، کہ ایسا کرو اور وہ کرنا چاہے، بڑے سے بڑا مسلمان اور عجم کا دعویٰ کرنے والا ہے، کچھ ہوئے کو نہیں جو چیز حرام ہے قیامت تک حرام رہے گی، دنیا میں کسی کو اجازت یہ نہیں اور نہ اس کے لئے مجال ہے کہ اس میں ترمیم کرے، شریعت میں اب کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، وہ چیزیں جو حرام ہیں حرام ہی رہیں گی۔

یہاں سے آپؐ ارادہ کر کے جائیے کہ اگر کسی کی جائیداد آپؐ کے قبضہ میں ہے اور آپؐ کی نہیں ہے تو اس روزہ کا تقاضا ہے کہ آپؐ اس جائیداد کو چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوگا، آپؐ اللہ کے خوف سے ایسا کریں اور ہمیں کہ لو اپنی جائیداد اپنا ترکہ یہ تمہیں مبارک ہو، اب ہم نے توبہ کی ہے تم جھوٹ بونا، جھوٹی گواہی دینا، دل آزاری کرنا، گالی بکنا، ناجائز، حرام ذرائع آمدنی، رشوت وغیرہ جن سے پیسے ملتے ہیں، حرام ہیں، اور قیامت تک ناجائز ہی رہیں گی، اسی طرح سود ہے کہ بعض لوگ اس دور پر فتن میں اس کے جواز کی شکلیں نکال رہے ہیں کس قدر افسوسناک بات ہے جس چیز کو شریعت و دین نے حرام قرار دے دیا، قیامت تک حرام رہی رہے گی۔

کوشش یہ کیجئے کہ آپؐ کا روزہ صحیح طریقہ پر اس کا افطار ہو، شاہ غلام علی صاحب مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقشبند یہ مجدد یہ سلسلہ کے بار مشائخ میں تھے، نواب میر خاں نے جوان کے مرید تھے، ارادہ کیا، جب انھوں نے سنا کہ حضرت کے یہاں پانچ پانچ سو آدمی رہتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں اور آپؐ ہی جوان کی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں، کوئی آمدنی نہیں، کوئی

جہاد نہیں تو انھوں نے ایک بڑی رقم پیش کر لی اور کہا کہ حضرت اس وقیوں فرما میں فرمایا کہ فقیر نے روزہ رکھا تھا اور جب آفتاب ڈوبنے لگے تو کوئی روزہ نہیں توڑتا، اب میرا آفتاب عمر ڈوبنے کے قریب ہے، اب کوئی جتنا کہے کہ یہ چیزیں لے لو، یہ دوا ادا کرو، میں روزہ نہیں کھوں گا، کہ تمام دن روزہ رکھا اور اب جب افطار کا وقت قریب ہے تو توڑ دوں۔

ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اسلام کا روزہ ہے، ساری عمر کا روزہ ہے، بھی نہیں ٹوٹ سکتا، جو چیزیں حرام ہیں، حرام ہیں، غلط ہیں، عقیدہ خاص ہونا چاہئے، سمجھ دیجئے، نہ کوئی قسمت بری بھی بنا سکتا ہے، نہ کوئی آئی ہوئی بد اکون سکتا ہے، نہ اوروں سے لے سکتا ہے، نہ فوری، لے سکتا ہے کہ آپ کسی اور سے مانگیں جو پٹھ مانگنا ہو، اسی سے مانگیں جو وسیع و مجیب ہے، وہ فرماتا ہے۔
 ”وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاقِمْ قَرِيبَ اجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا فَلَيْسَ بِمُتَحَيِّوَالِي وَلَیْؤُ مَوَالِیْ لَعَنَهُمُ یٰرَبُّہُمْ یٰرَبُّہُمْ“ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اپنے رسولِ معظم سے کہ بندہ تجھ سے میرے بارے میں پوچھے، تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ دعا کرے۔

پس آپ یہاں سے بڑے روزے کا خیال لے کر جائیے، خوش ہوئیے، اللہ کا شکر ادا کیجئے، یہ روزہ تو ختم ہو رہا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ اور رمضان بھیب کرے، مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، صحت کا اعتبار نہیں، ہاں وہ مسلسل و طویل روزہ رہے گا، وہ روزہ مبارک ہو، اس روزہ کا خیال رکھئے وہ روزہ نہ توڑیے گا، وہ روزہ اگر ٹوٹا تو سب کچھ ٹوٹ گیا، سب کچھ بگڑ گیا، پس یہی دور روزے ہیں، ایک روزہ ہے قریب المعید، وہ ہے رمضان کا روزہ اور دن بھر کا روزہ ہے، ایک روزہ ہے، جو زندہ رہے، اور مسلمان لے لے جب سے وہ بالغ ہوا، اس دن تک جب تک سانس اور جان میں جان ہے اور وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا اس کا بھی جب تک بدن میں اس کے جان اور رہا ہے، اس وقت تک باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس روزے کو برقرار رکھیں اور اس روزے پر جنمیں اور مریمیں۔

رب توفنا مسلمین و الحقما بالصالحین

واحر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

معاشرہ پر روزہ کے اثرات

الحمد لله بحمده و بستعيه و يستغفره و نو من به و بتوكل عليه و
نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل
له و من يصل الله فلا هادي له و يشهد ان لا اله الا الله وحده
لا شريك له و يشهد ان سدا و مولانا محمد اعمده و رسوله صلى
الله تعالى عليه و على آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من
الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم.

روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل و احکام

اسلام نے روزہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے، وہ قوانین و مقاصد انہوں کے نقطے سے مکمل ہے،
فائدہ کا سب سے زیادہ ضامن ہے وہ اس عزیز و عظیم اور حکیم و نبیہ خدا کی خدمت و مشیت پوری
طرح جلوہ فگن ہے۔

الا یعلم من خلق و هو اللطیف الخبیر

یاد رہی، گاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے، وہ تو (بڑائی) باریک میں اور (پورا) باخبر ہے۔
اس نے پورا مہینہ (وریہ رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا، مسلسل مہینہ بھر کے
روزوں کے لئے مخصوص کیا ہے، جس ایک دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم ہے اور راتوں کو صائے
پینے کی اجازت ہے اس وقت عربوں میں روزہ کا مفہوم یہی تھا، اور اسلام کی عامی شریعت میں
بھی اسی کا اعتبار اور اسی پر عمل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

” (روزہ میں) دن کا دائرہ طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے، اس سے
کہ عربوں کا حساب اور ان کے دن کی مقدار اسی بنیاد پر ہے اور عموماً شواہد روزہ میں ان
کے یہاں یہی بات معروف و مسلم تھی، مہینہ کا آغاز رویت ہمد سے ہے اور رویت ہمد

تک ہے، اس لئے کہ عربوں کا حساب شمسی مہینوں پر نہیں چلتا۔

رمضان کو روزہ کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے روزہ رمضان میں فرض کئے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو برکتوں میں سعادتوں کا اجتماع بڑی حمت اور اہمیت کا حامل ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا، اور گم کردہ راہ انسانیت کو صحیح صادق نصیب ہوئی اس نے یہ مہینہ منسوب تھا کہ جس طرح طلوع صبح صادق روز کے آغاز کے ساتھ مربوط رہی گئی ہے، اسی طرح اس مہینہ کو بھی جس میں ایک طویل اور تاریک رات کے بعد پوری انسانیت کی سچ ہوئی، پورے مہینہ کے روزوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے، خاص طور پر اس وقت جب کہ اپنی رحمت و برکت، روحانیت اور بہت باطنی کے لحاظ سے بھی یہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل تھا اور بجای طور پر اس کا مستحق تھا کہ اس کے دنوں کو روزے سے اور راتوں کو عبادت سے آراستہ کیا جائے۔

روزہ و قرآن کے درمیان بہت گہرا تعلق اور خصوصی مناسبت ہے اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تلاوت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے، ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بخنی تھے، لیکن رمضان میں جب جبریلؑ آپ سے ملنے آتے ہیں اس زمانہ میں سخاوت کا معمول ور بڑھ جاتا، جبریلؑ رمضان کی ہر رات میں آپ کے پاس آتے اور قرآن مجید ۱۱۰ رات، اس وقت جب جبریلؑ آپ سے ملتے، آپ سخاوت، داد و بخش اور نیکی کے کاموں میں تیز ہو سکتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس مہینہ کو قرآن مجید کے ساتھ بہت خاص مناسبت ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید اسی مہینہ میں نازل کیا گیا ہے، یہ مہینہ ہر قسم کی خیر و برکت کا جامع ہے آدمی کو سب بھریں مجموعی طور پر جتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اس مہینہ کے سامنے اس طرح ہیں جس طرح سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ اس مہینہ میں جمعیت باطنی کا حصول پورے سال جمعیت باطنی کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس میں انتشار اور پریشان خاطر کی بقیہ تمام

دونوں بندہ پورے سال کو اپنی لپیٹ میں لے جیتی ہے، قابل مبارک باد ہیں، وہ لوگ جن سے یہ مہینہ راضی ہو کر گیا اور ناکام و بد نصیب ہیں وہ جو اس کو ناراض کر کے ہر قسم کی خیر و برکت سے محروم ہو گئے۔“

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

”اس مہینہ میں کسی آدمی کو اعمالِ صالحہ کی توفیق مل جائے تو پورے سال یہ توفیق اس کے شامل حال رہے گی اور اگر یہ مہینہ بے دلی، فلو و تردد اور انتشار کے ساتھ گزرے تو پورا سال اسی حال میں گزرنے کا اندیشہ ہے۔“

حضرت ابو ہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے، اس سلسلہ کی احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

عبادات کا عالمی موسم اور اعمالِ صالحہ کا جشن عام

ان تمام چیزوں نے رمضان کو عبادت، ذکر و تلاوت اور زہد و تقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشن عام کا زمانہ بنا دیا ہے، جس میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان عالم و جاہل، امیر و فقیر، کم ہمت و ورع، حوصلہ ہر قسم اور ہر روئے کے لوگ ایک دوسرے کے شریک و رفیق اور ہمدم و مددگار نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر، ہر گاؤں اور ہر دیہات میں ہوتا ہے، امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جوہ نظر آتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خود سری اور خود آرائی کرتا ہے نہ روزے کے لئے دونوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دوا نکھیں عطا کی ہیں، عالم اسلام کے صوبیل و غریب رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلاں و جہاں کا مشاہدہ خود کر سکتا ہے، ایسا معصوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سمیت کا ایک وسیع شہانہ سایہ فلگن ہے جو لوگ روزہ کے معاملہ میں ذراست اور کاہل ہیں وہ بھی امتِ مسلمین سے پیچھے کے ذرے روزہ رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور اگر کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے تو چھپ کر و شرم کے ساتھ کھاتے ہیں، سوائے ان چند ملحد اور فساق کے جن کو ملانیا بھی اس بے شرمی میں کوئی عار نہیں ہوتا، یا ان

بیکاروں اور مسافروں کے جو شرعاً معذور ہیں، یہ ایک اجتماعی اور عامی روزہ ہے، جس سے خود بخود ایب اسکی سازگار اور خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے، جس میں روزہ آسان معلوم ہوتا ہے، دس روزہ پڑباتے ہیں اور لوگ عبادتوں میں طاعتوں اور بندوبستوں وغیرہ کے مختلف کاموں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کراثرات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ہشتم بصیرت نے اس کیفیت کو اچھی طرح محسوس کیا تھا وہ حدیث ”اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة“ کی تشریح کرتے ہوئے ہیں۔
 ”روزہ چونکہ ایک عمومی اور اجتماعی شکل کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے وہ رسوم کی دسترس سے محفوظ ہے، اگر کوئی جماعت اور قوم اس کی پابندی کرتی ہے، اس کے لئے تو شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں“، اسی جگہ لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کی مختلف صفوں اور مختلف جماعتوں کا ایک وقت میں ایک چیز پر اجتماع اور اجتماع میں سب کا ایک دوسرے کو، یہنا روزہ ہونے سے آسان بنا دیتا ہے اور اس سے ان کی بہت بہت افزائی ہوتی ہے۔“

”ان طریقوں کی یہ اجتماعیت خواص و عوام دونوں جیسے سلوٹی برکتوں کے نزول کا باعث ہے، اس میں اس کامکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ ان کے کالمین دو اصدیقین پر جو انوار ناز ہوں وہ ان سے نیچے واؤں کو بھی فیض یاب کرتے جاتے ہیں اور ان کی دعا میں ان پیچھے واؤں تک پہنچتی رہیں۔“

فضائل اور اس کی قوت و تاثیر

زندگی نفس کی خواہشات اور عقل کے تقاضوں کی مستقل کشمکش کا نام ہے، بین اس کشمکش میں ہمیشہ خواہشات کی ہی فتح نہیں ہوتی، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، اب حیل و حقیقت فطرت انسانی سے بدگمانی اور حقیقت سے روگردانی ہے۔

جو وقت زندگی کے پہیہ کو تیزی کے ساتھ حرکت دیتی ہے اور جس کے دم سے دنیا کا

بازارِ سرم اور اس کی رونق قائم ہے، وہ نفع پر یقین ہے، یہی وہ یقین ہے جو کسان کو سخت سردی کے موسم میں اپنے بستر سے اٹھ دیتا ہے، اور اندھیرے منہ کھیت میں پہونچا دیتا ہے، اور لو کے تھپڑوں اور سورج کی تپس میں کھیت جوتے اور اپنے پسینہ بہانے کی قوت بخشتا ہے، یہی یقین ایک تاجر کو گھریا اور راحت و آرام چھوڑ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہونے پر آمادہ کرتا ہے، یہی یقین فوجی کے سنے موت و آسمان اور زندگی و شواہد دیتا ہے، جو چیز اس کو اپنی محبوب اور کو چھوڑ کر بے تکلف میدانِ جنگ میں چلے جانے پر آسانی ہے، وہ نفع کا یقین اور مستقبل میں کسی فائدہ کی توقع ہے اور یہی وہ محور ہے جس کے سرزندگی کی چمکی گھومتی ہے۔

یہی اس یقین کے سویک یقین اور ہے جو اپنی انقلاب آفرینی اور قوت و تاثیر میں اس یقین سے ہمیں بڑھ کر ہے، جس کی مثالیں اور پیش کی ہیں، یہ ان نفع کے حصول کا یقین ہے، جس کی خبر انبیاء کرام اس دنیا میں کے آئے اور وحی اور تمام آسمانی صحیفوں نے اس کی تصدیق اور تلقین کی، اس کو ہم خدا کی خوشنودی اور دنیا و آخرت میں اعمال کے بدلہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ روزہ صحت کے لئے بھی مفید ہے اور خاص طبی نقطہ نظر سے بھی ہر شخص کے لئے مناسب اور بہتر ہے، کہ وہ سال میں کچھ دن ضرور روزہ رکھے اس لئے کہ زیادہ کھانے اور پینے ہر وقت انواع و اقسام کے مہانوں کی فکر میں بہتر رہنے کا نتیجہ یہ ہے کہ طرح طرح کے جسمانی اور اخلاقی عوارض پیدا ہو گئے ہیں اور تقریباً ہر شخص ان سے عاجز اور پریشان ہے اور یہ، نئے پر مجبور ہے، کہ طب و صحت کے نقطہ نظر سے بھی روزہ کے بہت فوائد ہیں۔

لیکن اگر یہ تحقیق کی جائے کہ ان لوگوں کی تعداد اس سال کیا تھی، جنہوں نے رمضان کا روزہ محض اپنی صحت ٹھیک کرنے کے لئے یا اقتصادی صلاح کی بنا پر رکھا؟ اور کتنے ایسے روزے تھے جو صرف معدہ کی اصلاح، صحت کے اصول یا کفایت شعاری کے جذبہ سے رکھے تو ہم کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے لوگوں اور اس قسم کے روزوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، یہاں تک کہ جڑے کے روزوں میں بھی جب اس میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی، ان کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہ ہو سکا، حالانکہ صبحی اور اقتصادی روزہ شرعی روزہ کی بہ نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے اور اس میں اتنی نازک پابندیوں کی بھی ضرورت نہیں۔

اس کے برعکس اُسرانِ روزہ داروں میں مرد و شکاری کی جگہ جو روزہ محض ایک دینی فریضہ سمجھ کر ورلڈ تھائے کے وعدہ اور آخرت کے بدلہ کی بنیاد پر رکھتے ہیں تو ہمیں نظر آنے لگے گا کہ مادیات کے غلبہ اور دینی جذبہ کی ضعف و رافرونگی کے باوجود ان کی تعداد اکھوں سے کی طرف کم نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو شدید ترین گرمی اور پیاس کی تکلیف کے باوجود محض دینی حساس کی بنا پر خوشدلی سے روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو عبادت بھی کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان کی نظر میں دینی منافع و فوائد کی قیمت (جن کا ہم ہم کو امتیاء کرام کے ذریعہ حاصل ہوا) ان معاشی طبعی فوائد سے نہیں زیادہ ہے جن کا ہم اہلِ دُعاؤں اور اقتصادیات کے ماہروں سے ہم کو حاصل ہوتا ہے، روزہ کے متعلق ایسی ایسی باتیں اور وعدے ان کے علم میں ہوتے ہیں جن سے سامنے روزہ کی معمولی تطبیقات و روق بھوک پیاس بالکل بیک اور ناقابلِ ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”ابنِ آدم کا ہر عمل کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور کئی اس گنا سے بڑھا کر ساتھ سو تک بڑھا دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سوائے روزہ کے اس لئے کہ بیشک وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، میری خاطر اپنا کھانا اور پتی خوش نفس سب چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک قطارے وقت اور ایک رب سے ملاقات کے وقت اور بیشک روزہ دار کے منہ کی بولتھوں کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی اور پاکیزہ ہے۔“

ابنِ سعید عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ”جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام ”ریان“ ہے اس میں صرف روزہ دار بلائے جائیں گے جو روزہ داروں میں سے ہوگا وہی اس میں داخل ہوگا اور جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ بھی پیرا نہ ہوگا۔“

روزہ کی روح اور حقیقت کی حفاظت

اور ایجابیت و سلبیت کا امتزاج

رمضان کی اجتماعی نوعیت اور معاشرہ میں اس کے رواج و عمومیت کی وجہ سے اس کا اندیشہ تھا کہ عادت و تقلید اور رسم و رواج کا عنصر اس پر رفتہ رفتہ غالب آجائے گا اور بہت سے لوگ محض اپنی سوسائٹی اور ماحول کا ساتھ دینے اور طنز و ملامت سے بچنے کے لئے اور اس ڈر سے کہ

ان پر نگلیں نہ اٹھائی جائیں، روزہ رکھنے پر مجبور ہوں گے، یرن اور نیت روزہ کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی قیمت کے یقین اور استحضار سے ان کے دل خالی ہوں گے، بہت سے لوگ، دنیٰ اغراض و مقاصد یا طبی اور ظاہری کے حصول کے لئے روزہ رکھنے لگیں گے اور اس طرح اس کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

نبوت کی دوریں نگاہ نے اس ضرورت کی اطلاع اور اس فتنہ کا سد باب سب سے پہلے یہ اور یہ شرط لگا دی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ روزہ مقبول ہے جو ایمان و احتساب کے جذبہ کے ساتھ رکھا جائے، حدیث نبوی ہے۔

من صام رمضان ايمانا واحتسابا عفر له ما تقدم من ذنبه۔

جو شخص انسانی کمزوریوں اور خامیوں و رانسانوں کی مختلف اقسام سے واقف نہیں وہ بہت سستہ ہے کہ اس قید اور شرط کی سیاضہ و رت تھی رمضان کے روزے صرف مسلمان ہی رکھتے ہیں اور خدا کی خوشنودی اور اجر و ثواب ہی کے لئے رکھتے ہیں، اس لئے ایمان و احتساب کی شرط لگانا، ایک بالکل زائد خیز اور تحصیل حاصل ہے لیکن جو شخص انسانی احساسات و نفسیات اور اخلاقی و اجتماعی حرکات سے گہری واقفیت رکھتا ہے، اور اس کی زندگی کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے اور اس دور میں انتظام اور اس دقیق و عینیق علم کے سامنے ہر تسیم و تجز کے ساتھ خم کر دے گا جو خواہش نفس پر نہیں وحی الہی پر مبنی ہے:

وما يطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى

ایمان و احتساب کی تشریح ایک دوسری حدیث میں یہ آئی ہے کہ ”انسان تمام اعمال ثواب کی امید رکھتے ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و خوشنودی کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے انجام دے“

عبداللہ بن عمر و بن اعاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”چار چیزیں خصمتیں ہیں جن میں سب سے اسی بکری کا عطیہ ہے ان میں سے کسی ایک خصمت پر بھی ثواب کی امید پر اور اس پر جو ثواب مقصود ہے، اس کے یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آدمی کو جنت میں داخل کر دے گا، شریعت اسلامی نے روزہ و ہیبت اور ظاہری شکل پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی روح کی طرف بھی پوری توجہ

ہی ہے، اس نے صرف اُٹھانے پینے اور جنسی تعلقات ہی کو منع نہیں کیا بلکہ اس چیز و حرمت اور ممنوع قرار دیا ہے، جو روزہ کے مقاصد منافی اور اس کی حکمتوں و روحانی و خدائی فوائد کے لئے مضر ہے، اس نے روزہ کو اب تقویٰ، دلوں اور زبان کی عفت و طہارت کے حصار میں جمیر دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُشد مبارک ہے کہ کوئی روزہ سے ہو تو نہ بدکلامی اور فضول برائی کرے نہ شور و شر بہ کرے، نہ کوئی اس کو کان، لے اور لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو تو یہ اہل کفر کے ہیں روزہ میں بھول، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے جھوٹ بیان اور اس پر عمل نہ کرے نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اس کی موت نہیں کہہ دینا اُٹھنا پینا چھوڑے، روزہ جو تعاقب و عطف و روحانیت سے خالی اور محروم ہو تو وہ ایک ایسی سورت ہے جس کی حقیقت نہیں ایسا نہ ہے جس کی روح نہیں، حدیث میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ کتنے روزہ، میں جن کو نے روزہ سے سوتے پیتے سے کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور کتنے ایسے عبادت گزار ہیں جن کو اپنے قیام میں شب بیدار کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

حضرت ابو عبیدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”روزہ اُٹھنا ہے جب تک اس کو پھر نہ ڈال جائے۔“

سرمی روزہ صرف قلبی امور و احکام کا نام نہیں جس میں صرف اُٹھانے پینے بغیر بغل خور کی بڑائی، جھگڑے اور گالی گلوچی کی ممانعت ہو، وہ بہت سے ایسی ہی امور و احکام کا بھی مجموعہ ہے، یہ عبادت و تہذیب و تربیت، ہمدردی و خیر خواہی اور غربا پروری کا زمانہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس میں جو کسی ایک شخصیت و رایہ عمل سے خدا کا قرب حاصل کرنا چاہے گا وہ دوسرے دنوں کے ادائیگی فرض سے برابر سمجھ جائے گا اور اس میں فرض ادا کرے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو غیر دنوں میں ستر فرض ادا کرے، یہ صبر کا مہینہ ہے اور اور صبر کا بدھ جنت ہے اور عفواری کا مہینہ ہے۔“

زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو روزہ دار کو افطار کے لئے تو اس کو روزہ دار کے برابر جرأت کا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔“ اللہ تعالیٰ نے اس امت میں تراویح کی حفاظت اور اس کے اہتمام کا جذبہ بھی پیدا کیا فرمایا ہے، تراویح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن آپ نے تین دن پڑھ کر اس

کو چھوڑ دیا تھا، کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائیں اور مشقت کا باعث ہو، ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ مجھے عروہ نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہؓ نے خبر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار دیر سے رات میں اپنے گھر سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ چھ اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کے متعلق گفتگو شروع کی اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے (دوسرے روز) جب آپ نے نماز پڑھی تو سب نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح ہوئی اور اس کا چرچا ہوا، تیسری رات نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور سب نے آپ کے ساتھ نماز کی، جب چوتھی رات آئی نمازیوں کی کثرت سے مسجد میں جگہ نہ رہی، یہاں تک کہ فجر کی نماز کے لئے آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھنے کے بعد عموں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں کی موجودگی سے مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر نمل پیرا رہے اور اس امت نے مختلف مکوں اور مختلف زمانوں میں اس کی پوری پوری حفاظت کی، یہاں تک کہ تراویح کی یہ نماز تم اہل سنت اور صالحین امت کی علامت بن گئی اور اس کے علاوہ اس سے حفظ قرآن میں بڑی مدد ملی اور اس کو بہت رواج اور عمومیت حاصل ہوئی، نہ جانے کتنے سینوں میں وہ محفوظ ہو گیا، مزید براں اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے امتہ الناس کے ایک بہت بڑے طبقہ و محض تراویح کے ذریعے قیام لیل اور عبادت کی عادت نہایت بڑھ گئی ہے۔

اب سب چیزوں نے رمضان کو عبادت کا جشن عام، تلاوت کا موسم اور ابرار و متقین اور عباد صالحین کے حق میں تفصیل بہار بن دیا ہے، اس میں اس امت کا دینی جذبہ ایمان کا احترام اور عبادت کا شوق پوری طرح جھوہ گر ہو کر سامنے آ جاتا ہے اور اس کی توبہ و نابت قلوب کی نرمی، خدا کی طرف رجوع، احساسِ ندامت اور کارِ خیر میں جذبہ، مسابقت، اس نقطہ عروج پر ہوتا ہے جس کے عشرِ شیرت دنیا کی کوئی قوم اور انسانوں کا کوئی گروہ نہیں پہنچ سکتا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

پوری زندگی عبادت ہے

الحمد لله بحمده وستعبته وستعمره ويومس به ويتوكل عليه ويعود
بالله من شرور افسا ومن سات اعمالا من يهده الله فلا مضل له
ومن يصله فلا هادي له وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له
وشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلي الله عليه واله
وصحبه وذريته وازواجه واهل بيته وبارك وسلم تسليما كثيرا
كثيرا اما بعد! قل ان صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب
العالمين لا شريك له وبدا لك امرت وانا اول المسلمين
(اے محمد! یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب
خدا کے رب العالمین ہی کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا
ہے اور میں سب سے اول قرماں بردار ہوں۔

عبادت کا مفہوم:

حضرات گرامی! اول تو عبادت کا مفہوم سمجھ میں عبادت کا مفہوم یہ ہے، عبادت کا
مفہوم ہے کہ کسی کام کو اللہ کی خوشی کے لئے اللہ کے حکم کے مطابق اجر و ثواب کے دلچ میں
کرنا، بروہ عمل جو اللہ کی خوشی کے لئے اور اتنا ہی کافی نہیں بلکہ اللہ کے حکم اور شریعت کے
مطابق اور اس میں کوئی سنت ثابت ہے تو اس سنت کے مطابق ادا کرنا، اجر و ثواب کی امید
پر، اور اس پر جو وعدے ہیں، ان پر یقین کے ساتھ انجام دینا عبادت ہے، اور یہ بات ہر
عادت کو عبادت بنا دیتی ہے اور یہ روح نکل جائے تو عبادت خدا عادت اور محض رسم، اور
نفس کی پیروی رہ جاتی ہے۔

اللہ ایک جامع چیز ارشاد فرماتا ہے کہ کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

ان صلاتی ونسکی ومحياي ومماتي لله رب العالمين

بے شک میری نماز، میری عبادت، میری قربانی، میرا جینا مرنا، سب اللہ کے لئے ہے جو

رب معین ہے۔

پہلے مذاہب کی تقسیم یہ تھی (اللہ کی طرف سے تو نہ تھی) کہ مذاہب والوں نے اپنے انجھ
طوتوں اور تحریف زمانہ، جب مذاہب میں تحریف ہوئی اور خارجہ اثرات غالب آئے وہاں حوال
جن قوموں سے یہ منتقل ہوئے تھے۔ جنہوں نے اس دین کو قبول کیا، ان کی تہذیب کی
صنمیات، جس کو دیو ما کہتے ہیں، (Athology) ورنہ اثرات مذاہب پر غالب آنے تو
انہوں نے مذاہب میں تقسیم کی کہ عبادت تو اللہ کے لئے اور باقی زندگی آزاد، اس میں جیسی
مصنعت ہو ویسا کیا جائے گا جیسا قانون ہو اس پر چلا جائے گا اور اس میں ہم آزاد ہیں گے اور
اس میں ہماری نیت کوئی اللہ کو راضی اور خوش کرے سیدھے نہیں ہے بلکہ ضرورت پورا کرنے کے
ب۔

یہاں تک کہ پھر یہ تقسیم ہوئی (جس کو سچی تاریخ کا یہ پران فقرہ ادا کرتا ہے) جو اللہ کا ہے
وہ اللہ کے دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کے دو، انہوں نے مذاہب میں گویا سب تقسیم کی۔ اور
نہ ہے کہ "تدک ادا قسمة صیزی" کہ جب ایک تقسیم ہوئی تو اللہ کا حصہ کم نکلے گا، قیصر
کا حصہ زیادہ نکلے گا، اس لئے کہ اس سے وسط مذہبی طور پر پڑتا ہے اور اس کا اثر بھی رہتا ہے
معرفت صحیح نہ ہونے کی بناء پر اور اس کے جو مظاہر ہیں، طاقت کے، ور سطنت کے وروہ
سامنے ہوتے اور اس کو راضی رکھنے کیسے فائدہ بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے، مادی نگاہوں سے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اصل طور پر عیسائیت (جو اسلام سے پہلے کا سب سے آخری دین ہے وہ)
عقائد و عبادات کے بہت تھوڑے حصے میں محدود ہو کر رہ گئی، اور ساری زندگی وہ دنیاوی دین بنی
وہ پرق کی، دوست پرستی کی، طاقت پرستی کی زندگی ہو کر رہ گئی۔ اور عیسائی بالکل اپنے معشرہ
میں اپنے حدود عیسائیت میں، (وہاں مذاہب تو عیسائی تھے مگر وہ) شتر بے مہار ہو کر رہ گئے۔ جس
سے فائدہ دیکھتے چار پیسے کا وہ کرتے چاہے مذاہب کے بالکل خلاف ہو مذاہب ایک نقطہ بن گیا
ممکنہ تھا جیسے صفحہ پر ایک نقطہ ہو، وہ نقطہ بن کر وہ کیا چرچ میں جائیں تو وہ عیسائی تھے جائیں تو
صرف اتوار کے دن اور اتنی دیر سیئے جائیں؟ اور وہاں بھی رسوم زیادہ تر ہوتی ہیں یوں کرو، اس
طرح بیٹھو اور اس طرح اقرار کرو گنہوں کا، پادریوں کے سامنے اس طرح بیٹھو اور گناہ بھی نہ بھی
ہو رہا ہے کچھ پڑھا جا رہا ہے، بس۔ اور اس کے بعد وہ بالکل آزاد۔

لیکن اسد مرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بالکل پیٹ دیا، اور پوری زندگی کو اللہ کی اصاحت اور اللہ کی عبودیت میں ڈھال دیا، اور اللہ کی عبودیت میں پوری زندگی کو تحلیل کر دیا۔ کہ اب سب کچھ اللہ کا ہے، غیر اللہ کا نہیں، بے شک تمہیں کھانے پینے کی آزادی حدود سے اندر کہ ”قل من حرم ربة الله النی احرح لعباده والطیبت من الررق“ کھو پیو بدایک و پاک چیزیں، لیکن جو کام کرو اول تو اللہ کے احکام کیلئے کرو، پھر اللہ کی رضا مندی کی نیت سے کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری زندگی عبادت بن جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت صاف لفظوں میں کہا ”اِنَّ صَلَاتِیْ وَنَسْکِیْ وَمَحَاسِیْ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ کہ میری ”نصوۃ“ (جو عبادت کا سب سے بڑا نام نہ ہے) میری بندگی، میرا زہد، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے۔ یہ بڑی چیز ہے پوری زندگی ایسے کافی ہے کہ جن کی زندگی کو اللہ نے اپنی عبودیت میں اور اپنی عبودیت میں ڈھال دیا تھا۔ بالکل اس جو خاص عبادت ہی بن گیا تھا۔ وہ اللہ ایک برتریدہ بندہ کہہ رہا ہے پھر اس کی زبان سے کہلوایا یہ قرآن مجید میں تاکہ قیدت تک مسلمان اس کو پڑھیں اور اس کو اپنے لئے مشعل ہدایت بنائیں۔

کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ”اِنَّ صَلَاتِیْ“ میری تائمر، میری عبادت ”وَنَسْکِیْ“ میری قربانی۔

”نَسْک“ کا لفظ بھی بہت وسیع ہے میرا زہد، میرا تقویٰ، میرا کسی کو چھوڑ دینا اور نہ سرنے اور میری قربانی ”وَحِیِّیْ وَمَمَاتِیْ“ جینا اور مرنے ”لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ سب اللہ کے لئے ہے۔ کون سا اللہ؟ اور میں یہ کیوں کرتا ہوں؟ ”اِنَّ شَرِیْکَیْ“ کوئی شریک نہیں اس کا تو کسی عبادت میں کوئی شریک نہ ہونا چاہئے ”اِنَّ شَرِیْکَیْ“ یہاں ایک نمین صحن آ گیا ہے کہ نماز، روزہ، اور کھانے پینے کیوں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اس لئے کہ اگر کوئی شریک ہی نہیں، اگر کوئی شریک ہوتا تو میں کہتا کہ نماز اللہ کی اور کھانا دوسرے کا، لیکن جب اس کا کوئی شریک ہی نہیں ہے، حقیقت میں اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ تو اپنی کوئی چیز دوسرے کو کیوں دوں، سب اللہ کا ہے پھر جب وہ وحدہ اشریک ہے تو میری زندگی بھی ایک اکائی ہونی چاہئے میری زندگی بھی اکائیوں میں تقسیم نہ ہونی چاہئے۔ ورنہ زندگی سب رضائے الہی کے لئے ہو جائے تو وہ ایک

اکائی بن جاتی ہے اور وہ ایک اکائی ہے بندگی!

”لاشریک لہ وندالک امرت وانا اول المسلمین“ فرماتے ہیں کہ مجھے اسی

کا حامد دیا گیا، اور میں پہلا، اس کا ماننے والا ہوں اور پہلا سر جھکا دینے والا ہوں۔

یہ آیت بہت جامع اور اپنی زندگی کے اندر پورا دستورِ اعمال رکھتی ہے اور قیامت تک

کے مسلمانوں کے لیے مشعلِ ہدایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق بخشے آمین۔

وما علیہا الا السلاغ المین

رمضان المبارک کا مبارک تحفہ

ہر سال رمضان المبارک میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی رحمۃ اللہ کا یہ معمول ہوتا ہے کہ تکیہ کلاں رائے بریلی کی مسجد میں بعد نماز جمعہ حاضرین سے خطاب فرماتے ہیں ان تقریروں کا مرکز عنوان اسی روزہ ہوتا ہے، نین زندگی کے تمام پہلوؤں سے ان کا تعلق ہوتا ہے، اس ماہ مبارک کے آغاز میں ہی توبہ شتاب حدیث حضرت مولانا رحمۃ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، مدیشہ ہو رہا تھا کہ خدا نخواستہ اس معمول میں فرق نہ آجائے۔ مین اللہ تعالیٰ نے خاص فضل و کرم کا معاملہ فرمایا، آپ نے رمضان ۱۴۱۹ھ کے پہلے جمعہ کو اسی تقریر فرمائی مگر وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

”یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون“۔

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

یہ رمضان المبارک چونکہ ہر سال آتا ہے اور جن کو اللہ نے زندگی عطا فرمائی ہے ان کے لئے ایک امتحان بھی ہے، امتحان یہ کہ جو چیز بار بار آتی ہے، اس میں آدمی کے اندر اخلاص پیدا ہونا اور صرف رضا کے انہی کا طالب ہونا ایک امتحان بن جاتا ہے، بہت سے لوگ عادتاً رتے ہیں تو ان کے اندر غضبت و وقعت پیدا نہیں ہو پاتی اور جو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں ان پر یقین نہیں جم پاتا ہے، اس لئے کہ بہت سی چیزیں طبعی و فطری ہوتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے۔

”من صام رمضان ایماناً واحتساباً عفر له ما تقدم من ذنبه“۔

یہ بڑے سوچنے کی بات ہے اور یہاں سے آپ یہ سیکھ جائیے اور پورے رمضان بھر اس کو ذہن میں محفوظ کیجئے، یہ اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی فرما سکتا تھا، دنیا کا بڑے سے بڑا

مبصر اور ماہر نفسیات بڑے سے بڑا تبصّر شناس اور حقیقہ بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا، کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ پر یقین کرتے ہوئے اور اس بوجہ و ثواب کی امید میں تو اس کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی پوچھ سکتا ہے کہ آدمی روزہ اور کس کے لئے رکھے گا، وہ بھلا چھوڑ دیتا ہے، گرمی میں پانی پینا چھوڑ دیتا ہے اور بہت بڑا خطہ مول لے لیتا ہے اور سخت مشقت کی زندگی گذارتا ہے تو اجر و ثواب ہی کی نیت سے تو کرتا ہے لیکن جو لوگ انسانی نفسیات اور سیرکادوبی اور انسانی کمزوری سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب کوئی کمزوری عمومی طور پر رہتی ہوئی ہے تو وہ بے شعوری اور غفلت سے ہوتی ہے۔

رمضان المبارک کا تقاضا

ہر چیز کا یہ موسم ہوتا ہے، گرمی کا موسم، سردی کا موسم، بارش کا موسم، یہی رمضان کا موسم بھی ہوتا ہے، اس موسم کا تقاضا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں اور عبادات و طاعات میں اور اضافہ کیا جائے، اس موسم سے بھی متاثر ہوتے ہیں لیکن انھیں اس کا دھیان نہیں رہتا کہ وہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں، اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا پینا چھوڑ رہے ہیں، صرف بندن رضا چاہتے اور اس کی چھ پروا نہیں ہے کہ لوگ کیا نہیں کرتے، روزہ رکھنے پر لوگ تعریف کریں گے اور نہ رکھنے پر لوگ برائی کریں گے اور تنقید کریں گے، بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے، تو ضروری چیز اس میں یہ ہے کہ نیت کا استحضار رہے، آدمی اپنے کھانوں، محاسبہ کرے، اللہ ربہن نہ لیں باتا دھیان نہ نہیں جاتا، کہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں کھانا پینا کیوں چھوڑ رہے ہیں، جب کہ اللہ نے ہم کو سب کچھ دیا ہے، روزے کے سلسلے میں جو فضائل وارد ہوئے ہیں اور جو بشارتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں، اس سلسلے میں جو وعدے مذکور ہیں ایسے تو یہی ہے جو اسی آیت نے آخر میں فرمایا: "لعلکم تتقون" باقی معیشت میں برکت حاصل ہوتی ہے، قلب منور ہوتا ہے، مذہبوں سے بچنا آسان ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد مفرا تہ تھے، اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے، کہ ہم چاہی سکتے ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے یہ سب چھوڑ رہے ہیں، یہ ایک لمحہ کا کام و

ثواب ملتا ہے، ہمارا بھوکا رہنا، اللہ کو پیارا لگتا ہے، اللہ خوش ہوتا ہے کہ اس بندے نے ہمارے حکم کی تعمیل کی اور محض ہمارے خوشی کے لئے وہ بھوکا پیاسا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی خوشی ہوتی ہے، مگر افسوس کہ اکثر لوگ ادھر خیال جاتا ہی نہیں ہے، کہ یہ جو روزہ رکھا ہے اس کی یہ عظمت ہے، اللہ کا اس پر یہ انعام ہے، اللہ کو اس پر ستا پیارا آتا ہے، ادھر ذہن جاتا ہی نہیں، اس میں نیت و حاضر کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ ہر چیز تو اپنے وقت پر ہوتی رہتی ہے، اور اپنے موقع پر انجی مہ پاتی ہے، سب شریک ہوتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ آدمی کے ذہن میں اس کا اصل مقصد اور نیت بھی ہو، ایک ہوا چپتی ہے، موسم ہوتا ہے جو اپنا اثر چھوڑتا ہے، سب اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

طیفے کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ لہٹو میں پہلی مرتبہ صاحب رید یو اسٹیشن قلم ہو مجھ سے یہ فرمائش کی گئی کہ رمضان قریب آ رہا ہے، رمضان کے سنے میں کوئی ٹاک لکھ دوں ورنہ ہراڈ کا سٹ ہو، ٹاک ہم نے کھائی سیکن اس کے بعد ہی فوراً ہمیں کوئٹہ کا ایک سفر پیش ہو گیا، اور آگے افغانستان کی سرحد کا ایک دینی و دعوتی نہرورت سے یہ سفر تھا، تو جب رمضان کی شب آئی اور جس رات کو چاند ہوا تو ہمارے عزیز بھائی مولوی ابوبکر صاحب حسنی (جو اس وقت یہاں موجود بھی ہیں) انھوں نے وہ مضمون پڑھا، ہم چند کلمات میں تھے، یہاں ایک فوجی فسر مسلمان تھے، یہاں ہماری دعوت تھی، وہاں منظور صاحب نہماںی بھی مدعو تھے ورنہ دعوت انھوں نے احمدا اور تعلق کے، ظہار کے سے کی تھی، اس دعوت میں اور بھی فوجی افسران شامل ہوئے تو ایک فوجی افسر صاحب آئے اور رہنے لگے، مولانا آپ نے تقریر کھنڈ سے پورنی تھی، ہم نے بھی سنی پڑی آپ بھی باتیں آپ نے فرمائیں، بین مہنا صاحب آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ روزہ روزہ میں آتا ہے، وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا، ہمارے روزہ رشتے ہی کی ہے میں، اگر افطار میں بڑا مزہ آتا ہے۔

تو آج جب نماز روزہ میں ہمارا یہ حال ہو گیا ہے تو دوسرے امور میں سے دھین رہنے کا، میں آپ سے کہتا ہوں کہ کہ دین کے سارے ہی اعمال اور امور پر یہ شہادتیں ہیں، دین، کھانا و رکھنا کسی سے ملنے جانا، کسی کی مدد کرنا، کسی سے محبت کے ساتھ ملنا، ان سب میں نیت کی ضرورت ہے نیت تازہ کرے تو وہ عمل عبادت بن جاتا ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں جیسے سب غیر مسلم بر

رہے ہیں اسی طرح ہم بھی کر رہے ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ مسموم اور غیر مسموم کے عمل میں بالکل کوئی فرق نہیں لیکن ایسا ہوتا ہے کہ نہ وہ کوئی نیت رتے ہیں اور نہ ہم کوئی نیت رتے ہیں۔

اس وقت امت میں جو بیماری زیادہ پھیلی ہوئی ہے، وہ بے نیستی ہے، آج بد نیستی کم ہے، بے نیستی زیادہ ہے، اور یہ نتیجہ ہے بے شعور اور غفلت کا۔

بڑے سے بڑے کام بے نیستی سے ریتے ہیں اور بے تو اس کا بھی تجربہ ہو اور مشاہدہ بھی کہ حج بھی قرب الہی کی نیت سے نہیں رتے اور اس کی عظمت کی وجہ سے نہیں ہند اس میں بھی کچھ مانتا ملاتا ہے، شہرت ہوتی ہے کہ فلاں نے دسواں حج کیا، فلاں نے پندرہواں حج کیا، بعضوں کی زبان سے اس کا اظہار بھی ہو تو حج میں بھی یہ بات پیدا ہو گئی ہے، یہ رمضان سے روزے ہیں اس کے مقابلے میں جو اللہ کے مقبول بندے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ ان کا وہی فعل نیت کے بغیر نہیں ہوتا، آپ چونکہ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس کی مناسبت سے عرض کرتا ہوں، آپ نے نام سن ہو گا حضرت سید احمد شہید کا وہ یکتا پیدا ہوا، ان کا نام سے نہیں مدر ہے اور بال ٹوٹ میں وہ شہید ہوئے، انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا، جب سے ہوش آیا اور شعور بیدار ہو، اس وقت سے اس وقت تک کوئی روزمرہ کا کام بھی رضا ابی کے بغیر نہیں کیا، استنجہ کیا ہوں تو اس میں رضائے الہی کی نیت کی۔ میں پاپ ہوں، کی سے میں رہتا ہوں تو اسی نیت سے، کسی کو ہنسایا ہو تو اسی نیت سے، کھانا کھایا ہو تو اسی نیت سے، انھوں نے اتنے وثوق سے فرمایا کہ شعور کے پیدا ہونے کے بعد سے اس وقت تک کوئی عمل رضا ابی کے بغیر نہیں کیا، اب ہم اپنے کوٹھ میں تو معصوم ہوتا ہے کہ کوئی عمل بھی ہم نے اللہ کی رضا کے لیے کیا ہو اور یہ کہ آخرت میں ہم کو اس کا ثواب ملے گا اور اللہ راضی ہو گا، عبادت کا یہ حال ہو یہ ہے کہ وہ عبادت بن گئی ہیں، بے شعوری دل و دماغ اور اعصاب پر چھٹی ہے، جیوتھی ہنا کھایا لیکن اس پر جو اللہ کے یہاں اجر کا وعدہ ہے اس کو ذہن میں نہیں رکھتا کوئی عمل جو اللہ کا پسندیدہ ہے اس کا شعور نہیں، کھانا کھانے پر بھی اجر و ثواب کی نیت نہیں ہوتی، اس میں ریا اور شہرت چلی ہوتی ہے و ریا اور شہرت چلی بہت بہت بری چیز ہے، ہم سب کو الزام نہیں دے سکتے، مگر یہ بے شعوری کی بات ہے، بد شعوری کم بے شعوری زیادہ ہے، تو یہ منٹ بون، کھانا، پینا، کھلنا پلانا، آنا جانا، یہ سب شعور اور استحضار نیت سے کرنا چاہئے اور بہت سی چیزیں چھوڑ دینا

جو ہم کر سکتے ہیں مگر وہ دین کے خلاف ہیں اس سے اب نہیں کریں گے۔ تو سب میں رضائے الہی کی نیت ہونی چاہئے یہ ایک آسان کام بھی ہے اور وسیع کام بھی ہے، اتنا وسیع کہ اس سے وسیع دوسرا کام مشکل سے ملے گا، کچھ کرنا نہیں، بس اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے ہم ان سے ہنس کر صرف اس لئے بول رہے ہیں کہ اللہ راضی ہو جائے، جب اس شعور سے ساتھ کام ہوتا ہے تو زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے، ورنہ شیب و فرائض زندگی رہتی ہے، کہ نماز تو اللہ کے لئے پڑھیں اور ادھر کسی سے ملنے چھ گئے تو بس ایسے ہی چھ گئے، کسی سے تعلق و محبت ہے تو ایسے ہی ہو گیا، جب یہ شعور ہوتا ہے تو پوری زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

بس یہاں سے آپ یہ چیز لے کر جائیں کہ جو کام کرنا ہے، اللہ کی رضا کے لئے کرنا ہے، سب کام میں رضا الہی کی نیت ہونی چاہئے، ہم تھکے ہیں پریشان ہیں، اتنے میں مہمان آ گئے، اب بٹ شت سے ان سے منا ہے، موڈ نہیں ہو رہا ہے، جی نہیں چاہ رہا ہے، لیکن ان کی خاطر تواضع کرنی ہے، اس لئے کہ اللہ کی رضا اس میں ہے، اس لئے کہ اللہ کو یہ عمل پسند ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے، جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو پوری زندگی پر نور کی چادر چھا جاتی ہے اور رحمت الہی کا سایہ ہوتا ہے اور اس کا اصل فائدہ قیامت میں معلوم ہوگا، جب اللہ کے سامنے جائیں گے، تب قدر آئے گی کہ یہ چھوٹا سا عمل آج کتنا بڑا بن کر سامنے ہے کہ فلاں کا کام کر دیا تھا اور فلاں سے ہنس کر ہو لے تھے۔

یہ تحفہ ہے رمضان المبارک کا پہلا اور عظیم تحفہ ہے، بس یہ کہ آپ کی نیت رضائے الہی کی ہونی چاہئے، ایک دوسری حدیث میں ”من قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا عفر له ما تقدم من ذنبه“ وارد ہوا ہے یہ پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے اور کس کے بس کی بات ہے؟ پیغمبر و اللہ نے یہ ہم بخش، ورنہ یہ اطوار دی کہ کبھی دینی کام بھی آدمی اپنی خواہشات سے کر لیتے ہیں اپنے بعض فوائد اور اغراض و منافع سے کر لیتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا، پیغمبر کو ہی اللہ نے یہ بصیرت عطا فرمائی ہے اور ان کے ذریعہ سے اسکی حقیقت کو واضح کیا ہے، بس یہی رمضان المبارک کا تحفہ ہے، آپ کے لئے اور یہی اس مبارک مہینہ کا پیغام ہے آپ کی زندگی کے لئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی سرحدوں کی حفاظت

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد فاعوذ

بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. يا ايها الذين آمنوا

اصبروا وصابروا وابطلوا واتقوا الله لعلكم تفلحون

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام لو، صبر کی فضا اور اس کا ماحول پیدا کرو، ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب اور تلقین کرو، اور سرحدوں کی حفاظت پر جمے رہو، اور اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر کام کرو تا کہ تم کامیاب ہو اس آیت میں جو پہلا حکم اور اولین خطاب ہے وہ یہ کہ ایمان والو، صبر سے کام لو۔

ایک زبان سے کوئی لفظ جب دوسری زبان میں جاتا ہے اور وہ بہت مہم سفر کرتا ہے تو وہ سفر مکانی بھی ہوتا ہے اور زمانی بھی، یعنی وہ لفظ بہت دور سے آتا اور بہت دور تک جاتا اور لوگوں میں پہنچتا ہے تو اس کے معنی میں کچھ فرق آ جاتا ہے یہ معنی محدود ہو جاتے ہیں پہلے وہ لفظ بہت وسیع رقبہ پر محیط اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا، لیکن بعد میں وہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے ان الفاظ میں صبر کا لفظ بھی ہے جس کے ساتھ تھوڑی سی حق تلفی ہوئی لیکن اس نے صبر سے کام لیا وہ یہ کہ صبر کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر کچھ صدمہ پڑ جائے اور کوئی حادثہ پیش آ جائے یا کوئی تکلیف ہو تو ضبط کر دینا وہ روز احوال نہیں اور اپنی شکایت نہ کرو، لیکن عربی میں صبر کے معنی اس سے کہیں زیادہ وسیع ہیں، صبر کے معنی ہیں۔ جم جانا، پختہ رہنا اور مقصد نہ کرنا اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اپنے اصولوں کو نہ چھوڑنا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وصابروا“ اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو، صبر کا ماحول، اس کی فضا اور کیفیت پیدا کرو، جیسے کوئی بہت بڑا شرمینہ ہوتا ہے۔ اگر تھوڑے آدمی ہوں گے چھوٹا شرمینہ ہوگا، اگر کئی سو اور کئی ہزار ہوں گے تو بڑا شرمینہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تلقین فرماتا ہے کہ صبر کا تنہا شرمینہ نہ بنو کہ سب کے سروں پر وہ تانا بٹا

ہو۔ پھر آخر میں فرماتا ہے ”وَرَابِطُوا“ اپنے عقیدہ کی سرحدوں پر بند رہے کچھ ہو جائے دنیا بدن جائے حکومتیں بدن جائیں، لکہ اور زبان بدن جائے، طاقت بدن جائے، ہم اپنے عقیدے سے، جو اللہ کے رسول نے اور سب پیغمبروں نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اس سے ہم سر مو انحراف نہ کریں گے اور عقیدہ و توحید سے باز نہ رہیں گے کہ اس دنیا کا بنانا اور اس کا چلنے والا دونوں ایک ہے۔ ”الاله الحلق والامر“ تخلیق اسی کا کام ہے، حکم دینا اور انتظام کرنا اسی کا کام ہے، بہت سے مذاہب اور فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا تو اللہ میاں نے بنائی ہے، لیکن اس کو بہت سی طاقتیں چلا رہی ہیں، کوئی جلاتا ہے، کوئی مارتا ہے، کوئی بیکار کواچھا کرتا ہے اور کوئی اچھے کو بیکار نہیں اللہ تعالیٰ ہی نے اس دنیا کو پیدا کیا اور وہی اس کا نظم و نسق چلاتا ہے۔ تو درابھوا کے معنی یہ ہے کہ اپنے عقیدے کی سرحد پر بیٹھ جاؤ اور اس سے ہرگز ہٹنے نہ پاؤ چاہے کتنے بڑے بڑے امتحان آزمائشیں پیش آئیں، مصیبتیں آئیں، آندھیاں آئیں، زلزلے آئیں، بجلیاں بریں ہم اپنی سرحد سے ہٹنے والے نہیں ہیں، کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہم کو وہاں سے ہٹا نہ سگے اور بال بچوں کو چھوڑ دیں گے، اپنے عقیدے اور اپنے دین سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ یہ آیت اگر ہم اپنے دل پر لکھ لیں اور ہمارا ذہن اس کو قبول کرے اور اللہ توفیق دے تو ہر زمانے کے لئے پورا پیغام رکھتی ہے اس زمانے کے لئے تو خاص طور سے یہ آیت معجزہ ہے جیسے اس زمانے میں یہ آیت اتری ہو اور اس زمانے کے لوگوں سے خطاب ہو۔

یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کے لیے جہاں اور چیزیں ہیں وہیں تھوڑی سی سمجھ اور تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق شرط ہے ان سب کے ساتھ تھوڑا سا ارادہ اور تھوڑی سی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہمت چاہئے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو جو پیغام ملا ہے اس کو ہم سینے سے لگالیں گے اور اس کو اپنی زندگی کا مسئلہ بنالیں گے، جان جائے چلی جائے لیکن ہم دین سے ہٹنے والے نہیں، اس نے پیغمبروں کے ذریعہ ہم کو جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کے سامنے دنیا کی تمام دولتیں اور تمام حکومتیں سرد ہیں، اس نعمت کو دانقوں سے پکڑ لو اور آنکھوں میں اس کو بٹھاؤ اور دل میں جگہ دو، جس نے اس دین کی قدر کی تو اس نے گویا مضبوط نری کو تھام لیا ”فقد استمسک بالعروة الوثقی“ ہر زمانے کا اور خاص طور سے اس کے تقاضے بدستور رہتے ہیں، زمانہ کے امتحانات اور اس کی آزمائشیں بدستور رہتی ہیں

اس کی ترغیبات، اچیں اس کی زبان، اس کا قانون حتیٰ کہ نیک محبوت و سیاست میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، میں کسی ایک ملک اور کسی ایک زمانہ کو بھی نہیں بہتا میرے سامنے تو پوری تاریخ ہے بھی ایسا بھی وقت آتا ہے جب اپنے دین پر قہر رہنا مشکل ہو جاتا ہے دوسری طاقتیں اس کو اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے اور اپنی طاقت میں آنے اور اپنا سکہ چلانے اور ملک پر حکومت کرنے کے لیے یہ پوشش برتی ہیں کہ مسلمان اپنے دین سے ہٹ جائیں، ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہماری دیوہانی قہوں پر وادہ اور شرک کے متعلق اپنے رویہ میں تبدیلی کرو، یمن دین کا مطالبہ یہ ہے کہ بن چلی جائے مگر دین میں سے بڑی قبول نہ کریں۔ دین و حفاظت میں ارسینوں اور بناروں نہیں لکھوں جائیں چلی جائیں ورمز میں قربان ہو جائیں تب بھی کوئی پرواہ نہیں کہ اصل چیز جس سے قبر اور قیامت میں واسطہ پڑنے والا ہے وہ یہی دین ہے وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ تمہارا رب کون ہے، تمہارا دین کیا ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں قبر میں یہ کام نہیں آئے گا کہ آپ فداں کے بیٹے ہیں اور ایمان کے پائل ہیں کسی میونسپلٹی یا ریاست و حکومت کے ورز اور حکام ہیں، جس طرح آپ ٹرین میں بخیر ٹکٹ سوار ہو جائیں اور ٹکٹ لکھ ٹکٹ مانگے تو آپ یہ نہیں گے کہ ہمارے پاس ابھی گھڑی اور چھ ساز و سامان ہے ہم فلاں کے بیٹے اور فلاں کے چوتے ہیں سین آپ کے اس جواب سے کوئی فائدہ نہ ہوگا وہاں تو ٹکٹ کا سوال ہوگا یہی حال اس طالب علم کا ہوتا ہے جو امتحان میں پرچہ کا صحیح جواب دیتا ہے تو کامیاب ہو جاتا ہے، قبر کا بھی یہی حال ہے، جب اپنا دین اور اپنا ایمان کام آتا ہے اس دنیا کا بھی یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ یہ ہمارے دین پر لتنا قائم ہے اور اس کے لیے کس نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور کتنی مضبوطی اور استقلال کا ثبوت دیا ہے۔

تو سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ صبر و ضبط سے کام لو، دین پر مضبوطی سے جمے رہے، دوسروں کو بھی تھامے اور جمائے رکھو اور ان کو صبر کی تلقین و ترغیب دو۔ یہ اس طرح حاصل ہوگا کہ پہلے خود علم دین حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی دین کا علم دیں اور اس کی فکر کریں کہ ان کا دینی عقیدہ ٹھیک ہے یا نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول کو پہنچانے ہیں کہ نہیں، یہ نہیں کہ بچوں کی ترقی و خوش حالی اور دولت مند گھرانوں میں ان کی شادی کر دی جائے اس کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں، اگر آپ نے اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دی۔ اس لئے بنیادی کام یہ ہے کہ اپنے

بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا ہتمام کریں اور اس کی رہ میں کچھ قربانی دینی پڑے۔ کچھ خط و موں مینا پڑے۔ مین ہمت سے کام لو اور اپنے بچوں، گھر والوں پھر محلہ والوں اور اس سے بڑھ کر گاؤں والوں و قریب و جوار کے لوگوں کو گھوم پھر کر دین کی تعلیم دو اس لیے تبلیغی جماعت ہے۔ اس کا کشتہ برپا جاتا ہے کہ جو ملت اور دولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے اور جتنا دین آپ جانتے ہیں وہ دوسروں کو بھی بتائیے، اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ قریب مجید اور اردو پڑھے بغیر بچوں کو نہ دیکھئے چاہے وہ آپ کو احمکائیں اور کہیں کہ یہ کیا ہے میں نے۔ یہ سنا نہیں گئے، ان آج کل کی زبان پڑھائیے، آج کل کا دور پر حساب مسنون بھیجئے، لیکن نہیں خدا کے یہاں آپ کا دامن ہوگا اور ان کا ماتم ہوگا اور میں تو رستہ نہیں خدا کا دست قدرت و درست غصب نہ ہو اور آپ کا دامن نہ ہو کہ یہ پڑھایا تھا اپنے بچوں کو اور کیا سکھایا تھا ان کو۔

آپ یاد رکھیے کہ دینی تعلیم کے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کا رہنا ممکن نہیں ہے، دنیا میں جو چیزیں اثر ڈالتی ہیں اور ان کے نتائج ہوتے ہیں، تعلیمی طاقت، سانی طاقت، مالی طاقت، قانونی طاقت اور حکومتی طاقت کے اثرات اور نتائج ہم نے دیکھے ہیں لیکن دینی تعلیم کے بغیر امت اسلامیہ، امت اسلامیہ بن رہندوستان میں نہیں رہ سکتی اس لیے ہم قیمت پر اپنے بچوں کو جغرافیہ پڑھائیے، تاریخ اور ادب پڑھائیے، سائنس اور حساب پڑھائیے لیکن پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ دین کی بھی تعلیم دیجئے، مسجد مسجد اور گھر گھر اس کا انتظام ہونا چاہئے، اس تعلیم کو خوب چلایئے، اس دین کی تعلیم تو آپ پھیلائیے گا نہیں اس کو دبا کر بکس میں بند کرے رکھیے گا تو پھر اس کے یہ خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ ہمیں سے کوئی ڈاکو کر اس پر ڈاکہ ڈال دے لیکن اگر آپ نے اپنے آپ اس پاس کے ماحول کو صحیح رکھا دوسروں کو بھی اس صورت میں شریک کریں گے تو دوسرے بھی اس کو عزیز رکھیں گے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کریں۔

اب جو زمانہ آ رہا ہے کہ وہ نیاز نہ ہے، اس میں نئے انتخابات ہوں گے نئی حکومت بنے گی اور جو لوگ حکومت بنا سکتے ہیں وہ قانون بھی بنا سکتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو نئے خطرات اور نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا اور دوسروں کو بھی صبر و استقامت کی

تتقین و ترتیب دینی ہوگی اگر ہم نے اخلاص و استقامت کا ثبوت دیا اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر سارے کام کیے تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی لیکن اگر مسلمانوں نے دینی تعلیم کے معاملے میں کوتاہی کی تو مسلمان سے مسلمان بن کر اس ملک میں نہیں رہ سکتے، کسی اور چیز کا خطرہ ہم نہیں بتاتے کھانے کو بھی ملتا رہے گا، جانوروں کو بھی ملتا ہے، غیر مسلم بھی آپ سے اچھا کھاتے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے یہاں آپ مسلمان نہیں سمجھے جائیں گے اور اس قدر اور مسلمانوں کے دفتر میں آپ کا نام نہیں لکھا جائے گا۔

و ما علینا الا ابلاغکم بین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان باتوں کا خیال رکھیں تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی

بسم اللہ و صلی علی رسولہ الکریم اما بعد ۝ فاعوذ باللہ من الشیطان

الرجیم ۝ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝

حضرت نے فرمایا۔

پسند باتیں جو تشریر کے طور پر ہیں یہ نہ کوئی خاص تحقیق ہے، نہ علمی مضمون ہے، بلکہ ایک
معمولی ضابطہ کے طور پر ان بھی یوں کے کہنے پر جو آئے ہوئے ہیں، ترجمان اور نمائندہ ہیں بھائی
مہد او، حد الجرائز کی نے کہا اپنے رفقاء کے لیے، کہ بچھان سے بہرہ و بھگت اس پر یہ عمل کریں
جس سے روحانی ترقی کر سکیں۔ اللہ سے تعلق بڑی چیز ہے، اس سے تعلق پیدا ہو، اس میں
تین ہم باتیں ہیں جو عملی ہیں، روزمرہ میں بناتے ہیں۔

ایک چیز جس سے لوگ بہت غافل ہیں وہ نیت ہے۔ چھ کام کرتے ہیں اور اس
میں اللہ کی رضا کی نیت اور استحضار نہیں ہوتا۔ انہیں اس سے یہ تیار نہیں ہوتا کہ یہ کام یہاں
کر رہے ہیں عادتاً کرتے ہیں یا عبادت کر رہے ہیں، اس کو حدیث کی اصطلاح میں نیت اور
حساب ہے۔ حدیث میں آتا ہے: "من صام رمضان ایماناً و احتساباً عقر لہ
مانعہ و من دسہ" جو رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین رکھنے والے، اس سے
اس کے اجر و ثواب کی بات ہے۔ یہ ترجمہ حضرت مولانا محمد ایاز صاحب کا کیا ہوا ہے۔ ہم
حدیث پڑھتے ہیں، الحمد للہ ہم نے حدیث پڑھائی، بخاری شریف بھی پڑھائی، مگر اتنا اچھا
ترجمہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا ایاز صاحب کی زبان سے سنا کہ جس نے رمضان کے
روزے رکھے، اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں تو سب

نہ معاف ہو گئے۔ نذر رمضان کے روزے جو ہیں وہ ہیں لیکن صدقِ رضا کے لیے اور مسلمان اس کے حکم کی تعمیل میں رکھتا ہے

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ رمضان کے روزے فاس میں توفیق نہ ہو سکتے ہیں لیکن اس میں دین تیار ہو کہ ہم اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں۔ اللہ کے وعدہ یہ ہے کہ روزے کا اجر میں اس کا اجر اس کے جو فضائل حدیث میں آئے ہیں بہت زیادہ ہیں یہ نفلِ انعام کا ہے اور یہ روزہ میرے سننے سے کہ بدہ میں اس کا خیر میں بھی نہیں کہ روزہ ان ورکے یہ رہا ہے کہ ایک حیفہ ذہن میں آ گیا اتفاق سے کہ یہاں یہ بدلہ بھی موجود ہیں جو ہمارے بھائی ہیں ریڈیو کیشن کے شہر کے لیے ہمارے ترقی ترقی کارڈ ہولی اسی رمضان کے فضائل کے متعلق ریڈیو کیشن کی کھڑکی تھی۔ ہم نے تقریر کیا اور اراکی اور ہر چستان کے اندر یہ سچے سننے اور سمجھنے میں تھے۔ وہاں سے ایک بڑے فون فر جو مسلمان تھے۔ شاید بائیں بریلی کے طرف سے تھے۔ انہوں نے فخری دعوت دی۔ ہم تھے اور موانہ منظر صاحب تھے اور روزے کا پہلا دن تھا۔ اتفاق سے ان دن ریڈیو کے ہماری تقریر شروع ہوئی تھی اور انہی بھائی بوٹر صاحب نے پوچھی تھی۔ ہم چونکہ پتے سے تھے اس لیے ان کے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی، وہ فون فر ہوئے بعد ان تھے جس نے ہماری بات سن کر فریاد کرنا شروع کیا۔ یہ سن کر انہوں نے اپنی آواز میں باتیں کرنا شروع کر دیں۔ آپ نے میں ایک بات اس میں رہی کہ روزہ کھولنے میں جو مزا آتا ہے اس کا آپ نے

نہیں کیا اور میں روزہ رکھتا ہے ان کے ہونے میں کہ انہوں نے جو مزا آتا ہے، وہ نہ کسی دعوت میں نہ کسی کھانے میں مزا آتا ہے (معلوم - واک - وہ ٹیسٹ ہیں دین پر پور یقین نہیں رکھتے ہیں) مسلمان میں روزہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اپنی زبان سے کہا کہ ہم روزہ اس سے رکھتے ہیں کہ روزہ کھولنے میں مزا آتا ہے۔ وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا۔

تو ایک چیز تو یہ ہے اس سے بہت غفلت ہے اور اس سے غفلت کی وجہ سے ہم بہت بڑے ثواب سے محروم ہیں اور روحانی ترقی سے بھی کہ ہم جو بھی کام کریں اللہ کی رضا کے لیے کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے اس ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی غفلت میں ہو جاتا

ہے، حالانکہ حدیث میں آتا ہے، جب آدمی وضو کرتا ہے، ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے سب کچھ جو ہاتھ سے کیے ہوں وہ سب کے سب اس کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ دھل جاتے ہیں اور جب کلی کرتا ہے تو زبان سے جو کچھ ہوئے ہیں وہ سب معفو ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ

حضرت مولانا ایساں صاحب فرمایا کرتے تھے، وضو ہوتے وقت یہ یقین ہو کہ ان کے اعضا کے دھلنے کے ساتھ ان سے جو جو کچھ ہوئے ہیں وہ سب دھل گئے۔

مسجد میں جانا نماز کے قطر میں بیٹھنا یہ سب عبادتیں ہیں ان کے علاوہ کسی مسلمان بھائی نے خوش ہو کر بونہ اس کے ساتھ اخلاق برتن یہاں تک کہ کھانا کھانا اس میں بھی یہ نیت ہو کہ تم کھانا کھا رہے ہیں، اس نیت کھا رہے ہیں کہ تم میں قوت آئے، نماز پڑھیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کی ایک بات کتاب میں ہم نے دیکھی بڑی حیرت انگیز ہے، بارہویہ اللہ کی بات ہے، فرماتے ہیں کہ جب سے خوش سنبھالا ہے (جب سے سوچو بوجھ ہوئی ہے) اس وقت تک پتہ نہیں اس عمر میں بات جی تھی۔ تیس ۳۰ برس کی عمر میں یا چار ۴۰ برس کی عمر میں اور چھیا بیس ۶۰ برس کی عمر میں ہوئی (شہادت ہوئی) کوئی کام امور صبیحہ میں بھی کیا نہیں کیا۔ مثلاً سونا چاندی، پتہ اپہننا، کھانا کھانا، کسی سے ملنا، کہیں جانا جس میں اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب کی نیت نہ رہی ہو۔

تو ایک یہ روایت کا راستہ ہے جس کو ہم بتا رہے ہیں۔ مذہب میں بھی توفیق دے کہ جو ہم ہم کریں اس پر ذہن کا استحضار رکھیں اور آکٹ چیزوں پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے، مسلمان بھائی سے ہنس کر بولنا، خوش ہو کر بولنا، محبت سے بات کرنا، کسی کی مدد کرنا، راستہ سے کانٹا ہٹا کر ہٹا دینا، چیز ہٹا دینا، کسی کو راستہ بتا دینا، کسی سے یہاں عیادت کے لئے جانا ان میں اجر و ثواب کی امید ہو، ایمان و احتساب ہو، یعنی خدا کے وعدوں پر یقین اور ثواب کی امید ہو، اگر یہ کریں گے تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی، پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی، اور یہ بات ذہن کو تازہ کرنے اور کچھ چھ عرصہ بعد اس میں باقی کو یاد کرینے، یاد لینے کی ضرورت ہے اور اس میں کوئی مشکل نہیں ہے، یہ تو سب یہ تو یہ ہے، وضو کرنا، نماز کے انتظار میں بیٹھنا سب اور یہ عید منے رک جاتے ہیں۔ سب جاتا رہا رہا ہے ہیں کہ وہ کہیں گے کہ ہمارے یہاں نہیں آئے ہم سے ناراض ہیں یہ سب کیا ہے۔ اگر یہ نیت کریں کہ عید منے اس لیے وہاں جا رہے ہیں۔ ہمارے مسلمان بھائی خوش ہوں گے، مذاں صاحب

فلاں دوست خوش ہوں گے کچھ بیٹھ کر اللہ کی یاد کریں گے۔ ویسے بھی مسلمان سے ملنا اور سلام کرنا ثواب ہے تو ہانے میں بھی، ملنے میں بھی، ملاقات، تعلقات سب میں نیت ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی کتاب کا مطالعہ، سب سے بہتر کتاب ان میں ہے "اراد المعاد فی ہدی حیر العباد" بن قیم کی جتنی آخرت کی راہ راہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا۔ اس طرح آپ نماز پڑھتے تھے، اس طرح روزہ رکھتے تھے، اس طرح عبادات، معاملات، معاملات، اور اس طرح آپ کھانا کھاتے تھے، شراب میں اندکانا لیتے تھے، شکر کرتے تھے، اور اس طرح بیٹھتے تھے یہ آداب ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کتابیں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتابیں ہیں، حضرت شیخ الحدیث کی کتابیں ہیں، ہماری کتاب "دستور حیات" ہے تو نہیں دیکھا جائے، پڑھا جائے۔ ہم دیکھیں کہ کون سا کام اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اسی طرح کرنے کی کوشش کی جائے۔

ایک بات تو یہ ہونی اور باتیں تو چند ہی ہونا ہیں تیسری بات یہ ہے کہ پچھ فرحت پہلے ٹھننے کی کوشش کی جائے۔ چارہ ہی ۴ رکعت ہوں، دو دو رکعت کر کے پڑھیں۔ وہ وقت بد وقت کی رحمت متوجہ ہونے کا ہے، بلکہ ہی دو دو رکعت پڑھے۔ اللہ توفیق دے تو آٹھ رکعت ہو مسنون ہیں ورنہ چارہ ہی رکعت پڑھے۔ اس کے بعد پچھ ذر و استغفار کریں۔ اس پر تمام اویس و اللہ کا اتفاق ہے۔

اور تمام طرق جو تصوف کے صوفیہ ہیں، اور صالحین کا اور جتنی سبب امت کی نذر ہیں سب ہاں پر اتفاق ہے۔ وہ وقت بڑا قیمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا وقت ہے، اس کی قبولیت کا وقت ہے۔ تھوڑی سی اس کی عادت ڈالیں تھوڑا سا فرق پڑتا ہے۔ زیادہ فرق نہیں فرض کر لیجئے کہ صبح صبح تین بج کر پینتیس منٹ پر ہو رہی ہے۔ اب لوگ ہیں۔ ساڑھے تین بجے اٹھ جاتے ہیں، چار بجے اٹھ جاتے ہیں تو تین بجے اٹھ جائیں تین بج کر اس منٹ پر اٹھ جائیں، اور بعد کی جلدی و ضرورت دو دو رکعت کر کے نماز پڑھیں اور پچھ دعا کریں اپنے تمام مسلمانوں کے لئے اسلام کے غلبے کے لئے، حسن خاتمہ کے لئے اور جو بھی یاد ہو اور ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح تیسے کے کلمہ کی، ایک تسبیح استغفار کی ہو

جائے تو اور ہی اچھا ہے۔

یہ تین چیزیں ہیں اور باقی یہ کہ بزرگوں کے حالات پڑھے جائیں، اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ صحابہؓ رامتنا بعین عظام اور پھر بڑے بڑے مشائخ اور بڑے بڑے اولیاء، جو ہیں شیخ عبدالقدور جیلانی، امام غزالی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اویا، حضرت مجدد الف ثانی پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب پھر حضرت سید احمد شہید صاحب شاہ اسماعیل شہید، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی وغیرہ، اور کتب میں جو اردو میں بھی ہیں، عربی میں بھی ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ اور دینی چیزوں کا احترام یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اور یہ بہت ضروری ہے۔ اس میں کمی ہوئی ہے یعنی مساجد کا احترام، قرآن مجید کا احترام، علماء کا احترام اور مسلمانوں کا احترام، اسلام کا احترام، حدیث کا احترام، یہ ختم ہو گیا ہے، عبادات بھی بڑھ گئیں، دعوت و تبلیغ بھی بڑھ گئی۔ مگر احترام کم ہو گیا ہے اس احترام کا بھی خیال کریں، اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

وَمَنْ يَعْظُمُ شَعَائِرَ اللَّهِ فَانْهَاهُ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ.

جو اللہ کی نشانیوں کا احترام کرے گا وہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے۔

یہ دو چار باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ صحیح نیت کا خیال کریں جو کام عادت کرتے ہیں اب ذرا ذہن حاضر کر کے کریں کہ صرف عادت نہیں بلکہ اس میں ثواب ہے، کوئی آئے اس سے ہنس کر مل رہے ہیں، خوش ہو کر بات کر رہے ہیں، دونوں حالتوں میں ایسا ہی کریں گے مگر یہ سوچ کر کریں کہ اس میں ثواب ہے، مسلمان ہے۔ ملنے آیا ہے، ہنس کے منے سے خوش ہوا۔ اگر یہ خوش ہو کر گیا تو اس میں اللہ کی بھی خوشی ہے عزیزوں سے منہ، گھر والوں سے جو حقائق ہیں، ان کا استحضر کر کے منہ، معاملہ کرنا کہ عید کے دن منے جانا ہے۔ بچہ جس جگہ ہیں جانا ہے مگر یہ خیال کر کے کہ ان کا یہ حق ہے مشروع نہیں ہے۔ مگر ذہن کو تھوڑی دیر کے لیے حاضر کر کے کہ ایک مسلمان کو اس سے خوش ہوگی، مسلمان کا دل خوش ہونے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

اور جو کام ہم کرتے ہیں ان میں کتب کے ذریعہ یا اسے سمجھنے، میسر ہوں ان سے پوچھ کر کام کو رن کہ سنت کے مطابق اس طرح کام کیا جاتا ہے۔ سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں اس سے اللہ تعالیٰ ولایت تک پہنچا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں پر ایک نظر قلب پر تین اثر

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

اس وقت کہیں مسلمانوں کی تعداد سن کر، اور ایک جگہ ان کا کوئی مجمع دیکھ کر دل پر تین قسم کے نہایت مختلف اثر ہوتے ہیں۔

۱۔ مسرت ۲۔ حیرت ۳۔ حسرت

مسرت:

اس کی کہ الحمد للہ! ایک وقت تھا کہ روئے زمین پر کلمہ گوانگیوں پر گئے جاتے تھے، اور یہ وہ تھے جو ساری دنیا کی اصلاح کو نکلے تھے اور پوری امت کہلاتے ہیں۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تومنون بالله .

تم وہ بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئیں، علم میں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو اور جن کو قرہی زمانہ میں زمین کا نقشہ اور قوموں کی تقدیریں بدنی تھیں اور جنہوں نے اس تعداد پر خشکی اور تری سے دشمنی مول لے لی تھی۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار کیا گیا پہلی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰۰ دوسری میں ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان تھی اور تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے تو پھر اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی، کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہو گئے ہیں، اب ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم اکیلے نماز پڑھتے تھے اور پھر بھی ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔

بہر حال شکر کا مقام ہے، اور اللہ کا احسان ہے اور یہ احسان اس نے ایک جگہ جتایا ہے۔

واذکروا إذا أنتم قليل مستضعفون في الأرض تحافون أن يطمعكم
الناس فإياكم وإياكم بصره ورزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون
اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچھ
میں تم کو دگ پھے اس نے تم کو ٹھکانہ دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے ور عطا کیں تم کو پاک
چیزیں تاکہ تم شکر کرو۔

ایک نبی نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس طرح یاد دلایا
واذکروا اذ كنتم قلیلاً فكثرکم
اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو تمہیں زیادہ کر دیا۔

آج صرف ایک جگہ اسام کے مرکز سے ہزاروں میل دور مسلمان بھلانے والوں کی اتنی
صورتیں نظر آسکتی ہیں جن سے بہت کم کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی تھیں اور خواب میں بھی
نظر نہیں آتی تھیں۔ اوان کے زرق برق لباس اور بیش قیمت پوشاک کی وجہ سے نظر
نہیں ٹھہرتی۔

ایک وہ وقت تھا کہ مکہ کا نازوں کا پلا امیر زادہ مصعب بن عمیر کہ وہ جس وقت مکہ کی گلیوں
میں نکلتا تھا تو دو دو سو روپیہ سے کم کی پوشاک جسم پر نہ ہوتی تھی، اور آگے پیچھے نڈام ہوتے تھے
اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی محبت تھی اور جس کے ہاتھ میں جنگ احد
میں مسلمانوں کا جھنڈا تھا۔ جب احد میں شہید ہوتا ہے تو اس کے ترکہ میں اور مسلمانوں کے
پس اتنا نہیں ہوتا کہ اس کو فراغت سے سفن دے سکیں، صرف ایک کبیل ہوتا ہے کہ جب اس
سے نہ چھپاتے ہیں تو پیر کھل جاتے ہیں، اور پیر چھپاتے ہیں تو نہ کھل جاتا ہے، رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سر چھپا دو اور پیر پر کھاس ڈالو۔

حیرت:

اور ایسی حیرت ہے کہ عقل کا سر نہیں رتی، سکتے طاری ہو جاتا ہے کہ ن شتر بانوں ور
خانہ بدوشوں کی کیا کا یہ پلٹ ہوئی کہ پنب جھپکاتے میں شتر بان سے جہاں بان بن گئے،
قیصر و کسریٰ کے تاج پیروں سے روندے زمین کا جغرافیہ بدل دیا، دنیا کی تاریخ بدل دی، دنیا

بدل دی پھر دیکھتے دیکھتے ایسی کایا پٹ ہوئی کہ جہاں سے پہلے تھے اس سے بھی پیچھے ہٹ گئے وہ کیا چیز تھی جو آئی اور گئی حیرت اس کی ہے کہ جب وہ مٹھی بھر تھے، ایک گھر بھر بھی نہیں تھے تو بحر و بر پر چھائے ہوئے تھے، ہوائی طرح کوئی جگہ ان سے خالی نہیں تھی اور جب مورد ملنے کی طرح ہوئے تو ان کا نشان نہیں ملتا، سب سے بڑھ کر حیرت اس کی ہے کہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ مسلمان کہلاتے تھے، اور یہ بھی کم سے کم مسلمان کہلاتے ہیں، حیرت ہے کہ کیا یہ معجزہ جو دنیا میں سب سے زیادہ بے فکر و مطمئن نظر آتا ہے فکر و تردد اس سے کوسوں دور معلوم ہوتا ہے جس کو بظاہر دنیا کے ہر کام سے فراغت ہو چکی ہے یہی حقیقتاً دنیا کی سب سے بڑی گراں بار، ذمہ دار اور مصروف و ارقوم ہے جو روئے زمین سے برائی اور بد اخلاقی دور کرنے اور گناہ اور ظلم مٹانے کے لئے نسی کی اشاعت، مظلوموں کی حمایت امن کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی ہے کیا یہ اپنا کام ختم کر چکے کیا دنیا سے برائیاں اور بد اخلاقیوں دور ہو چکیں، کیا اب کسی پر اور خود اس پر ظلم نہیں ہوتا۔ کیا جن کے چہروں پر فخر و تعانہ مسرت، لبوں پر کامرانی کی مسکراہٹ آنکھوں میں شادمانی کی چمک ہے، دنیا کی وہی سب سے بڑی مصیبت زدہ اور بد بخت قوم ہے جس پر روز بروز زمین تنگ ہوتی جا رہی ہے اور جس کے وہ ملک ہاتھ سے نکل گئے جو دل کے ٹکڑوں اور اوارہ سے بڑھ کر تھے، جن کے ایک ایک ہاشت کی قیمت مسلمانوں نے خالد اور ابو عبیدہ، سعد و معاذ طارق و محمد بن قاسم، نور الدین و صلاح الدین کی جان اور خون سے ادا کی تھی جن میں کا ہر ایک اس وقت کل مسلمانوں سے زیادہ قیمتی ہے کاش کہ ان میں کا ایک ہی ہوتا، اور ان میں کا ایک بھی نہ ہوتا۔ کیا یہ وہی قوم ہے جن کی عزتیں، جن کی آبرو، جن کے نبی کا ناموس اور جن کے شعائر دینی کسی وقت محفوظ نہیں۔ اور جن کی زندگی اور موت جن کے قلب اور دماغ اور جن کی اوارہ بھی دوسروں کے ہاتھوں میں رہ چکی ہو یا ہو۔

کیا یہ وجیہ چہرے، یہ شاندار و باوقار صورتیں، یہ بارعب جسم وہ ہیں جو تجربہ کار دشمن و دست کی نظر میں حقیر، بے وقار بے رعب ہیں۔

واذ رایتم تعجبک اجسامهم وان یقلو اتسمع لقولهم کانهم

خشب مسندۃ یحسبون کل صیحة علیہم .

اور جب تم ان کو دیکھو گے ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے اور جب یہ کچھ کہنے

لگیں گے تو کان لگا کر سننے لگو گے لیکن ان کے حقیقت کیا ہے، گویا کہ یہ ٹیک لگائی ہوئی کنزیاں ہیں براؤنڈ اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔

اور یہ جو کاندھے سے کاندھا ملائے پہلو پہ پہلو کھڑے ہیں، یہاں اور یہاں سے باہر عدالتوں میں اور عدالتوں سے باہر دشمنوں کی طرح لڑ چکے ہیں اور لڑتے رہتے ہیں۔ یہ کاندھے سے کاندھا پہلو سے پہلو ملائے ہوئے ہیں لیکن ان کے دل بالکل الگ الگ ہیں۔

تحسبہم جمیعاً و قلوبہم شتىٰ .

تم ان کو اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل علیحدہ ہیں۔

یہ وہ قوم قیامت تک بھی کبھی مسرور و مطمئن ہو سکتی ہے جس کی تاریخ میں ایک مرتبہ بھی اسپین کا واقعہ ہو چکا ہو اور جس کے بعض اور دوسرے ملک بھی اسپین بن چکے ہیں۔

کیا وہ قوم اطمینان کی سانس لے سکتی ہے جو اپنے نبی کی وصیت،

احر جوا الیہو دو النصاریٰ لمن جزیرۃ العرب

(یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔) پوری نہ کر سکتی ہو۔

کیا وہ قوم جس کے اوقاف و املاک مساجد اور مآثر و مشاہد خانقہ ہوں، اور دوسری دینی اور قومی دیگر روں پر دوسروں کا قبضہ ہو، اپنے کو کچھ یا اختیار سمجھ سکتی ہے۔

حسرت:

جتنا غم ہوتا ہے اتنے ہی آنکھوں سے پردے اٹھتے جاتے ہیں اور دل کی حالت بدلتی جاتی ہے، اکثر اطمینان کے بجائے حیرت اور مسرت کے بجائے حسرت ہوتی ہے، اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:

لو تعمون ما اعلم لضحکتکم قلیلاً و لبکیتم کثیراً

اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے۔

آپ جب دیکھتے ہیں کہ ایک ضعیف پیر مرد کے جوان توانا و تندرست بیٹے اور پوتے ہیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بوڑھا پے میں اس کا سہرا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، ان کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہوگا کہ جو باغ میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا وہ میری زندگی میں پھل پھول رہا

ہے، ایسے اقبال مند تھوڑے ہوتے ہیں، اس کی مٹی ٹھکانے لگی ہوگی، مگر جب وہ پیر مردان کو دیکھتا ہے، تو دل پکڑ کر رہ جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی مرتے ہوئے میرے صق میں پانی ٹپکانے کا روادار نہیں، وہ کہتا ہے کہ کاش کہ یہ نہ ہوتے تو یہ حسرت تو نہ ہوتی کہ ہو کر کے بھی میرے نہیں۔

یہی حالت اس وقت ہماری ہے، اسلام جب اپنی اولاد پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا، بہت ہیں اگر کام کے ہوتے تو ان سے بہت کم بھی کافی تھے، یہ سب میرے ہی نام سے پکارے جاتے ہیں، اور میرے ہی کہلاتے ہیں، لیکن ان میں سے میرے کام کے تھوڑے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، عیب چھپے ہوئے ہیں اگر پردہ اٹھ جائے تو آنکھیں دیکھیں کہ کمزوریوں کا، نقائص کا عیوب کا اور گنہوں کا بازار اور میلہ لگا ہوا ہے، اور ان زرق برق لباسوں میں بہت جانور اور درندے ہیں لیکن اگر ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے تو عالم الغیب تو دیکھ رہا ہے وہ صورتیں نہیں دیکھتا، نام نہیں پوچھتا، وہ دال اور عمل دیکھتا ہے۔

وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ انسان نہیں انسانوں کا کوڑا کرکٹ ہیں، جن میں دانے اور کام کے موتی بہت تھوڑے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم پر تو میں اس طرح اکٹھا ہو جائیں گی جس طرح کھانے والے لگن پر، لوگوں نے پوچھا یہ رسول اللہ ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے، فرمایا نہیں۔ تم بہت ہو گے، لیکن تمہارا رعب ان کے دلوں سے اٹھ جائے گا، تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہو جاؤ گے۔

یہ تو اللہ دیکھتا ہے، لیکن ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ

۱۔ ان میں سے بیسیوں وہ لوگ ہیں، جو کلمہ کے معنی نہیں جانتے اور شرک و توحید و رسالت کے متعلق سرے سے ان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں، ایسے کثرت سے ہیں جن کے دل میں توحید پوری طرح سے نہیں اتری نہ شرک سے ان کو کوئی نفرت ہے ایسے بھی کچھ کم نہیں کہ قرآن مجید کے مطابق صریح شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں۔

۲۔ ایسے سینکڑوں ہیں جو اسلام کو بالکل نہیں سمجھتے نہ کبھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کو اسلامی نام گھر کے سامان اور روایات کے ساتھ باپ دادا کے ترکہ میں ملا ہے اس کے متعلق ان کو اور کوئی علم نہیں وہ نہیں جانتے اللہ ان سے کیا چاہتا ہے، اسلام کے کیا

حقوق اور شرائط ہیں اسلام نے ان کی زندگی میں کوئی درستی یا فرق یہاں نہیں۔

۳۔ ایسے بہت ہیں جن کی زندگی اور موت کی طرح اسلمی نہیں، اور ان کے رسم و رواج شادی، غمی، تہن و معاشرت، وضع قطع نشست و برخاست، معاملات و تحقیقات کی سے بھی کوئی ان کو مسلمان نہیں سمجھ سکتا۔

۴۔ ایسے ایشیہ میں جو کسی معنی میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے مفید نہیں اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

۵۔ ایسے بہت ہیں کہ ان سے اسلام کے نام اور اس کی شہرت و عزت و کامیابی کو نقصان پہنچ رہا ہے ان کو دیکھ کر اور ان کے ساتھ رہ کر لوگ اسلام سے بد عقیدہ اور بھی مرتد ہو جاتے ہیں۔

۶۔ بہت سے ایسے ہیں جن کو اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اسلمی شعائر اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کے لئے مفت اور بہت تھوڑی قیمت پر ہر وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ ایسے بہت زیادہ ہیں جن کو اسلام کے ساتھ کوئی محبت و ہمدردی نہیں، انکو ان کی مشکلات و ضرورت کا کوئی غم نہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کہاں کہاں بستے ہیں اور وہ ان کے لئے کیا کر سکتے ہیں۔

۸۔ ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں مسلمان کہنے سے شرماتے ہیں اور مذہب پر ہنستے ہیں۔

۹۔ ایسے بہت ہیں جو اپنی اور مسلمانوں کی حالت پر قانع ہیں۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور ترقی کے دیکھنے کا کہیں کوئی شوق اور ارمان نہیں ہوتا اور نہ دولت سے کوئی تکلیف ہوتی ہے ان کو یہ چیز کوئی غیر معمولی نہیں معلوم ہوتی۔ بہت ایسے ہیں کہ خود اپنی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں، وہ اپنی قیمت نہیں جانتے، اپنی تاریخ اپنے ماضی اپنے اسد ف اور بزرگوں سے بالکل ناواقف ہیں وہ کسی وقت ان پر فخر اور اپنے اسلام پر شکر نہیں کرتے اور نہ ان کو ان کی پیروی کا شوق اور نہ کھوئی ہوئی چیزوں کا افسوس، ان کے سامنے اسلم کا کوئی اصلی نمونہ اور اس کا کوئی بلند تخیل نہیں، اس لئے وہ سست، دس شکستہ اور مایوس ہیں۔

۱۰۔ اکثر ایسے ہیں جو محض دیکھ دیکھی اور رسمی مسلمان ہیں۔ اس لئے نہ ان کو اسلام کا علم

ہے۔ نہ اس پر فخر و شکر ہے نہ اس میں ان کو کوئی لطف ہے اور نہ ان کے اخلاق و اعمال پر اس کا
تور و برکت و اثر ہے۔

بتائیے کہ ایسے مجمع کو دیکھ کر یہ خوشی ہو حقیقت میں سچ کل جہاں مسکن جمع ہو جا میں
وہاں عقائد و مذہب کا بچ بچ خانہ دینی اور روحانی امراض کا بیمار خانہ، عیوب کا بازار لگ جاتا ہے
مگر رع

یہ رہنے لگا ہے تماشہ نہیں ہے

عبرت:

اب مسرت و حیرت و حسرت کے بعد عبرت ہی کا درجہ ہے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس
درجہ کو بھی طے کر میں۔

ان فی ذلک لعبرة لا ولی الا بصار

آئیے! ہم اپنا مقابلہ اسلام کے پہلے نمونوں سے کریں۔

۱۔ صحابہ کفنی کے تھے اور تمام دنیا پر بھاری تھے

۱۔ ہم لا تعداد ہیں اور زمین پر بھاری ہو رہے ہیں۔

۲۔ صحابہ بادشاہوں پر سلطنت کرتے تھے۔

۲۔ ہمیں غلاموں اور غلاموں کی غلامی بھی ہزار وقت سے نصیب ہوتی ہے۔

۲۔ صحابہ کچھ نہ تھے اور سب کچھ ہو گئے۔

۲۔ ہم سب کچھ تھے اور کچھ نہ رہے۔

۴۔ صحابہ کی دنیا عزت اور اطمینان سے بسر ہوتی تھی اور آخرت اس سے کہیں بہتر۔

۴۔ ہماری زندگی سخت ذلت فکر و پریشانی سے گزرتی ہے اور آخرت کی بھی بظہر امید اچھی

نہیں۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ یہ کس چیز کی نحوست اور وہ کس چیز کی برکت تھی صحابہ کے پاس

کونسا کیمیا کا نسخہ تھا کیا کرامت تھی۔ ان کی زندگی میں۔ بیٹھے بیٹھے کیا انقلاب ہوا۔ جس

نے دنیا میں انقلاب پیا کر دیا۔ ان کی پوری زندگی کا غور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس

کے سوا کوئی قابل ذکر غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا کہ انہوں نے اپنی زندگی و موت، عقل و رائے، دل

و دماغ مرضی و اختیار اور اپنی پوری مشین کی کئی ایسے انسان کو سپرد کردی تھی جو معصوم تھے، خود دنیا کا سب سے بڑا حکیم تھا اور جو خدا کے مشورہ حکم سے کام لے رہا تھا جس سے غلطی ہونی ممکن نہیں۔ اسی کی وحی سے بات کرتا تھا۔ اسی کی روشنی میں چلتا تھا۔

ان ہوالا وحی یوحی

رسول اپنی خواہشات سے بات نہیں کرتا اس کی گفتگو محض وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے وہی ان کو اٹھاتا تھا، بیٹھاتا تھا، چلاتا تھا، پھراتا تھا، جدا کرتا تھا، ملاتا تھا۔

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی

شریعت کے قبضہ میں تھی باغ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرم گئے وہ

جہاں کر دیا گرم گرم گئے وہ

پھر دنیا میں کونسی قوت کون سی عقل تھی جو ان کا مقصد کرتی وہ خدا کی تقدیر اور قضاء مبرم بن گئے تھے، جو ٹل نہیں سکتی تھی۔ وہ خود کیا کر رہے تھے اللہ اور اس کا رسول کر رہا تھا۔

جس وقت اس نادان کمسن بچے (امت) نے اس اتالیق اعظم اس مرلی اکبر اس دامان جہ دیدہ کی انگلی چھوڑ دی، وہ چیخا رگلیوں میں، بھیڑ میں پڑ گیا، وہ جتنا چلتا ہے، اپنے گھر سے دور ہوتا جاتا ہے، چلاتا ہے، اور روتا ہے مگر کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑتا وہ بھوکا ہے اور پیاسا ہے، مگر کسی کو اس پر ترس نہیں آتا۔

وہ اتالیق اب بھی ان تمام لوگوں سے اس بچے سے زیادہ قریب ہے، لہذا زیادہ شفیق ہے، جن کی صورت یہ تکتا ہے مگر وہ منہ پھیر لیتے ہیں جن کا ہاتھ یہ پکڑنا چاہتا ہے مگر وہ چھڑا لیتے ہیں، لیکن وہ بچہ اس کی طرف کسی طرح متوجہ نہیں ہوتا۔

معصوم ہوا کہ ہم میں اور ان میں جو فرق ہے وہ اتباع کا ہے وہ نسخہ کیمیا (قرآن) اب بھی موجود ہے، استعمال کرنے کی دیر ہے، نسخہ استعمال کرنے والا اور نسخہ پڑھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید پڑھو یا پڑھو اگر سنو، فرائض و احکام کی فہرست دیکھو، جو کی ہو، پوری کرو، اپنی اپنی اصلاح کرو، کہ قوم کی اصلاح اسی طرح ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد ۝ فاعوذ بالله
من الشيطان الرجيم ۝ بسم الله الرحمن الرحيم ۝

حضرات! پڑھ لکھے لوگوں نے دو لفظ سنے ہوں گے ایک اسلام اور دوسرے جاہلیت،
یہ قرآنی اصطلاحات ہیں اور کثرت سے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، لیکن جاہلیت کا لفظ جب
بولا جاتا ہے تو ذہن عہدِ رسالت کے قبل کے زمانہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، رسالت سے قبل
ساری دنیا میں جہالت پھیلی ہوئی تھی لوگ خدا کو بھول گئے تھے اور زندگی کے مقصد کو بالکل فراموش
کر چکے تھے اور انسانیت کے منصب اور خدا سے اس کا جو تعلق ہونا چاہیے تھا اس کو بھول
گئے تھے عام طور سے لوگ اس کو ایک تاریخی عہد سمجھتے ہیں اور اسلام کے پہلے کے زمانے کو عہدِ
جاہلیت کہتے ہیں اس کے بعد کا دور اسلامی کہلاتا ہے۔

اسلام کے معنی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے اپنی تمام چیزوں، اپنی خواہشات،
اپنے ماضی اپنے فوائد، اپنے اغراض، اور اپنے ان مقدسات سے جو اس کے دل و دماغ پر حاوی
ہیں ان کے قابو سے نکل جانا اور ان سے دست بردار ہو جانا ہے جسے انگریزی
میں **surrender** کرنا کہتے ہیں، اللہ و رسول کے احکام پر چلنا یعنی خدا چاہی زندگی گزارنا
اسلام ہے اور جاہلیت کے معنی ہیں من مانی زندگی گزارنا جو دل میں آئے وہ کرنا، جیسا ہو رہا ہے
وینا کرنا، جو لوگ چاہتے ہیں اس کے مطابق کرنا، جس میں آدمی فائدہ دیکھے وہ کرنا، جس میں
شہرت ملے، عزت ملے، نام و نمود ملے وہ کرنا، جو جی میں آئے وہ کرنا، جس میں مزہ آئے اور
جس میں فائدہ معلوم ہو، جس میں چرچا ہو، تذکرہ ہو، لوگ تعریفیں کریں جس میں لذت ملے
اور عزت ملے وہ کرنا لیکن جاہلیت کے متعلق آپ کے ذہن میں ایک بات یاد رہنا چاہئے کہ جاہلیت
جہالت کے لفظ سے ہے، اور جہالت جاہلیت پیدا کر دیتی ہے، اسلام قبول کرنے کے

بعد، مسلمان گھنے میں پیدا ہونے کے بعد اپنے مسلمان بہانے کے بعد اُتر آدمی نے دین کی ضروری اور بنیادی معصومات حاصل نہیں کیں، قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا، ترجمہ کے ذریعہ عالموں کے ذریعہ، دینی کتابوں کے ذریعہ اس کو اللہ و رسول کا منشا نہیں معلوم ہوا اور اس نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی تو وہ جاہلیت پھر آجائے گی، یعنی وہ جاہلیت جو گذشتہ اس کے متعلق بہتر نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ واپس نہیں آ سکتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، بار بار فرمایا: "احاہلیۃ بعد الاسلام" "یہ اسلام کے بعد جاہلیت چاہتے ہو؟" اور ایک صحابی جن سے ایسی ہی نصیحت ہوئی تھی، ان کے متعلق آپ نے فرمایا "ایک امرء فیک حاہلیۃ" (تم ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بوباقی ہے)، تو معلوم ہوا کہ جاہلیت کوئی گزرا ہوا زمانہ نہیں ہے جو گذرے ہوئے وقت کی طرح واپس نہ آ سکتی ہو، بلکہ جاہلیت ایک طرز زندگی کا نام ہے اور اس طرز زندگی کو بنیادی طور سے جو چیز جاہلیت بناتی ہے وہ جہالت ہے تو اسلام کا جہالت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے، اسلام کے لئے ضروری ہے کہ بنیادی معصومات حاصل ہوں، اور آدمی کو معلوم ہو کہ کیا چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کیا چیز اللہ و رسول کے منشا کے مطابق ہے کیا چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہے، یہ چیز مسلمان، ایمان، اور عقیدہ یہ مطابق ہے اور یہ چیز مطابق نہیں ہے۔ تو اس کا علم حاصل کرنا اپنے لئے بھی اپنے بچوں کے لئے بھی، آئندہ نسلوں کے لئے بھی اور اس کا انتظام کرنا ضروری ہے، اگر ہم قرآن مجید کی زبان سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کی سطح اور شان سے واقف ہوں اور یہ معلوم ہو کہ اس کلام کا ایک ایک لفظ کتنی گہرائی رکھتا ہے، اور کتنی بلندی رکھتی ہے، اور اس کی کتنی اہمیت اور قدر و قیمت ہے تو کانپ جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" "انما"

کلمہ حصر ہے یعنی اس کے سوا کچھ نہیں، اللہ سے وہی ڈرتے ہیں، اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں۔ اردو زبان میں علماء سے مولوی صاحبان مدرس کے فضلاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ کرے، اور ان کے علم سے فائدہ پہنچائے۔ مراد لئے جاتے ہیں، لیکن کلام ایسی اور کلام نبوت میں ان کا علم محدود نہیں ہے۔ "العلماء" جب کہیں گے تو ہمارے سامنے بڑے بڑے علماء آئیں گے حکیم اسلام حضرت تھانوی کا نام آئے گا، حضرت

مدنی کا نام آئے گا، حضرت شیخ الحدیث زکریا کا نام آئے گا، مولانا سید سیمان ندوی کا نام آئے گا۔ العلماء کے معنی ہیں۔ جاننے والے کے جب اللہ نے یہ فرمایا کہ اللہ سے علماء ڈریں گے اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ دین جو ہم کو اسلام کے نام سے دے رہا ہے یہ علم سے جڑا ہوا ہے اس کا علم کے ساتھ ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا، ہم اسلام کا ایک ضروری اور بنیادی عنصر ہے، اس میں صحیح عقائد کا علم ہو جائے، فرائض کا علم ہو جائے اللہ تعالیٰ کی ضروری تعلیمات کا علم ہو جائے، کیا چیزیں کی منشأ و فرمان کا علم ہو جائے، کیا چیزیں ہم پر فرض اور واجب ہیں، کیا اسلام ہے اور کیا کفر ہے اس کا فرق معلوم ہو، توحید اور شرک کا فرق معلوم ہو، بدعت و سنت کا فرق معلوم ہو، جماعت اور محصیت کا فرق معلوم ہو، حرام و حلال کا فرق معلوم ہو، جائز و ناجائز کا فرق معلوم ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا فرق معلوم ہو۔

وہ علم جو اسلام کے لئے ضروری ہے وہ مواعظ کے ذریعہ، صحبت کے ذریعہ، تبلیغی جماعت میں شامل ہو کر، یا کوئی اور ایسا ماحول اور صحبت اختیار کر کے ضروری علم حاصل کرے، علم کے وسائل بہت ہیں اور الحمد للہ آسان ہو گئے ہیں اور مدرسوں کی وجہ سے اور بھی سہولتیں پیدا ہو گئیں ہیں کتابوں کی کثرت ہے مدارس کا فیض عام ہے، یہ مدارس کوئی معمولی چیز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قائم رکھے، ان کی وجہ سے ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے باقی ہے آزادی سے قبل کا زمانہ مجھے یاد ہے جب انگریزوں کا اقتدار شباب پر تھا اس وقت خلیفہ شجاع الدین نے ایک رسالہ میں مضمون لکھا کہ اب ان مدرسوں کی کیا ضرورت ہے اب زمانہ بدل گیا، ہے ان مدرسوں کو اسکولوں میں تبدیل کر دینا جائے۔ جیسا کہ آج کل بعض لوگ مطالبہ کرتے ہیں، علامہ اقبال نے کیمبرج اور جرمنی سے قانون، اقتصاد اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کیا تھا، انہوں نے اس کا جواب دیا کہ خدا کے لئے تم یہ نہ ہو اگر دینی مدارس نہ رہے تو ہندوستان اسپین بن جائے گا، اسپین میں کیسے کیسے ولی اللہ مدفون ہیں، شیخ اکبر محمد بن ابن عربی وہاں مدفون ہیں فقہ مالکی میں ایک اصولی مسئلہ ہے کہ ان کے ہاں اہل مدینہ کا مثل حجت ہے اس میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے ویسے ایک زمانہ میں یہ مسئلہ بن گیا تھا کہ عمل قرطبہ حجت ہے، وہاں علماء کے فیض اور عربی علوم کے اثر سے اور محققین کے پیدا ہونے سے اور گھر گھر عالموں کے ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی اسلام کے ڈھانچے میں ڈھل گئی تھی کہ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ

قرطبہ میں، ایسا ہوتا تھا جس ملک کا ایسا حال ہو وہاں کا عمل حجت ہو اور پوری شمالی افریقہ کی پٹی چولیبیا اور سوڈان سے شروع ہوتی ہے اور مراقش تک جاتی ہے، دور پھر اسپین تک جاتی تھی یہ سارے علاقے سو فی صد مالکی ہیں ایسا کوئی ملک نہیں جو سو فی صد خنفی ہو، وہ ملک مسلمانوں سے خالی ہو جائے۔

علم ہمارے سنے اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا اسلام کے ساتھ وابستہ رہنا اور اسلام پر پورے طور پر چہن اس کے بغیر ممکن نہیں بلکہ ناممکن ہو سکتا ہے اور کم سے کم (ہمارا ہندوستان) جیسا ملک ہے۔ جس کے چاروں طرف جہت کی جو فضا ہے اور جو کفر و شرک اور دوسرے مذاہب شیواجی (دیومالائی) جو پھیلی ہوئی ہے اور اب آج کل ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ، پریس کے ذریعہ اور تاریخ کے ذریعہ اور ہر طرح سے وہ چیزیں پھیلانی جا رہی ہیں جو کبھی ہندوستان میں تھیں وہ بھی سامنے لائی جا رہی ہیں اس صورت میں دین کی تعظیم کی سخت ضرورت ہے گویا اس وقت اسلام کے باقی رہنے کا دار و مدار اس پر ہے کہ آپ کے گھر والوں کو، آپ کے بچوں کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں، اس کا انتظام ہونا چاہئے، باور رکھا اور لکھا ہے کہ بچوں کی صحت، اور بچوں کے کپڑے بنوانے، بچوں کے دوا و علاج کرنے، بچوں کو، بیماریوں سے تحفظ فراہم کرنے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو اللہ و رسول سے واقف کرام میں اور ان کو کفر و ایمان کا فرق بتائیں، انہیں شرک و توحید کا فرق بتائیں، اور شرک و ہت پرستی کا فرق بتائیں، ہماری ماؤں اور بہنوں پر فرض ہے اور گھر کے لوگوں پر فرض ہے کہ ان کے دل میں ان، سے گھن پیدا کریں، ایسی گھن جو گندی و پاخانہ، پیشاب سے ہوتی ہے (جب تک ہماری نئی نسل کی دل میں بت پرستی چاہے وہ کسی قسم کی بت پرستی ہو اس کائنات میں کسی کو متصرف نہ، کسی کو کارساز مانے کا فرما نہ، اور اپنی قسمت کا بننے والا اور بگاڑنے والا جانے، اس سے جب تک گھن نہ آئے جیسے پاخانہ اور پیشاب اور گندی چیزوں سے ہوتا ہے اس وقت تک اس کے ایمان کا اطمینان نہیں ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہے۔

کفر و شرک سے مسلمانوں کو ایسی نفرت ہونی چاہئے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے نفرت ہو کفر و شرک کی تمام شکلوں سے جب تک اس، کے دل میں نفرت نہ ہو، ہندوستان میں جو دیومالائی چیزیں ہیں اور بت پرستی کی جو چیزیں ہیں اور یہاں کے دیوتاؤں کے بارے میں

جو خیالات ہیں اس سے نہ صرف بچا رہے، یہ ایک بڑی نعمت ہے، بلکہ اس سے نفرت ہو، اور اس کے نام سے اس کا ذائقہ خراب ہو جائے، اور اس کے دل و دماغ اور احساسات پر ایسا اثر پڑے جیسے کوئی گندی چیز کھلی ہو۔

بچوں کو دینی تعلیم دینا اور ایسی دینی تعلیم کا انتظام کرنا جس سے اس دین کا ضروری علم حاصل ہو جائے، بلکہ کفر و شرک سے ایک قسم کی نفرت و حسرت نہ پیدا ہو اس وقت تک اطمینان نہیں کہ وہ کفر و شرک کا کوئی کام کر گزرے یا نہیں ایسے قصے سنائیں جس سے کفر و شرک کا فرق معلوم ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے گھر میں پیدا ہوئے جہاں صرف حکومت بت پرستوں کی نہیں بلکہ ان کا، معاش بھی اس سے وابستہ تھی یعنی اعتقاد دی و اراقصدی دونوں طور سے بت سازی ان کے گھر میں تھی، نیلن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو داعی کبیر بنایا تھا بلکہ موحدا مت کا بانی بنایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے کفر و شرک کے فرق کو بانار کونی بردار و سلاما، (اے آگ تو ٹھنڈی اور سرد متی والی ہو جا)۔ سے عمیاں کر دیا ایسے قصوں، سے ایسے واقعات سے بچوں میں، گھروں میں اور ماحول میں کفر و شرک کا امتیاز پیدا ہوگا اور اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگی اسی لئے علم کو اسلام کے ساتھ مربوط رکھا گیا ہے تاکہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے ساتھ مسلمان رہے ایمان و عقیدہ کے ساتھ مسلمان رہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الذاکبر

سُحْمُهُ وَنُصْلِي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ ○ فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ
الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

تکبیر اور اس کے آفاق:

تجربہ سے متعین! نمر زو تکبیر یعنی اس متعین ماثور کلمہ سے شروع کرنے کا حکم ہے جس کو
اللہ اکبر کہا جاتا ہے، یہ وہ بلند، واضح، فیصد کن اور ہمہ جہد، ہر ملک اور ہر معاشرہ کے لئے قبل
فہم کلمہ ہے جس کے سامنے بڑے بڑے ظالم حکمران، دیوبند پیر انسان اور خود اتساقوں کے ترشے
ہوئے بت خائب کا ڈھیر بن جاتے ہیں اور ان کی جھوٹی خدائی کا جسم پاش پاش ہو جاتا ہے،
شرط یہ ہے کہ کہنے والے نے اس کو فہم و شعور اور یقین و اعتماد کے ساتھ ادا کیا ہو اور خدائی عظمت
کے مدلی اس کے معنی سمجھتے ہوں اور جانتے ہوں کہ اس کی پوٹ کہاں اور کس کس پر پڑتی ہے،
در اصل یہ پھر کے بت جن کی عبادت کی جاتی ہے، یہ بتیں جن کو دیتا سمجھا جاتا ہے، ان اشیاء
کو جن کو مقدس قرار دیا جاتا ہے اور کائنات کی ان قوتوں کی جن کے سامنے انسان اپنا سر جھکا
نے لگتا ہے وہ وہ حکام اور سیاسی رہنما جن کی آنکھ بند کر کے جاتا ہے اور جن کے حکم
کو بپوں و چرائیں سرناضہ وری قرار دیا جاتا ہے ان سب کے درمیان قدر مشترک عظمت و
برائی، تفوق و ترفع اور استعلاء، استیاد، کاجذبہ ہے، یہ بلخ مجتہدین امتیاز آفریں کلمہ
سے ماہرین مجید میں ورسک فکس (اپنے رب کی بڑائی بیان کر) کے ذریعہ حکم دیا گیا
ہے ان تمام دعووں اور دعوتوں، خود فریبوں اور فریبوں، اوہام و خرافات اور مظاہر و جہالتوں کے
طسم پوش پوش رویتا ہے، اس کے ایک ایک جز کی نفی کرتا ہے اور ظلم و فساد کے یہ ایک مرکز
نویخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

اس شہادت کی اہمیت اور تاریخ میں اس کے کارنامے:

جب آدمی صدقِ دل سے اس کلمہ پر ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگائی کی شہادت دیتے ہوئے ”اَنداکبر“ کہتا ہے اور یہ عقیدہ اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ رگ و ریشہ میں سما جاتا ہے تو اس وقت اس کی نظر میں بڑے بڑے بادشاہوں، ملکوں کے سربراہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مادی عظمت و شوکت بچھ ہو جاتی ہے بلکہ خاک میں مل جاتی ہے، ان کا رعب اس کے دل سے بالکل نکل جاتا ہے اور وہ اس کی نگاہ میں حقیر جانوروں یا انسانی تصویروں اور معمولی گزریوں اور کھلونوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، وہ ان کی دوت و سطوت کے مظاہر سے وہ معاملہ کرتا ہے جو کوئی بلند قامت انسان بنوان کے ساتھ یا کوئی بزرگ و مربی اپنے شاگردوں اور چھوٹے بچوں کے ساتھ کرتا ہے۔

سچی بہ رامنے جہ واقعہ ار اور دوست و ثروت کے مظاہر اور نمائش کے خلاف جو طرزِ عمل اختیار کیا اور جس سے ان چیزوں کی بے وقعتی کھل کر ظاہر ہوئی اس کی بہشتِ مشائیں و واقعات تاریخ کے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

”حضرت سعدؓ نے ربیع بن عامر و ایرانی فوج کے سپہ سالار رستم کی طرف قادیہ میں قاصد بنا کر بھیجا ”رستم کا بار اس سے پہلے خوب آراستہ کیا گیا، ریشمی پروں اور گدوں، ہیرے یا قوت اور دوسرے قیمتی ہیروں اور موتیوں کی خوب نمائش کی گئی تھی، رستم کے سر پر تاج اور بہت قیمتی پوشاکیں تھیں، وہ ایک سونے کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا، ربیع بن عامر اپنے پرانے پیڑوں اور تھوڑے حال کے ساتھ ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار دربار میں داخل ہوئے اور فرش اور رزمین کے ایک حصہ کو روندتے ہوئے آئے بڑھ گئے، پھر اترے اور انہیں گاوٹکیوں میں سے ایک میں گھوڑے کو بے تلف باندھ دیا، پھر ہتھیار رکھ دیں، انہوں نے جواب دیا کہ میں خود سے تمہارے پاس نہیں آیا ہوں، تمہارے بلائے پر آیا ہوں، مجھ کو ای طرح چھوڑتے ہو تو خیر ورنہ میں واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا کہ ”اجازت است“ وہ اسی قلعین پر اپنا نیزہ نیکتے ہوئے آئے

بڑھے جس کی وجہ سے اس کا بڑا حصہ پھٹ گیا۔“

اس طوقور عقیدہ اور ایمان و یقین کی ہدایت اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسے محیر العقول واقعات پیش آئے، اور ان لوگوں میں ایسی غیر معمولی اور خارق عادت قوتیں پیدا ہوئیں کہ وہ ملکہ صحن و امراء سے اس طرح کا معاملہ کرنے کے جو بہت سے لوگ فقر، اور ضعف، سے بھی نہیں کر سکتے، سلطنت کی جاہ و حشمت ان کے سامنے حباب کی طرح تحلیل ہوئی اور ان کی نظر شیخ بن کونی قوت باقی نہ رہی، شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام کے ایک رفیق ”ابو بنی“ کے ایمان کی قوت اور خدائی جرات کا ایک واقعہ اپنی کتاب میں قلم بند کیا ہے وہ کہتے ہیں:

”مارے شیخ عز الدین ایک مرتبہ سلطان کے پاس قیام کیا۔ یہاں تھانہوں کے دیوے اور بارگاہوں اور شہر بادشاہ کے سامنے بیٹا رہا، سبھت پنی پوری شکاکت و عظمت اور زینت کے ساتھ موجود ہے، امراء، سلطان کے سامنے تعظیم کرتے ہیں اور شیخ سلطان کی ایک توجہ دے اور ان کا نام کے کر پکارا ”یوب الدے“ سامنے آیا جواب دے کہ اس کے یہ پوچھ کہ ”میرے تجھ و مصر کی فرمانروائی وطن کی وراثت بجا کر رہتا ہے سلطان کے جہاں یہ کیا ہوا ہے، شیخ نے کہا کہ ہاں خدا کا شرف فروخت کی جاتی ہے اور اس سے عمارت ہوتے ہیں اور تم اپنے مینش و آرام میں پڑے ہو، یہ سب باتیں بہت بلند آواز سے کہتے رہے اور شہری اسی طرح مودب ہڈے رہے اس نے جواب میں کہا کہ یہ میرا یہ ہوا نہیں ہے یہ سلسلہ میرے والد کے زمانہ سے قائم ہے، شیخ نے جواب دیا کہ یا آپ ان لوگوں میں ہیں جو کہتے ہیں۔ ”انا وجدنا اباہنا علی امة“ کہ ہم نے اپنے باپ ادا کو اسی طریقہ پر پایا۔ یہ سنتے ہی سلطان نے اس دکان کو بند کر دینے کا فرمان جاری کر دیا جب شیخ سلطان کے پاس سے واپس آئے اور یہ خبر مشہور ہوئی تو میں نے شیخ سے، جراپوچھا انہوں نے جواب دیا کہ میرے عزیز جب میں نے اس کو ثنوت و عظمت میں دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اسکی بھائی اسی میں ہے کہ اس کی تھوڑی سی تذلیل کی جائے ورنہ اس کا نفس موٹا اور سرکش ہو کر اس کو نقصان پہونچا دے گا میں نے کہا کہ آپ کو پچھڑ نہیں لگا، فرمایا خدا کی قسم جب میں نے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہیبت و شان کا استحضار کیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے سامنے کوئی بد بیٹھا

ایمان و عقیدہ اور دعوت و عزیمت کی تاریخ اپنے آپ کو ہر ملک اور ہر دور میں برقرار رہتی رہی۔ شیخ محمد بن مبارک رہائی (۷۰۷ھ) ان قسم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب 'سیر الاولیاء' میں لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ سلطان محمد تخلق نے شیخ قطب الدین منور کو دہلی طلب کیا، انہوں نے بادشاہ کو تعظیمی سلام نہیں کیا تھا اس پر سرزنش اور عتاب متصوہ تھا۔ جب وہ دربار میں داخل ہوئے اور یونان شہری میں پہونچے تو دیکھا تمام امراء و وزراء و کما اور درباری اٹھیاں لگائے ہوئے موقوف اور باوقرانہ انداز میں کھڑے ہیں اور شاہت سلطانی سے لرزہ بر اندام ہیں، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے نور الدین بھی تھے جو اس وقت کم سن تھے اور انہوں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا وہ دیکھ کر روتے روتے درمخوب ہوئے۔ شیخ قطب الدین نے یہ دیکھ کر بہت ہند آواز کے ساتھ ان سے کہا بادشاہ نور الدین اعظمۃ ممالک اور الدین بیان کرتے ہیں کہ یہ آواز سننے والی میں نے اپنے اندر ایک عجیب قوت محسوس کی، ساری ہیبت یک لخت کا فور ہو گئی اور مجھے ایسا شہسوار ہوا کہ یہ انسان نہیں بلکہ بھیڑ بھری ہیں۔

وما علینا الا السلاع المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصہ دوباغ والے کا

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى O اما بعد

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم O بسم الله الرحمن الرحيم O

حضراتِ رَامیِ قدر! سورہ کہف میں دوباغ والے کا قصہ بیان کیا گیا ہے یہ وہ واقعہ ہے جس سے ہم کو روزمرہ کی زندگی میں پہلے قصہ سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، اُرا صاحب کہف کا صدیوں اور برسوں میں پیش آتا ہے تو یہ قصہ تقریباً ہر جگہ اور ہر وقت ہمارے سامنے آتا ہے اور بار بار دہرایا جاتا ہے، یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو ہر اعتبار سے خوش نصیب اور اقبال مند تھا، آسائش و خوشحالی کے سارے سامان اس کے لئے مہیا تھے، اس کے پاس انور جیسے لطیف و مرغوب پھل کے دوباغ تھے۔ ان کے چاروں طرف کھجور کے وناؤں درخت تھے جنہوں نے ان کو اپنے تھیرے میں سے پیا تھا۔ درمیان میں کاشت کے قطعے بھی تھے یہ ایک متوسط درجہ کی زندگی کے لئے سعادت و مسرت کی آخری منزل تھی، اور متوسط طبقہ اور درمیانی معیار زندگی ہی اکثر دنیاوی معاملات میں معیار و پیمانہ ہے، لیکن اس دولت مند اور خوشحال کی سعادت اور کامیابی کا سارا انحصار محض ان باتوں کے وجود تک محدود نہ تھا بلکہ سارے اسباب و وسائل اس کے لئے مستخر تھے، اور یہ دونوں باغ اپنی بہترین پیداوار دے رہے تھے۔

كلتا الجنتين آتت اكلها ولم تظلم منه شيئا وفحرا تاحلالهما نهرا۔

پس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے پیداوار میں کسی طرح کی کمی نہ ہوئی، ہم نے ان کے درمیان (آب پاشی کے لئے) ایک نہر جاری کر دی تھی۔

غرض اس طرح سعادت و کامرانی کی پوری تکمیل ہو چکی تھی۔ اور آرام و راحت کے سارے اسباب نہ صرف موجود بلکہ ارزاں و فراوان تھے اس موقع پر اس شخص کے اندر وہ ہادی

مزاج اپنا رنگ دکھاتا ہے جو ہمیشہ اہل صومت، جاگیرداروں، قومی لیڈروں، صنعت کاروں کا رخ نہادوں اور فوجی طاقت رکھنے والوں میں ظہور ہوتا رہا ہے، اس کے اندر وہ شدید مادی رجحان پیدا ہوتا ہے جو ایمان معرفت صحیحہ اور تربیت کا پابند نہیں، وہ اپنی ساری خوشحالی اور خوش بختی کو اپنے تمام ولایت اور اپنی ذہانت و محنت کی طرف منسوب کرتا ہے جس طرح اس سے پہلے قارون نے یہ تھا اور کہا تھا اِنَّمَا اُوْتِيتُهُ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِي یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔

وہ اپنے اس دوست پر فخر کرتا ہے جس کو یہ مزا دیں حاصل نہ تھیں اور بڑی صراحت بلکہ ناروا جسارت سے کہتا ہے۔ اِنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَاَعَزُّ نَفْرًا، یہ ہوتم میں سے میں زیادہ مہدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور جتھا ہے۔

وہ اپنے اقتدار و قوت کے سرچشمہ میں اور دولت و خوشحالی کے اس مرکز میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ نہ اس کو اپنی خبر ہوتی ہے نہ اپنے رب کی نہ نبی اسباب اور ارادۃ الہی کی جو سب آسمان سے اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے اور انسان اور اس کی ملکیت بلکہ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، وہ اپنے نفس پر علمی و عملی اخلاقی اور عقلی ہر لحاظ سے ظلم کرتا ہے، یہ کورچشم مادی ذہنیت اس کی زبان سے اعداں کرواتی ہے کہ اب نہ اس کو زوال ہے، نہ اس کے باغات کو وہ حشر و نشر کا انکار کرتا ہے، اور بڑے پھوہر پن اور غایت درجہ حماقت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ یہ کامیابی و خوشحالی ابدی و مافیٰ ہے، دنیا و آخرت (اگر آخرت ہو) کسی جگہ ختم ہونے والی نہیں۔

وَدَخَلَ جِسْتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا اِطْنٰ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهِ اَبَدًا وَمَا اِطْنٰ

الاسَاعَةُ قَائِمَةً

پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے ہاتھوں پنا نقصان کر رہا تھا۔ اس نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے، مجھے تو قیامت نہیں کہ (قیامت کی) گھڑی برپا ہو۔

وہ سمجھتا ہے کہ اس کا شمار ان معدودے چند خوش نصیب و کامراں افراد انسانوں میں ہے، جن سے اقبال کبھی منہ نہیں موڑتا اور قسمت کبھی بے وفائی نہیں کرتی اور جو ہمیشہ اور ہر جگہ

سعدت اور عزت کے بام عروج پر نظر آتے ہیں۔

ولن رددت الی ربی لا جدن خیرا منها مقلبا۔

اے اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف وٹا گیا تو (میرے لئے کھٹکا ہے؟) مجھے ضرور وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا۔

اس طرح کے لوگ ہمیشہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان، عمل صالح، اور محنت و کوشش کی کیا ضرورت ہے، یہ ان کی فطری اور وہی سعادت ہے جو ہر وقت ان کو شاد کام و بامراد رکھ سکتی ہے۔

اس کے دوست کی چشم بصیرت اللہ تعالیٰ نے حق و ایمان کے لئے کھول دی ہے، اس کو معرفت الہی اور اس کے صفات و افعال سے معمور ہاں دولت حاصل تھی وہ جانتا تھا کہ صرف وہی اس کائنات میں تصرفات کرنے والا ہے، اور اسباب کا خالق ہے، اور جب چاہے حیات کو پلٹ سکتا ہے، اس نے اس کی اس بات پر اعتراض کیا اور اس کے اس مادہ پرستانہ طرز فکر کی کھل کر مخالفت کی، اس کو اصل و حقیقت اور آغاز سے آگاہ کیا، یہ وہ سخت اور سنگین حقیقت ہے، جس کو یہ ظاہر پرست اور اپنے کو خوش نصیب سمجھنے والے ہمیشہ فراموش کرنا چاہتے ہیں اور اس کے تذکرہ سے دور بھاگتے ہیں۔

قال له صاحبه وهو يحاوره اكفرت بالذي خلقك من تراب ثم من

نطفه ثم سواك رجلا۔

یہ سن کر اس کے دوست نے کہا، اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا، اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟ متکبر اور مغرور اشخاص کے لئے اس بات کا سن کر کتنا شاق و ناگوار ہے، اس کا اندازہ ہم کر سکتے ہیں، اس نے کہا کہ وہ اس کے بالکل دوسرے رخ پر ہے اور دوسرے رجحان کا حامل ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان۔

لكننا هو الله ربی ولا اشرك بربی احدا۔ لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ

میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

پھر اس نے اس کو وہ بنیادیں اور اصول حقیقت پر دوائی جس کے گرد پوری سورہ کہف گردش کر رہی ہے اور اس جگہ ہنگامی رکھی جو اس طرح کے لوگوں کی کمزوری دکھتی رہتی ہے،

اس نے کہا کہ دیکھنے کی چیز اسباب ظاہری نہیں بلکہ وہ خالق و مالک ہے جس نے ہاتھ میں ان سارے اسباب و وسائل کی ذمہ داری ہے، ورنہ یہ سہانہ راحت اور سبب پیش جن پر وہ خوش اور نازاں ہیں، نہ اسباب کی کارگزاری ہے، ورنہ خود اس کی دستکاری یا عقل و ذہانت کی کار فرمائی وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا نتیجہ ہے، جس نے ہر چیز کو بہترین طریقہ پر بنایا ہے، وہ بڑی نعمت اور نرمی کے ساتھ اس کو خدا کی قدرت کے اعتراف اور اس کی نعمت کے شکر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

وَلَوْلَا اِذْ دَخَلْتَ حَنْتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے (اور اس کی شادایاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اس کی مدد کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اور صلیٰ علیہ وسلم سورۃ فی روح و سررے قصہ کی جان ہے چنانچہ خدائے تعالیٰ نے اپنے نبی کو اور آپ کے ساتھ قرآن شریف پڑھنے والے کو اس کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنا سر و سامان اور سرری طاقت و صلاحیت کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے اور مستقبل کے ہر ارادہ اور نیت کو اس کے سپرد اور اس کی مشیت کے ساتھ مشروط اور وابستہ رکھے۔

وَلَا تَقُولْ لِّشَيْءٍ اَنِّیْ فَاعِلٌ دَلَّکَ عَدَا اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ وَاِذْ کَرَرْتَ اِذَا نَسِیتَ وَقُلْ عَسٰی اَنْ یَّهْدِیْ رَّبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَسَدًا۔ اور کوئی بات ہو، مگر بھی ایسا نہ ہو میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا! یہ سمجھ لو ہو گا وہی جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، اور جب بھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یا تازہ کر لو، تم ہو امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا۔ اور ہر موقع پر دل سے انشاء اللہ اور ماشاء اللہ کہتا ہو۔

جو شخص ہر فضل و کمال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہو اور ہر نیت میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہو اور اس کے فضل و کرم کا امیدوار ہو، وہ اسباب ظاہری مادیت اور مادہ پرستوں کے سامنے اپنا سر کیسے جھکا سکتا ہے، اور نفس اور نفسانی ارادہ کے ماتھے میں اپنی زمام کار کیسے دے سکتا ہے؟

”ماشاء اللہ اور انشاء اللہ“ لفظ ہر دو بڑے ہلکے پھلکے لفظ ہیں اور اکثر ان کا استعمال بغیر

سوچے سمجھے کیا جاتا ہے اور اس کے پیچھے کوئی احساس اور شعور نہیں ہوتا لیکن درحقیقت یہ دونوں بڑے وزنی، بڑے گہرے اور معانی و حقائق سے ہریز بول ہیں، اور مذہبی مادیت نفس اور ارادۂ انسانی پر بھروسہ اور اعتماد پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔

مادی تہذیب اپنے وسائل اور ذرائع قوت پر حد سے بڑھے ہوئے اعتماد میں ممتاز ہیں، یہ مادی حکومتیں اپنے ان عمرانی و اقتصادی منصوبوں کا برابر امداد رتی رہتی ہیں جو قدرت کی ہم آہنگی اور موسموں کے تغیرات سے تعلق رکھتی ہیں، وہ بڑی قطعیت کے ساتھ اس کی مدت اور اس کا ختم متعین کرتی ہیں اور یہ طے کرتی ہیں کہ وہ اتنے سال کے اندر اتنی پیداوار ضرور پیدا کرنے لگیں گی اور ان کے ملک خود کفیل ہو جائیں گے اور بیرونی مدد پر ان کا انحصار ختم ہو جائے گا لیکن ارادۂ الہی ان کے منصوبوں کو خاک میں مل دیتا ہے بھی قحط سے واسطہ پڑتا ہے کبھی سیلابوں سے، کبھی بارش بہت تاخیر سے ہوتی ہے، کبھی اس قدر مسلسل کہ ہڑی ھیتیں غرق ہو جاتی ہیں، ایسے قدرتی حوادث اور جان و مال کے مصائب سامنے آتے ہیں، جو حاشیہ خیال میں نہ آ سکتے تھے، غرض کہ ان کے سارے اندازے غلط اور منصوبہ نام کام ہو جاتے ہیں۔

یہ انشاء اللہ دراصل ہماری انفرادی زندگی کے چھوٹے و درحقیقت کاموں، سرسری ملاحظوں اور نفروں یا محض تاریخ کے تعین کے لئے نہیں ہے، بلکہ ان تمام اجتماعی کاموں اور عظیم منصوبوں پر حاوی ہے جو پوری قوم کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس لئے ان سب چیزوں کو (بشمول جدوجہد) اسباب و وسائل کی اہمیت اور قرآن و سنت، اسوۂ و رمل صحیہ، اسوۂ نبوی ﷺ اور عمل صحیہ کی روشنی میں تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت کے) اس یقین کے ماتحت ہونا چاہئے کہ فیصلہ کن اور بالاتر اور اول و آخر چیز بہر صورت ارادۂ الہی ہے اس آیت میں ولا تقولن لشیء اسی فاعل دالک غدا الا ان یشاء اللہ اور کوئی بات ہو، مگر کبھی ایسا نہ ہو" میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا" الا یہ سمجھ لو گا وہی جو اللہ چاہے گا۔

صرف ایک فرد مخاطب نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ کا معاشرہ تمام حکومتیں ادارے اور جماعتیں اور تحریکیں منی طب میں اور ان سب سے اس کے اہتمام و استعزام کا مطالبہ ہے، یہ ہر اس اسلامی معاشرہ کی روح ہے جس میں ایمان اچھی طرح سرایت کر چکا ہو اور اس تہذیب کی روح اور

جو ہر حیات ہے جو ایمان بالغیب کی بنیاد پر قائم ہوا اور یہی وہ خط فاضل ہے جو مادی تمدن اور ایمانی تمدن کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔

یہ صاحب ایمان سچھی اس کو متنبہ کرتا ہے کہ قسموں کا الٹ پھیر اور خوش نصیبی اور بد نصیبی کی یہ تقسیم، ابدی اور ناقابل شکست نہیں، مدام کار اور تصرف و اقتدار کا اختیار خالق کائنات کے ہاتھ سے چھوٹ نہیں۔ کا وہ اب بھی اس کا مالک ہے خوش نصیب بد قسمت ہو جاتا ہے، اور بد قسمت خوش نصیب مالدار غریب بھی ہو سکتا ہے، اور غریب مہمدر بھی، اس لئے حالات پست و عالیٰ تو اس میں تعجب نہ ہونا چاہئے۔

ان ترن اس اقل منک مالا و ولدا فعسی رسی ان بوء تینی خبرا من جنتک ویرسل علیہا حسانا من السماء فتصبح سعدا ر لقا او تصبح ماء ہا غورا فلن تستطيع له طلما

اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر پارہا بتو بعید نہیں کہ میرے رب مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرمادے، اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ صاف میدان بن کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں تر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے اور آخر کار یہی ہوا خدا کی بھیجی ہوئی ایک آندھی آئی اور دیکھتے دیکھتے یہ لہہ ہاتا ہو گلزار چمنیل میدان بن گیا۔ اب اس مست و بے خود شخص کو ہوش آیا۔

واحیط بشمرہ فاصح یقرب کفیه علی ما انفق فیہا وہی خاویۃ علی عروشہا ویقول یلیتی لہ اشراک ہرہی احدا ولم تکن لہ فنة یصروہ من دون اللہ وما کان منتصرا ہالک الولاية لہ الحق ہو خیرا تو انا و حیر عقبا

اور پھر دیکھو ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی کے) پھیرے میں آئی۔ وہ ہاتھ مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درختی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہو گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں اب وہ کہتا ہے، اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا اور دیکھو کوئی جتھہ نہ ہوا کہ اللہ کے سوا کسی مدد کرتا اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا! یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے۔

یہ باغ وال اس طرح مشرک نہ تھا، جس طرح عام مشرکین ہوتے ہیں، قرآن کے کسی نص یا اشارہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اس کے برعکس قرآن کے اسلوب اور انداز کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا تھا۔

وَلَن رَّدَدْتَ إِلَىٰ رَبِّی لَا حِذْنَ خَیْرًا مِّمَّا مَقَلْنَا

اور اے ایسا ہوا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف وٹیا کیا تو (میرے لئے یہ اٹھکا ہے؟ مجھے ضرور) وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانہ ملے گا۔ پھر اس کا وہ شک یہ تھا جس پر اس نے کف افسوس ملا اور نہ امت کا اظہار کیا۔

یلتی لم اشرك بری احد الا کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ وہ ظاہری بات جس میں اشکال کی کوئی وجہ نہیں یہ ہے کہ اس نے اسباب میں شرک اختیار کیا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کی ساری خوشحالی و دولت کا سرچشمہ یہی اسباب ظاہر ہیں اور یہ انہیں کا ثمرہ اور احسان ہے اس نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا اور اس کے تصرف اور تاثیر کا منکر ہو گیا۔

یہی وہ شرک ہے جس میں موجودہ مادی تہذیب مبتلا ہے، اس نے صبیعی مادی اور فنی اسباب اور ماہرین فن (specialist) کو خدا کا درجہ دے رکھا ہے عہد حاضر کے انسان نے اپنی پوری زندگی ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ زندگی اور موت، کامیابی و ناکامی، اقبال و ادبار، خوش نصیبی و بد نصیبی سب ان کے ہاتھ میں ہے، اسباب مادی، کائناتی قوتوں اور نیچری یہ پرستش و تقدیس اور اہل اختصاص اور ماہرین فن پر اعتدال اور ان کو خدا کے درجہ پر رکھنا ایک نئی وثنیت اور نیا شرک ہے، اس نے قدیم بت پرستی کے ذخیہ میں جس کا ترکہ اس کے پاس اب بھی محفوظ ہے اور جس کے ماننے والے اور چاہنے والے اب بھی بکثرت موجود ہیں، ایک نئی قسم کی بت پرستی کا اضافہ کیا ہے، جو ایمان اور عبدیت کی حریف ہے اور یہ وہی وثنیت ہے جس کو مورہ کہف نے چیلنج کیا ہے، اور جس سے وہ پوری طرح برسر پیکار ہے۔

قرآن مجید اس دنیا کی زندگی کو اس کھیتی سے تعبیر کرتا ہے جو جہد ہی نلنے والی اور خاک میں مل جانے والی ہے:

واضرِبْ لَهُم مِّثْلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَا أَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاخْتَلَطَ بِهِ

سات الارض فاصح ہستیما تدروہ المراح وکان اللہ علی کل شیء مقتدر
اور (اے پیغمبر! نہیں دیا و زندقہ کی مثال نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی
روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی پر سایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھرا آئی
(اور خوب پھٹی پھوٹی) پھر یہ ہو یہ نہ ہو پتہ نہ ہو یہ پورا ہو گیا، ہوا کے جھونکے اسے اڑا کر
منتشر کر رہے ہیں! اور نوکی بات ہے، جس نے رستہ پر اٹھنا شروع نہیں کیا

لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له المذک وله الحمد بحی و یمیت وهو
علی کل شیء قدیر

وما عدا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی کے کرشمے

۲۵ جنوری ۱۹۷۰ء بمقام مجلسِ صیانتِ قرآن، لاہور
جہاں یہ حقیقت مقرر ہوئی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیاتِ طیبہ کیا ہے؟

حمد و ثناء کے بعد مورا نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی من عمل صالحا حاصل
دکر و اسی جوونی نیک تمسارے کام دہویا عورت بشر طیبہ وہ مؤمن ہو ہم اس واپس زندگی
گذروائیں گے، ہم اس کو حیاتِ طیبہ عطا کریں گے اور بہترین اجر آخرت میں دیں گے، یہ خدا کا
ایک بڑا اعلان ہے، بہت بڑا چونکا دینے والا وعدہ ہے، بڑی ضمانت ہے، مرد اور عورت دونوں
تخصیص نہیں۔ یہ سب کے لیے ہے۔ ہر مرد و اپنی زندگی خواہ اس نے زندگی سب سے زیادہ محبوب
چیز ہے، زندگی کی ہر چیزیں مزہ ہے کھانے میں مزہ ہے تو زندگی بدولت، صحت کام ہے تو
زندگی بدولت، اور دکا مزہ ہے تو زندگی بدولت، یہ سب زندگی کے کرشمے، زندگی کے
ہیں، اگر ہم نہیں ہیں تو ہماری بدولت ہمیں ان کا کیا فائدہ۔

زندگی کی بے ثباتی!

اگر دنیا میں نعمتیں مل رہی ہیں، لذتیں برس رہی ہیں، آسمان سے برکتیں اتر رہی ہیں۔
زمین سونا اگل رہی ہے، اور دسے گھر بھرا ہوا ہے، ہر وقت گھر میں محلہ میں شہر میں جشن ہو اور
ہماری آنکھ بند ہوئی تو عید ہو یا رات، رنج ہو یا خوشی، ہمارے گھروں میں محلہ میں دستہ خوان

بچے ہوں تو ہمیں کیا حاصل، تمام خوشیاں و مسرتیں تو زندگی کے دم سے ہیں۔ جہاں آنکھ بند ہوتی تمام چیزیں بے کار و بے معنی ہیں زندگی تمام دھڑپوں کا مرکز ہے۔ ہر چیز میں شیرینی زندگی بدوست ہے لیکن ہم ناقص العقل، مفہم کم عمربہ تجربہ نہیں، جانتے کہ اچھی زندگی کیا ہے؟ بہارنِ مثال تو بیکار ہی ہے، کہ مٹھائی ہٹانے کو ملے اور من مانی کرنے کی اجازت دی جائے۔ پتہ نہ دیا جائے، کہ وہ گھر کی پھت سے رنے کوئے تو کوئی نہ روئے، کوئی ناز بردار باپ ایسا نہ ہوگا کہ وہ یہاں کرنے دے بہارے نقشہ پر تو زندگی ایسی ہے کہ بچے سے جوان بنے اور سب سے بڑے، تھینے کوئے، امیر گھرانوں میں گڈے کی شادیاں بڑے دھوم دھام سے منائیں تو زندگی تمام مٹھائیاں، مسرتیں ان جاتی ہے۔

۱۰ اور عقل کا فرق

یہ بات اور کاسے نے فرمائی ہے۔ چاروں قسبوں میں سب سے کم سن انسان ہی بچہ نہیں آتا۔ سب سے زیادہ فرتاریہ انسان عقل کا فرق ہوتا ہے۔ یہاں عقل دوسری چیز ہے، یہ زندگی کے وقت معلوم ہوتی ہے۔ ایک بکرنا دوسرے و سنورن معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات پتہ چلتی ہے ان کے نزدیک خواب و خیال ہے بچوں کا کھیل ہے، جن کو اللہ پشتم بہت عطا فرمادینا ہے، اصل زندگی بہار جن کو نظر آ جاتی ہے، ان کو یہ بچوں کا نہیں ہی نظر آتا ہے۔ حیات ہی بڑا کوئی کہے یہ آخرت کی زندگی سے متعلق ہے تو یہ نہیں کہ وہ تو جلدی زندگی ہے۔ مگر یہ بات کہاں ہے کہ دنیا میں ٹھوڑی کھوٹ میں کے میرے نزدیک مصائب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی زندگی سدھ و دیں گے۔ آخرت میں تو بے شک ان کو آرام ملے گا۔ دنیا میں بھی اچھی زندگی و آخرت میں بھی حیات طیبہ و عافیاں نہیں گے۔ ارشاد ربانی ہے۔ جن لوگوں نے معصیت کی ان کو اس کا مزہ نہیں چکھا دیں گے۔

دل کو ہلا دینے والا اعلان:

دوسری جگہ ارشاد ہے

فلا تعجک اموالہم و اولادہم۔

جن لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا آخرت کو فراموش کر دیا، ان کے لئے یہ سخت ترین عذاب ہے۔ سخت ترین اعلان ہے بدن کے رونگٹے اس اعلان سے کھڑے ہو جانا چاہئیں۔ خدا فرماتا ہے کہ اسی دنیا کی زندگی میں ہم ان کو مزہ چکھا دیں گے۔ ہم ان کو پیس پیس کر مار دیں گے، ایسے ماریں گے کہ تمام نشہ اتر جائے گا۔ اسی اولاد سے جو بڑی اربانوں سے ملی، خون جگر پلا پلا کر، سخت جگر کھلا کھلا کر پالا گیا۔ جس اولاد سے نافرمانی کی، خدا کو بھلا دیا تو یہ اولاد تمہارے گلے کا طوق بن جائے گی۔

ماں کیا ہے اور کیا ہو گئی:

عورتوں کو بچے پالنے میں جن مصائب سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کا تھوڑا حصہ ان کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ تو اس کی ویت کی قسم کھاتا ہوں۔ بچہ کی بیماری میں جو ماں سے دل پر زرتی ہے، مائیں روتی ہیں۔ بلکتی ہیں، تڑپتی ہیں، اس کو عورتوں سے زیادہ کون جانتا ہے۔ یہ لاڈلوں سے پالی ہوئی اولاد جب بڑی ہوئی تو ماں باپ نے اچھا انتخاب یا شادی کی، ماں و زور خرچ کیا، نذرانے پیش کئے، اس کے بعد لڑکے کا دل ماں سے بھر گیا۔ بیوی کے تمام عزیزوں سے ملاقات اور تعلقات قائم لیکن وہیں جس نے بڑے مازوں سے پالا تھا، وہ ڈانٹ، قاتل، دشمن پھوہڑ ہو جاتی ہے۔ یہ دست کتنی بڑی ہے کہ دل پر آئے چھتے ہیں اور یہ بیٹے چلاتے ہیں۔ شادی کے بعد معلوم ہوتا ہے رشک جنت گھر جہنم کا نمونہ بن گیا۔

ماں اور بیوی کا فرق:

بعض زن مریدی میں ایسے ایوانے ہوئے کہ بیوی کی خاطر شہر چھوڑ دیا، شہر ہی نہیں ہندوستان ہی چھوڑ دیا۔ یہ سب دنیا میں ہوتا ہے اور گھر گھر میں ہو رہا ہے اور داؤد آدھ، یہ سی بات ہوئی کہ ٹھنڈک میں رمی، آگ میں پانی، پانی میں آگ، اندھیرے میں اجال، ماں بیٹے کو کیسے بھول سکتی ہے نہ تعلق رکھ سکتی ہے ورنہ گھر میں داخل ہوا تو بحث و تکرار شروع ہو گئی، ماں کا کام ہے خاموش سنتی رہے، پنی زیاں میں قفل ڈالے۔ اس کو بولنے کا حق نہیں اور بیوی کو پیغمبر کی طرح بے قصور سمجھ لیا۔ اس نے حلق کوئی سنی نہیں جاسکتی۔ یہ وہی اولاد ہے جس کی

خاطرِ ماں اپنی رات آنکھوں میں کات دیتی ہے۔ ذرا اس بچے کو تکلیف ہو جائے تو بے حال ہو جاتی ہے، کہاں کا آرام کہاں کا سون سہرا پااضہ اب بن جاتی ہے۔ یہ ہوا والا اسے انت ترین عذاب۔

مال ایک عذاب:

مال آیا تو قوتوں کی مصیبت آتی۔ طرح طرح کی مصیبتیں آتی ہیں۔ حق ہو میں پتہ نہیں تو ۹۹ کے پھیسے میں پڑ گئے۔ بھٹی، موٹر کار، کب تک یہ۔ میں تو ہوتا ہوں۔ تپ و دق تک یہ۔ اول و مال تو کھائے ہیں نہ کہ کھائے۔ مال میں کوئی نہیں۔ لیکن بیماروں تک یہ۔ آسمان کی فیس میں پیسے کمر بستہ ہیں۔ آب و ہوا کی تبدیلی میں پیسے کمر بستہ ہیں۔ یہ سب میں اس نے تجویز کی تھیں کہ ماں ان چیزوں میں ہنس رہے اور مہلک بیماریاں تک رہی ہیں۔ امیہ وں کی بیماریاں بھی یہ ترہوتی ہیں۔ بیماریوں کی وجہ سے نہ دن کو آرام نہ رات کو۔ حقیقی آرام ان، حاسن ہی نہیں دے۔ مال بھی ہے اور بڑھتی ہے۔ چوبیس گھنٹے جان بھٹکی پر رہتی ہے۔ نہ تعلیم سے پتہ ہوتا ہے نہ دوست سے سٹھ کا تعلق کی اور نیز سے ہے، حقیقی مسرت کی اور چیز میں ہے۔

فیض اسیل بیوی:

ہمارے دوستوں نے ہمیں بتایا کہ آج کل تعلیم یافتہ بیویوں میں شادی نہ کرنے کا رجحان عام ہو رہا ہے۔ شوہر دن بھر ہاتھ مارا کھاتا ہے تو سیاست پر بحث شروع ہو گئی کہ آپ نے آج نام نہ آف انڈیا میں فلاحی خبر پڑھی ہوں۔ سوشلزم سے میں اسی کے گھبراتی ہوں۔ شادی نہ کرنے کی بات ہی تو بیوی نے کہا کہ آپ نہیں نہیں ہر گز نہیں ہیں۔ میں نے تو فلاحی سب سے زیادہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے قدم ثروتمندوں سے ہم سبھوں کی حفاظت فرمائے۔ اس پر اتنا رت ہوئے آپ سے جانت چاہوں ہ۔ والہم متینکم۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين الصطفى اما بعد ۝ فاعوذ بالله

من الشيطان الرجيم ۝ بسم الله الرحمن الرحيم ۝

سورة الانبياء کی آیت ہے

(ترجمہ) ”ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ

ہے تم غور کیوں نہیں کرتے۔“ (الانبياء۔ آیت ۱۰)

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ قرآن ایک صاف، شفاف سچا، وفادار اور دیانتدار آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنے خدوخال دیکھ سکتا ہے، معاشرہ میں اپنا مقام پہچان سکتا ہے، کیونکہ قرآن انسانوں کے اخلاق و صفات بیان کرتا ہے اور اس میں انسانیت کے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر طرح کے نمونے کی تصویریں موجود ہیں فیہ ذکر کم یعنی اس کتاب میں تمہارا بیان ہے تمہارے حالات اور اوصاف مذکور ہیں۔ جیسا کہ بہت سے علماء نے سمجھا ہے۔

سلف قرآن کو ایک زندہ، بونے والی اور زندگی سے بریز کتاب تصور کرتے تھے ان کے نزدیک قرآن کوئی تاریخی اور آثار قدیمہ کی چیز نہیں ہے۔ جو صرف ماضی اور اگلے وقتوں کے لوگوں سے بحث کرتی ہو اور جس کا زندہ دُور سے بدلتی ہوئی انسانی زندگی انسانیت کے ان بے شمار و امحد و نمونوں سے جو ہر زمان و مکان میں موجود رہتے ہیں کوئی تعلق نہ ہو۔

ہمارے اسلاف اپنے اخلاق و اوصاف اور اپنے اندرون کو بخوبی جانتے تھے ہر چیز ان کے سامنے روشن اور عیاں ہوتی تھی۔ وہ اسی قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اسی عجیب و غریب کتاب میں اپنے چہرے ڈھونڈتے اور اپنے اخلاق و اطوار کی سچی اور صحیح تصویر تلاش کرتے تھے اور بہت آسانی سے خود کو اس کتاب میں پا جاتے تھے اور پہچان دیتے تھے اگر ذکر خیر ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور پچھ اور ہوتا تو استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتے

تھے۔

اس آیت کی تلاوت پر مجھے سیدنا حنف بن قیس کا ایک واقعہ یاد آیا۔ حضرت حنف بن قیس بارتاعین میں سے ہیں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مخصوص ترین اصحاب میں نکا شمار ہوتا ہے علم میں ضرب المثل تھے مگر اس کے باوجود جب غصہ میں ہو جاتے تو ان کی غیرت و حمیت میں جوش آ جاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ جب حنف کو غصہ آتا ہے تو ان کے ساتھ ایک آٹھ تواریں غضب ناک ہو جاتی ہیں۔

یہ واقعہ میں نے ابو عبد اللہ محمد بن احمد امروزی، متوفی ۵۷۲ھ کی تصنیف ”قیام الیل“ میں پڑھا ہے مصنف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے ارشاد سمدہ میں سے تھے۔ اور کمان غالب ہے کہ اس کتاب کی تصنیف آپ کے شہر بغداد میں ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت حنف بن قیس تشریف فرما تھے کہ انہوں نے کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو چونک پڑے اور فرمایا ذرا قرآن مجید لانا میں اپنا ذکر تدش کروں اور معلوم کروں کہ میں کس کے ساتھ ہوں اور کس سے مشابہ ہوں۔ ”قرآن مجید بھولا تو اس آیت پر نظر پڑی جس میں کچھ لوگوں کے متعلق ارشاد ہے۔

(ترجمہ) رات کے تھوڑے حصے میں سوتے تھے وہ اوقات سحر میں بخش x مانگا کرتے تھے اور ان کے دل میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا تھا۔ (بخاری، ج ۱ ص ۱۹)

پھر یہ آیت گزری

(ترجمہ) ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو مال ہم نے انہوں پر ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (اسجدہ، آیت ۱۶)

پھر ان کے سامنے ایک گروہ آیا جس کی تعریف اس طرح کی گئی۔

(ترجمہ) ”اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے بجز وادب سے کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔“ (الفرقان-۶۳)

پھر ان کا گزرا یہ لوگوں کے پاس سے ہوا جن کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے۔

(ترجمہ) جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خدا نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔“

پھر ان کے سامنے چند اور نمونے آئے جن کا تعارف اس طرح کیا گیا۔

(ترجمہ) اور دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچ لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔“ (الحشر۔ ۹)

پھر یہ آیت سامنے آئی

(ترجمہ) ”اور جو بڑے بڑے گنہگاروں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“ (الشوریٰ ۳۷، ۳۸)

پھر رک گئے اور فرمایا اللہ یہاں تو میں اپنے آپ کو نہیں پاتا ہوں اور دوسری جگہ تلاش کرنا شروع کیا تو ایک جماعت کا تذکرہ اس طرح دیکھا۔

(ترجمہ) ”ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔“ (الصفت ۳۵، ۳۶)

پھر ان حضرات کا تذکرہ سامنے آیا جن سے سوال کیا جائے گا۔

(ترجمہ) ”جب تمہارا دل میری بات سے توجہ نہ کرے تو غرور پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل غفلت ہو جاتے ہیں اور جب اس نے سواروں کا ذرا سا توجہ نہ دے تو خوش ہو جاتے ہیں۔“

پھر ان حضرات کا تذکرہ سامنے آیا جن سے سوال کیا جائے گا۔

(ترجمہ) ”(سوال ہوگا) تم دوزخ میں کیوں پڑے وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے، اور اہل بطل کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔“ (امدثر ۴۲-۴۷)

پھر ٹھہر گئے اور فرمایا۔ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں ان لوگوں سے برأت ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے بعد ورق الٹتے رہے اور تلاش کرتے رہے آخر کار جب اس آیت پر نظر پڑی:

(ترجمہ) ”اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنے کلموں کا اقرار کرتے ہیں انہوں نے اپنے ہر برے عملوں کو معاذیہ تھا۔ قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (التوبہ: ۱۰۲)

تو فرمانے لگے اے خداوند! میں انہی لوگوں میں سے ہوں، آئیے ہم بھی اپنا زہر اپنی تصویر پوری دیانت داری اور سنجیدگی سے قرآن میں تلاش کریں قرآن شیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے صدائیں کے ساتھ کفار و مشرکین کا بھی تذکرہ اس میں موجود ہے قرآن افراد اور جماعتوں دونوں کی تصویر کش کرتا ہے ارشاد ہے

(ترجمہ) اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معصوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑاؤ ہے اور جب پیٹھ پیچھے سر چھپاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (بر باد) اور انسانوں اور حیوانوں کی نسل کو نابود کر دے، اور خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے خوف کرو تو عز ورا اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے سو ایسے و جہنم سزاوار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، (البقرہ: ۲۰۳-۲۰۶)

پھر اس کے بعد ارشاد ہے:

(ترجمہ) اور کوئی ایسا شخص ہے کہ خدا ان خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور خدا بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (البقرہ: ۲۰۷)

ایک جماعت کا ذکر اس طرح ہے،

(ترجمہ) ”اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا اسے وک پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں، اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں، یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑی شہنشاہوں اور رجاؤں سے بڑا ہے۔“ (المائدہ: ۵۴)

ایک دوسری جماعت کا تذکرہ اس طرح ہے،

(ترجمہ) مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو نبی

کو اٹھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی تذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔“ (الحزاب - ۳۳)

شکر اور احسان شناسی کی ترغیب دلاتے ہوئے قرآن کریم انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ذکر کرتا ہے اور ناشکری، اور احسان فراموشی، عز و اور حسن سلوک کا جواب بد سلوک سے دینے کی مذمت کرتے ہوئے اور اس کے انجی مبد سے ڈارتے ہوئے فرماتا ہے

(ترجمہ) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا۔“ (ابراہیم - ۲۸)

اور اس کی مثال ایک بستی سے دیتا ہے جس نے خدا کی نعمتوں کو فراموش کر دیا اور جس کے افراد اپنی خوشحالی پر اترانے لگے ارشاد ہے:

(ترجمہ) ”اور خدا ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی، ہر طرف سے رزق یا فراغت چھا آتا تھا مگر ان لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو خدا

نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہن کر (ناشکری کا) مزہ چکھ دیا۔“

یہ انسانی اور اخلاقی نمونے جو قرآن نے مختلف ناموں سے پیش کئے ہیں کہیں کسی مصطفیٰ العنان فرمانروا کے نام سے مثلاً فرعون، کہیں کسی سرکش وزیر یا امیر کے نام سے مثلاً ہامان کہیں کسی متکبر اور بخیل سرمایہ دار کے نام سے مثلاً قرون، کہیں کسی ظالم و جابر قوم کے نام سے مثلاً ثمود۔ یہ تمام ازوال انسان فی نمونے ہیں جو کسی زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ اور یہ تمام نمونے انسانی فطرت کے مختلف کمزور پہلوؤں اور گوشوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان افراد اور جماعتوں کی انجام پر بھی روشنی ڈالی ہے اور صفائی کے ساتھ کہا ہے کہ جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا اور ان کو اپنا رہنما اور قائد تسلیم کرے گا اس کا انجام بھی وہی ہوگا۔

جو ان افراد اور جماعتوں کا ہوا۔

(ترجمہ) ”جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے اور خدا کا حکم

مقرر ہو چکا ہے۔“

وما علینا الا البلاغ المبین .

بسم الله الرحمن الرحيم

علم حدیث ایک بیش بہا خزانہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ۝ فاعوذ باللہ من الشیطان

الرجیم ۝ بسم الله الرحمن الرحيم ۝

حضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحتاً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ۱۔ تلاوت، ۲۔ تعلیم کتاب، ۳۔ تعلیم حکمت، ۴۔ اور تزکیہ نفوس۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم

ويعلمہم الکتاب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی صلل مین

(ترجمہ) ”وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔“

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیتنا ویزکیکم و

یعلمکم الکتاب والحکمة و یعلمکم مالکم تکتوبوا تعلمون۔ (البقرہ ع ۱۸)

(ترجمہ) جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔

اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔“

درحقیقت بعثت نبوی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا میں نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، اس طرح نئے اخلاق نئے جذبات و کیفیات، نیا شوق آخرت، نیا جذبہ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر نئی محبت و الفت حسن سلوک و ہمدردی، برومواسات، منکرم اخلاق، اسی طرح نیاز و عبادت، خوف و خشیت،

توبہ و انابت دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی۔

اور انہی خصوصیات کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو مجدد رسالت اور عہدِ صحابہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ ان مقاصد و نتائجِ بعثت کے کامل ترین نمونہ اور بہترین نمونہ تھے اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گرد دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت و تعلیم ان سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے پوری زندگی اور قرآنِ اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔ لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرے اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر و ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی اور سیرت و اخلاق۔

(۲) قرآن مجید۔

(۳) آپ کے ارشاد و ہدایات، مواظظ و نصائح اور تعلیم و تلقین اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد و نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر و تشکیل میں ان تینوں عناصر و ارکان کا دخل ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئتِ اجتماعی جس میں عقائد و اعمال، خلق، جذبات، ذوق، رجحانات، تعلقات سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد و اعمال کے ساتھ، جو خاص اسلامی اخلاق اور اس کے سب سے اعلیٰ افوق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیت نظر آتی ہیں۔

یہ تہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب و روز ان کے سامنے رہتی تھی۔ اس سیرت و اخلاق کا نتیجہ ہے کہ جوانی انکھوں کے سامنے تھی۔ اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات و نصائح و تلقین کا بھی جس سے وہ حیاتِ طیبہ میں برابر مستفید ہوتے رہتے تھے۔

اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد و ضوابط اور

ان کی قنونی پابندی نہ تھی بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات و ترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیت اور روح بھی تھی۔ حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے واقف بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے اقامتِ صلوٰۃ کا حکم بھی پایا تھا اور اللذین ہم فی صلاتہم خاشعون کی تعریف بھی سنی تھی مگر انہوں نے اس کی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع و سجود کی کیفیت دیکھی جس کو انہوں نے سماعِ لہ ادیناً کا ذیذ الموحل (ہم آپ کے سینے کی آواز اس طرح سنتے تھے بانڈی میں لہل آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے۔

لیکن جب تک انہوں نے زبانِ نبوی سے قوۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نمازیں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق و اضطراب کے ساتھ ارحنیٰ یا بلال (بلال! اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا۔ ان کو نماز کے ساتھ اس عشق و شغف کا اندازہ نہیں ہوا۔

اس طرح جب تک انہوں نے خاصانِ امت کے سلسلہ میں و قلب معلق فی المسجد حتی يعود الیہ (ان کا دل مسجد میں ٹکا رہتا ہے مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد میں نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے ان کو مسجد اور قلبِ مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا۔ انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی وہ نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع و ابتهالِ نریہ و زاری اور الحاج و اصرار کے الفاظ و مفہوم سے بھی وہ آشنا تھے لیکن اس حقیقت کو انہوں نے اس وقت جانا جب انہوں نے میدانِ بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ:

للهم اسدک عہدک و وعدک اللهم ان شئت لم تعبد

”اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ اگر تو چاہے اس منھی

بھر جماعت کو ہلاک کرنا تو تیری عبادت نہ ہو۔“

اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو حضرت ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جاسکی یہاں تک کہ انہوں

نے عرض کیا ”حسک یا رسول اللہ کافی ہے ان کو معلوم تھا کہ دعائی روح، بندگی اور اپنی
عجز و درمندی کا اظہار ہے اور جس دعا میں یہ جو ہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے۔ یمن
بندگی اور عجز و درمندی کا اظہار ہے اس کے حقیقت جب ان کو معلوم ہوئی جب انہوں نے
عرفت میں آپ کو یہ کہتے سنا

اللهم انک تسمع کلامی و تری مکانی و تعلم سری و علانی لا
یخفی علیک شیء من امری و أنا البائس الفقیر المستعیث المستجیر الرجل
المشفق المقر المعترف بذنبی اسئلك مسالة المسکین و ابتهل الیک
اتھال المذنب الذلیل و ادعوک دعاء الحائف الصریر و دعامن حصعت
لک رقبة و فاصت لک عبرته و ذل لک جسمه و رعم لک الله اللهم لا
تجعلنی بدعائک شقیقا و کس لی رؤفا رحیما یا حیر المسولین و یا
خیر المعطین“

(ترجمہ) ”اے اللہ! تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ
اور ظاہر کو جانتا ہے تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مصیبت زدہ ہوں محتاج ہوں،
فریاد کی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، حراساں ہوں، اپنے گنہگاروں کا اقرار کرنے والا ہوں
عترت کرنے والا ہوں، تیرے گے سوال کرتا ہوں جیسے بے کس سوال کرتے ہیں تیرے
آگے ٹڑٹڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل و خوار کڑٹڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف
زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی
ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی
ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے
حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اور اے
سب دینے والوں سے اچھے۔“

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور

ما الحیوة الدنیا الا لہو و لعب و ان الدار الاخرة لہی الحیوان.

(ترجمہ) ”دنیا کی زندگی محض کھیل و تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔“

کے الفاظ ان کو یاد تھے مگر اس کے حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی سے ہی معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ و دیکھ کر ہی سمجھے کہ آخرت و اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت و اصل زندگی سمجھنے والوں اور اللہ لا عیش الا عیش الاخرہ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔

اس عملی نقشہ اور اجماع ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد، مصائب اور جنت کے انعامات و ندامت کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچ رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفیق جیسے اخلاقی و تعلیمات کے مفہوم سے نا آشنا تھے، صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں انکی تطبیق نیز صحیح عمل انکو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء و اصحاب و اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں ہدایت، وصیتیں اور ارشادات سنے۔

ان کو عامتہ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھیں، مگر اس کی بہت سی صورتیں مثلاً عیادت مریض، اتباع جنازہ، شمشیت عاٹس وغیرہ وغیرہ ایسی تھیں جو شاید رکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت و افادیت ان کو معلوم نہ ہوتی۔

اس طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبوی میں اس طرح کیا گیا ہے۔

(ترجمہ) ”لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔“

اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس بلند مقام تک پہنچ سکتے جس کا اظہار

اس روایت سے ہوتا ہے!

ورسما دبح الشاة ثم يقطعها اعضاء ثم يعثها في صدائق حديده
 ”اور بلیات ایسا ہوتا کہ آپ سے یہاں بری فتنہ ہوتی تو آپ اس سے پار پتے ایک
 ایک کرات پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں
 بھیجتے۔“

حدیث کے شعبہ معاشرت میں یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث
 زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت
 کے لئے کیا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی
 اور قنونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے
 کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو موثر اور منتج بنانے کیسے درکار ہے۔

مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، حول اور فضا پیدا نہیں کرتا، جو نماز
 کی روح و جسم کی حفاظت اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی اجتماعی و اخلاقی نتائج
 و اثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے اس کے لئے ان مبادی و مقدمات،
 آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو بہتم باشان، موقع و موثر بنائیں اسی بنا پر نماز سے
 لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شہور، تعقل، خشوع و خضوع سکوت و قنوت اور جماعت کا
 حکم دیا گیا ہے۔

یعنی اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل
 اور خارجی تقاضات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور، حول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور
 روحانی و اجتماعی و خدائی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان
 پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات
 و ہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز ترمیم نفس، تربیت اخلاق، تعمیر
 سیرت و انقطاع عن الخلق نیز امت کے تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی
 ہے مثلاً

وضو کی نیت و فضیلت اور ارار کا استحضار، مساجد کے طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور رتبیہ اس حدیث سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب اذان و اقامت کا ثواب، امت کی فضیلت و منصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تائید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب مساجد میں تعلیم و تعلم کے حقوق کی فضیلت ذکر کے حقوق کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کی دعا اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب و ہدایت کے علم و عمل سے نماز اتنی مہتمم با شان چیز اور تزکیہ و اصلاح، تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ ان اللہ کا ایسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اضافہ کیجئے۔

اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لیے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے صوم و صلوٰۃ و حج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی، اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادت کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرور و منقطع کر دیا جائے اور اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جو اب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جد عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرے کی تعمیر کی جس کے اندر عبادت تقویٰ و انابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو کہیں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے؟

حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات و ہدایت (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول کہ مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودا سرسبز و بارآور ہوتا ہے۔

دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ، یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں وہ جذبات، واقعات اور عملی مش

افلا اکون عبدا شکورا

”کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔“

وہ نفست کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں؟ جن کی آنکھوں نے کاشانہ نبوت میں دو دو مبینے چولہا گرم ہوتے نہیں دیکھا، جنہوں نے شکم نبوت پر پتھر بندھ ہوا اور پشت مبارک پر نشانات پڑے ہوئے دیکھے۔ جس نے سونے کی بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے؟ اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے نہیں ابھر سکتا؟

جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خدموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارم اخلاق اور ان نیت کا درس اس در۔ کو چھوڑ کر اور کہاں سے مینے جائے گا؟

پھر اس، حول میں کاشانہ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ دوران کے گھروں کی زندگی و معاشرت ان کے دلوں کی تپش ان کے شبوں کا گداز، ان کے بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی و للہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے ان کا انقیاد و کامل اور ان کی بشری غزشتیں۔ یہاں یہاں انسانی کے اشارے کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گذرتا ہے اور لذت و مسرت، مکے کے غزوہ، تبوک سے تپکھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی، حول ہے جس میں زندگی اپنے پتہ پر، تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس کے بر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر لیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کی شریک و سہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کی غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔

تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی

کوئی جدت نہیں ہے صحابہ کرام کا عہد نبوی ہی میں کتب حدیث کے طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا پھر انہی کے آخردور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران و خراسان و ترستان کے طالبین علم کے سمندر کا امتداد آنا، اس کا جمع و حفظ، حدیث سے عشق و شغف ان کا غیر معمولی حافظہ ان کا عزم و ہمتی، پھر اسماء ارجال اور فن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو ان کا ملکہ راسخ اور بصیرت کا مدد حاصل تھی پھر ان کا انہماک اور خود فراموشی پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی علم اسلام میں مقبوضیت و اشاعت۔

یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کے طرح اللہ تعالیٰ کو اس ”صحیفہ زندگی“ کو بھی محفوظ کرنا مصود تھا اس کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی ذوق، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح عقد و احکام ہی میں توارث کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ حدیث کے اثر سے عہد سنی بہ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سید و سرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد بھی ایسا نہیں آنے پایا جب وہ مزاج و مذاق یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق سے حاصل کہے جاسکتے ہیں وہی عبادت کا ذوق وہی تقویٰ و خشیت وہی استقامت و عزیمت وہی تواضع و احتساب وہی شوق آخرت وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یہ ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودہویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے۔

سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبد اللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے؟

جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ عہد سنی بہ کا، حول محفوظ ہے دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم

و رواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور ابھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت انکار آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دیا بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی و تجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت و شریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرپیشہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی صرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو یہ نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو سب عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کرنے کی سازش کا شکار ہیں۔

اُس وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ پھر اس مزاج و مذاق کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہو سکتا ہے یا بواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جتیا جگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چاتا روزنامہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوتی ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابدی کتاب

سُحْمَدُه وِصَلٰی عَلٰی رَسُوْلِه الْکَرِیْم ۝ اَمَّا بَعْدُ ۝ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ

مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

انسان کی ہدایت کے لئے بہت سے قانون ہدایت اللہ تعالیٰ نے نازل کئے مگر ان کے پیروکاروں اور ماننے والوں نے ان میں تبدیلی کر ڈالی اور اپنی طرف سے بہت سی کمی بیشی کی آج کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں۔ ایک قرآن کریم وہ ابدی کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف تک جو کاتوں محفوظ ہے جس کا اعتراف خود اس کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔

حضرات! قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف و تبدیلی کا نشانہ اور تلف و تباہی کا تحقیر مشق بنتے رہے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ و بقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی بلکہ اسے ان کے علماء و حامین کے سپرد کر دیا تھا، اس کے علاوہ بشریت اور انکی مخاطب امتوں کو ان کی ضرورت ایک عرصہ ہی کے لئے رہی۔

”پیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمان بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ اور مشائخ اور علماء بھی، کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے۔ اور اس پر گواہ تھے۔“ (یعنی الہی کا یقین رکھتے تھے) اور یہ تاریخی طور پر ثابت اور ایک صحت حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے کیا ہے جن کے پاس یہ صحیفے آئے تھے عہد متیق کے صحیفے برابر غارتگری اور آتشزدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں۔ اور خود یہودی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں پہلی بار جب بخت نصر (۶۰۵-۵۶۳ ق م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر ۵۸۶ ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان نے

تورات کی تختیں اور آل موسیٰ و آل ہارون کے تبرکات محفوظ کر دیے تھے اور جو یہودی قتل سے بچ گئے انہیں وہ قید کر کے بابل لے گیا۔ جہاں وہ پچاس سال تک رہے اور عزرائیلی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو ”تورہ“ کہلاتے ہیں اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات و تاریخی اسلوب میں لکھ کر پھر تمخیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلے کا اضافہ کیا اور داؤد کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب انطیوخوں چہارم نے جس کا لقب بیقائس تھا۔ اور جو یونانی اٹھا کیہ کا بادشاہ تھا بیت المقدس پر ۱۶۸ ق م میں حملہ کیا اور صحف مقدسہ کو جلا دیا اور تورات کی تلاوت اور یہودی شعائر و روایات کو حکماً روک دیا یہود امقانی نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا۔ اور عہد متیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹائیٹس (۳۰-۸۱) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ۷۰ ق م میں حملہ کیا اور اس کو مکمل سیمان سمیت برباد کر کے اس کو ویرانے اور مہ میں تبدیل کر دیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے رومی دار الحکومت لیتا گیا۔ اور یہود کو جلا وطن کر کے شہر کے گرد دوسروں کو بسا دیا۔

تفصیل کے لئے مقدس صحیفوں کی تاریخ کی کتابیں اور جیوش انسائیکلو پیڈیا ملاحظہ ہوں۔ پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت و حفاظت، اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار اور نقطہ نظر، اس معیار و نقطہ نظر سے قطعاً مختلف ہے، جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے، مسلمان قرآن مجید کے ہر فقرہ کو کلام الہی، منزل من اللہ اور اپنے زمانہ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم و کمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں۔ وہ انبیاء و ان کا مصنف بننے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔ منہ جذباتی اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر اور اپنی کتب مقدس کے بارے میں نقطہ نظر کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے۔ ممتاز ترین یہودی فضلاء اور ماہرین کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے۔

یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انہیں کرداروں کی تصنیف ہے۔ جو ان میں مذکور ہیں اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے۔ مگر انہیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے (جیوش انسائیکلو پیڈیا ۹۳) ”قدیم

یہودی روایات کے مطابق تو رات کی پہلی پانچ ستائیس (آخری آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰ کی تصنیف ہیں۔ لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقض اور اختلافات کی جانب رہی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انہیں درست کرتے رہے ہیں۔ (جیوش انکائیگلو پیڈیا ج ۹-۵۸۹)

”اسپنوزا کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ کی نہیں عزرائیل کی تصنیف۔ جدید ترین تحقیق نے آخر کار یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔ (ایضاً)

جہاں تک انجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہدِ متیق سے بھی گہرا ہے۔ اس کی تدوین اور اس کے مولفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک و شبہ پایا جاتا ہے اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک بڑی خلیجِ حائل ہے جس کا پائنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں رہ گیا ہے یہ نجیبیں دینی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر و تبدیلی اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں اس کے علاوہ آسمانی کتابیں اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر و سوانح اور واقعات و حکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ و ادوار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی۔ جن سے یہ کتابیں نزلتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہ ہائے حدیث و سنن کا استناد اور اعتماد و اعتبار بھی نہیں رکھتیں چہ جائے کہ وہ صحیح ستہ کے برابر ہوں اس لئے کہ یہ کتابیں اپنے مولفین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط و دینداری کے ساتھ سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو ورنہ جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (عت و شذوذ) نہ ہو اس کے برخلاف تمام انجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں۔ اس کے مولفین تک کوئی سند متصل نہیں اور نہ ان کے مولفین سے حضرت عیسیٰ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں۔ وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں جن میں

وہ نازل ہوئے تھے اور جسے حضرت مسیح اور ان کی قوم بولتی تھی۔ بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آ رہے ہیں اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں ہم تک پہنچے ہیں اس لئے یہ درحقیقت سیرت و تاریخ کی کتابیں اور قصص مواعظ کے مجموعے ہیں اور انہیں امتراہ مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلادناموں سے یاد نہ کریں تو انہیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتاب حدیث کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ جن میں صحت و تحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا انہیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ اور مقابلہ ہے یہی نہیں اور مقابہ تو ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نوسلم فرانسیسی مستشرق موسیو استین دینیہ نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی و تاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ

لہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰ کو ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں دی تھی وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے اور اب اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں رہ گیا ہے یا وہ خود تلف ہو گئیں یہ عہد اٹلف کر دی گئیں اسی وجہ عیسائیوں نے اس کی جگہ چار تالیفات کو اپنا لیا جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک کی ہے کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں جس کا مزاج حضرت عسی کی اصل سری زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا اسی لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہودی تورات اور عربوں کے قرآن سے نہیں کمزور ہے۔

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات اور عقل محال چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب کیا گیا ہے جو اس کے جلال و کمال کے کسی طرح شایان شان نہیں، اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں اور جنہیں عقل سیدہ تسلیم کرتی ہے اس میں انبیاء پر ایسے اتہام و الزام ہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے داخلی شواہد تورات و انجیل میں (جنہیں مجموعی طور پر بائبل یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے) الحاق و اضافہ اور تبدیلی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اپنے موضوع پر منفرد کتاب اظہار الحق جو مولانا رحمت اللہ کرانوی (م ۱۳۰۸ھ مدفون مکہ مکرمہ) کے قلم سے ہے، ملاحظہ ہو، مصنف نے کتاب مقدس کے ۱۲۳ لفظی اختلافات کی

تشیہ کی ہے اور ۱۰۸ ایسی خطبہ شمار کی ہیں جن کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔
 ”اظہار الحق“ اصلاً عربی زبان میں ہے ہمارے فضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے
 اس کا ترجمہ کروایا اور اس پر ایک فضدانہ مقدمہ لکھا، یہ کتاب کراچی سے بائبل سے قرآن تک
 کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوگئی۔

یہ ان صحیفوں کا حل ہے جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے لگائے
 ہوئے ہیں۔ اور دنیا کی دو متمدن ترین قومیں (یہودی اور عیسائی) ان کی حلقہ بگوش اور صلبہ وار
 ہیں اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو اہل کتاب کا
 لقب اور امتیاز دیا باقی رہے ہندوستان کے دید اور برہمن کی اوستا تو ان کا زمانہ اتنا قدیم ان کے
 بارے میں تاریخ معصومات اس قدر کم، اور ان کے اصل مطلب اور حقیقی قاصد تک پہنچنا اس
 قدر دشوار ہے۔ اور ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی
 مشکوک اور ان کے زمانہ کا تعین اور بھی دشوار اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔

اے بار تھ ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پریس ”ہندوستانی مذاہب“ میں لکھتا ہے۔
 اگر ہم کچھ اخلاقی مواد امگ کر دیں جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل نہیں ہے تو پھر اس
 صحیفہ کی بحیثیت مجموعی صرف اصل عبارت باقی رہ جاتی ہے جیسا کچھ یہ ہے بس ان کا دعویٰ بھی
 کرتا ہے یعنی نہ تو یہ منجانب خدا ہونے کا مدعی ہے اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر ہی پوشیدہ
 رکھتا ہے اس کی عبارت میں بہ کثرت اضافے اور تحریفات کی گئی ہیں لیکن یہ سب نیک نیتی کے
 ساتھ کیا گیا ہے پھر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ گانا بہت مشکل ہے برہمن وہ حصے جو
 سب سے بعد میں تحریر کئے گئے ہیں وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے
 نہیں ہیں دیدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق
 کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اس کی قدیم ترین تحریروں کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے خود
 ممتاز ہندو فضلا اور ہندوستانی ماہرین فن و محققین ان صحیفوں کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں، اور
 ان کی بے راگ تحقیق اور فکر و نظر نے انکو کس نتیجہ تک پہنچایا ہے اس کا اندازہ ذیل کے دو
 اقتباسات سے ہوگا۔

مشہور فاضل سریش چندر چھو رتی لکچر رکلکتہ یونیورسٹی اپنی کتاب Philosophy of the

upaniashads لکھتے ہیں

اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں ان میں سے ایک کی نمائندگی بال گنگا دھرتی تک کرتے ہیں اور دوسرے کی مکمل طور تک کا خیال ہے کہ ویدوں کے مناجات ۲۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے جب کہ مکس مر Mex muller رگ وید کو ۲۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا حالانکہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریانی فکر و خیال کی قدیم ترین دستاویز ہے۔ رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتقاد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ رگ وید کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دینے کے ہیں لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانے میں تحریر نہیں کئے گئے تھے اور اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، یہ مان پڑے گا کہ رگ وید کے اول سے آخر تک تمام مناجات کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے۔ (۲۹-۲۳)

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر ادا کرشنن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب انڈین فلاسفی جلد دوم میں لکھتے ہیں۔۔۔ ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور نہ تو معین ہے اور نہ واضح، اور اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں مددہ ازیں، ویدوں کی وسعت میں بذات خود اس امر کی پوری گنجائش موجود ہے کہ مصنفین پوری آزادی کے ساتھ اپنے اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے حسب فتا سند اخذ کر سکتے ہیں۔ (۲۲-۲۱)

رہا ایران قدیم کا مذہبی صحیفہ (اوستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے ہیں، تو اس کے متعلق ایک ایسے مغربی فضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے جس کے مطالعہ کا یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابٹ ایچ پفاٹر (سابق) صدر شعبہ سامی لسانیات ہارڈورڈ یونیورسٹی این انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن میں لکھتے ہیں

”اہل اوستا (بھی ظروایات) تمام معلوم کا مجموعہ تھا اس کا زیادہ حصہ سکندر نے برباد کر دیا اور پھر بچے بچے جزاء سے ۲۱ حصوں یا سک پر مشتمل ایک کتاب تیسری صدی عیسوی میں ترکیب دی گئی لیکن اس میں سے کل ایک جز یا سک جس کا نام دنییداد ہے پوری طرح باقی بچ

ہے، نویں صدی عیسوی کے بعد صرف مہادت سے متعلق کچھ حصہ ہندوستان سے جایا اور وہاں پانچ حصوں میں پایا جاتا ہے جنکے نامت بشمول گاتھ ویسپر (vespered) دیندیہ (venod) اور خورداوستا (khordaavasta) ہیں۔

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری کتاب اور سب کا مصداق و نگران ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے۔ تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی کی اور زیادتی سے دور رکھنے کا ذمہ لیا اور فرمایا ہے۔

اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے اس پر جھوٹ کا بغل نہ آئے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور دانا) اور (خوبیوں والے) خدا کی اتاری ہوئی ہے (حم السجدہ)

اسی طرح سے مسخ ہونے اور کسی ہرزہ کاری کا نشانہ بننے کا حفظ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہونے یا کسی حادثہ میں معدوم ہوجانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ توراۃ کے بارے میں بارہا پیش آیا۔ اسی لئے فرمایا ب شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے۔ اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس وعدہ حفاظت میں قرآن کے حفظ و بقا اشاعت و فروغ و ترویج کے جانے پڑھے اور سمجھے جانے متروک و ازکار رفتہ و ناقابل عمل ناقابل فہم اور نقش طاق نسیان ہوجانے کی پوری نفی موجود ہے اس لئے کہ عربی کا بلغ لفظ حفظ بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) باقی رکھنے کا فیصلہ کر لیا تو اس کے لئے اللہ نے نفوس بشری فطری اور خارجی اسباب اور حوادث عالم کو اس مقصد جمیل کی تکمیل میں لگا دیا۔ چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبان ثبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز پڑتی مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے پروانہ دار کرتے، اس مسابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا، جو قرآن کی طرف سے ان کے دلوں میں رکھی گئی اور خود قرآن کے اعجاز و بلاغت اور اس کے الفاظ و تلفظ کی نرمی و حلالت کے مدد و حفظ و

حامین قرآن کے فضائل کی آیات و متواتر احادیث کو فضل تھا اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز و عبادت قانون و احکام تہمت و معاشات اور علم و ادب کے مختلف پہلوؤں کے ذریعہ متعلق کر دیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق عشق و وارفتگی کی حد پہنچ گیا۔ اور آغاز اسلام ہی سے ان میں حفاظ کی حیرت انگیز نشأت ہوئی۔ چنانچہ واقعہ یہ معنہ میں جو ۳۷ھ میں پیش آیا مسلمانوں میں سے ایسے ستر (۷۰) آدمی شہید ہوئے جو قاری یعنی حافظ و عام کہلاتے تھے اور اسی طرح حفاظ کی تعداد، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفاظ کی رغبت کے سبب بڑھتی ہی رہتی ہے۔ مسلمان قرآن کو ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے رہتے ہیں اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت و کمال، اس کی قرأت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے اس کی تملدات اور اس کے ذریعہ عبادت کا وہ شوق و شغف رکھتے ہیں کہ عام غیہ مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا۔ البتہ وہ غیہ مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے، اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں، ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد اراکھوں سے تجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار وگوں کو اس طرف بھی طور پر متوجہ کیا تھا جنگ یمامہ میں جب کثرت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت سے قرآن کی بقا کو (اگر اس کا وار ودار حفظ پر ہی رہا) خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا جو صحابہ میں مسلمانوں کی مصلحت و ضرورت کو سمجھنے میں اولیت رکھتے تھے، اور جن کے دل کی آواز اکثر مقتصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے حوضیفہ وقت تھے قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھوٹوں اور سنگ سفید کی پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا اور وگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا اور انہوں نے اس کام کی ذمہ داری

حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کر دی جنہوں نے اسے پورے اہتمام سے نبھایا اور قرآن کو حفاظوں کے سینوں اور کتابت و جی کی تحریروں اور سفینوں سے جمع کیا، اور اس طرح یہ قرآنی

صحیفہ وجود میں آئے جو لوگوں کے رجوع و اعتماد کا محور رہے۔ جب خیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن کے حافظ قاری مختلف ملک میں پھیل گئے اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور حافظوں کی قرآت قبول کر لی اور اس طرح قرآت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے نیز اہل عجم کے کثرت سے مسلمان کرنے اور حجہ میں فرق ہونے لگا اور صحابہ کو اس سے قرآن میں تحریف و تبدیلی کا اندیشہ ہونے لگا تو حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کے مختلف صحیفوں کو، خدا بنا کر قرآن کو قرأت متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دیدیا اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن کا ایک ایک نسخہ فراہم کر دیا۔ اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا، جس کا نام ”المام“ تھا قرآن کے انہیں نسخوں کو مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور ان کی زبانیں اس کی مددی رہیں انہوں نے قرآن حفظ کیا اس کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی علم اسلام کے ایک کنرے سے دوسرے کنرے تک اسی مصحف عثمانی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ۱۵۲۵ھ سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں کسی کو نہ اختلاف ہوا اور نہ کسی آثار قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی مسٹرای منگاتا سابق استاذ مانچسٹر یونیورسٹی کہتے ہیں یورپ کی لائبریریوں میں قرآن کے بہت سے قلمی نسخے ہیں۔ ان میں سب سے پرانا دوسری صدی ہجری کا ہے۔ لیکن ان میں کوئی لفظی اختلاف نہیں ابستہ ثابت کا تھوڑا سا اختلاف ہے جو قدیم عربی خط کے عیب کے سبب سے ہے ایسا ہی خیال نولدیک (no eldeke) نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اٹھکس ج ۱۔ ۵۳۸ و ۵۳۹ میں ظاہر کیا ہے۔

مسلمانوں کا اس جمع و تدوین کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع و مکمل اتفاق رہا ہے۔ اور اب تو قرآن تحریف اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے محفوظ کی کثرت اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہو گیا ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ

”قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔“ (انسائیکلو پیڈیا)

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے جسے بذریعہ وحی محمد صلی

اند علیہ وسلم پر نازل کیا یہ ہو وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں چنانچہ ہم یہاں کچھ سچی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں۔ سرونیہ میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے قصب کے لئے مشہور ہیں جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سر سید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ان کی کتاب لائف آف محمد کے جواب میں خطبات احمدیہ لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں:-

”حضرت محمد ﷺ کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیوں پیدا ہو گئیں جن کے نتیجے میں حضرت عثمان شہید رویے اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں، بین ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے، ہر زمانہ میں قرات کے ساتھ ان بھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی صحیفہ ہے، جو سب قسمت ضیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں، جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو۔ قرآن میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان عرب کی وجہ سے ہیں، جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے۔“

دھیری اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے کہ ”تمہ قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر محفوظ و رخصا ہے۔“

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پامر کہتا ہے

”حضرت عثمان کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلمہ صحیفہ رہا ہے۔“

مین پوں کہتا ہے ”قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں۔ اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے۔“

(یہ شہادتیں اور اقتباسات مولانا عبدالمجید دریا آبادی کی انگریزی تفسیر سے لئے ہیں۔)

ایک سبق

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ اخلاقِ راتہ یوں نے وشہ عزت کے لئے نہیں، درویشوں کی خانقاہوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ دنیا کی زندگی کے ہر شعبے میں برتنے کے لئے ہے جس روحانی اور اخلاقی بلندی کو دنیا فقیروں اور درویشوں میں تلاش کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسے حکومت، مسند اور عدالت کی کرسی پر اٹھالائے۔ آپ نے تجارت کے کاروبار میں خدا ترسی اور ذہانت سے کام لینا سیکھایا۔ آپ نے بتایا کہ وریت یہ ہے کہ ایک آدمی، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک تھانیدار، ایک تاجر و صنعت کار اور دوسری تمام ممکن حیثیتوں سے ایک پورا دنیا دار بن کر بھی ہر اس موقع پر اپنا خدا ترس اور دینت دار ہونا ثابت کر دے، جہاں اس کے ایمان کو آزمائش سے سابقہ پیش آئے، اس طرح آپ اخلاق اور روحانیت کو رہبانیت کے گوشوں سے نکال کر معیشت و معاشرت، سیاست و عدالت، صلح اور جنگ کے میدانوں میں لے آئے اور یہاں پاکیزہ اخلاق کی حکمرانی قائم کی۔

یہ اسی رہنمائی کا فیض تھا کہ اپنی نبوت کے آغاز میں جن لوگوں کو آپ ﷺ نے ڈاکو پایا ان کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہ امانت دار اور خلقِ خدا کی جان و مال اور آبرو کے محافظ بن چکے تھے، جن لوگوں کو حق مارنے والا پایا تھا، انہیں حق ادا کرنے والا، حقوق کی حفاظت اور حقوق دار نے والے بنا کر چھوڑا۔ آپ سے پہلے دنیا ان حاکموں سے واقف تھی جو ظلم و جور سے رعیت کو دبا کر رکھتے تھے اور اونچے اونچے طبقوں میں رہ کر اپنی خدائی کا سکہ جھمکتے تھے۔

آپ ﷺ نے اسی دنیا کو ایسے حاکموں سے روشناس کرایا جو بازاروں میں عام انسانوں کی طرح چلتے تھے اور عدل و انصاف سے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ آپ سے پہلے دنیا ان نوجوانوں سے واقف تھی جو کسی ملک میں گھسے تو ہر طرف قتل عام برپا کرتے، ستیوں کو آگ لگاتے اور مفتوح قوم کی عورتوں کو بے آبرو کرتے پھرتے تھے۔

آپ نے اس دنیا کو ایسی فوجوں سے متعارف کرایا جو کسی شہر میں فتح نہ داخل ہوتیں تو دشمن کی فوج کے سوا کسی پر دست درازی نہ کرتی تھیں اور فتح کئے ہوئے شہر سے پس ہوتیں تو اہل شہر سے دسوں کئے ہوئے ٹیکس تک واپس نہ لیتی تھیں۔ انسانی تاریخ سنوں اور شہروں کی فتح

کے قصوں سے پھری پڑی ہے۔ مگر فتح مدنی کوئی نظیر آپ کو تاریخ میں نہ ملے گی جس شہر سے
وہ لوگ نے تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم اور ستم ڈھایا تھا اسی شہر میں آپ ﷺ کا
فاتحہ خدا اس شان سے ہوا تھا کہ آپ ﷺ کا سر خد کے آگے بھکا جا رہا تھا آپ ﷺ کی
پیشانی اونٹ کے بچوے سے ٹکی جا رہی تھی اور آپ کے طرز عمل میں غرور و تکبر کا شائبہ تک نہ
تھا۔

وہی لوگ جو تیرہ برس تک آپ ﷺ پر ظلم و ستم کرتے رہے تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو
ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اور ہجرت کے بعد بھی آنکھ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر
جنگ رہے تھے۔ جب مغلوب ہو کر آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے آپ سے
رحم و نرمی التجائی اور آپ ﷺ نے انتقام لینے کی بجائے فرمایا
”آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جو تم چھوڑ دیئے گئے۔“ (سیرت سرور عالم ﷺ)

قارئین! یہ تقریر بندہ کو یہیں تک مل سکی پوری تقریر نہ سننے پر آپ حضرات سے معذرت
چاہوں گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زکوٰۃ کا صحیح مصرف

بسم اللہ و بصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ○ فاعوذ باللہ من

الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

حضرات! حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے زکوٰۃ کے مناسب محل اور اس کے اوقات کی حکمت و مصلحت کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں:-

”وہ دروازے جو صالح سلاطین نے ہر کسی تکلیف و مشقت کے زکوٰۃ کے لئے کھولے تھے اور جن کو عقل بھی قبول کرتی ہے چار ہیں۔ اول یہ کہ اموال نامیہ سے زکوٰۃ لی جائے اس لئے کہ اس کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور نمو ملک کے باہر آنے جانے کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔“

اموال نامیہ کی تین قسمیں ہیں۔ مویشی، کاشت، تجارت دوسرے یہ کہ خزانہ کے مالکوں اور سرمایہ داروں سے لی جائے اس لئے کہ انکو چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے اہل کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور ان کی آمدنی کی مدد میں اتنی زیادہ ہیں کہ اس نے خرچ سے ان کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ تیسرے یہ کہ ان کے اموال سے لی جائے جو بغیر کسی محنت و سعی کے ہاتھ لگ جاتے ہیں مثلاً عہد جاہلیت کے خزانے، اور قدماء کے دینے اس لئے کہ ان کی حیثیت بالکل مفت کی سی ہے اور اس میں سے خرچ کرنا بہت آسان ہے۔

چوتھے یہ کہ عہد تجارت پیشہ وگوں سے لی جائے۔ اگر سب سے تھوڑا تھوڑا لیا جائے گا تو ان پر زیادہ بار بھی نہ ہوگا اور مجموعہ کافی ہو جائے گا۔

تجارت۔ (مع درآمد برآمد) غنہ اور پھل زکوٰۃ کی سب سے اہم قسمیں ہیں جن میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے اس کیسے ایک سال رکھا گیا ہے۔ جب یہ ہے کہ درمیان میں مختلف فصلیں، اور حالتیں پیش آتی ہیں جن میں پیداوار میں اضافہ کا امکان بہت رہتا ہے اور

راہ اندازہ کرنے کے لئے ایک سال بالکل کافی ہے آسان اور مطابق مصدق یہی ہے کہ زکوٰۃ انہی اموال کا ایک جزو ہو مثلاً اونٹ کے گلے سے ایک اونٹنی گائے کے ریوڑ سے ایک گائے، بکری کے ریوڑ سے ایک بکری۔

زکوٰۃ کے مصارف اور اس کے اجتماعی نظام کا قیام

زکوٰۃ صرف اللہ تعالیٰ نے سورہ برأت کی آیت میں بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہے۔
انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمولفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ واللہ علیم حکیم
صدقات واجبہ تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں نیز انکا جن کی دلجوئی منظور ہے اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں اور مسفروں (کی امداد میں) یہ (سب) فرض ہے اللہ سیطرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔ (سورۃ البرأۃ)
سورۃ برأۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس وقت اسلام کی بنیادیں مستحکم ہو گئی تھیں اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کر رہے تھے۔ اسکے بعد زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف جگہوں پر اپنے عمال، درمصلین بھیجے اور ان کو اس کی تحصیل کے احکام اور آداب بھی بتائے اور بہت سی ایسی وصیتیں کیں جن میں شفقت، حکمت اور انفرادی مصدق کے ساتھ اجتماعی مفاد بھی وابستہ تھا۔

چنانچہ آپ نے معاذ بن جبلؓ کو ۱۰ اھ میں یمن روانہ کرنے سے پہلے ہدایات دیں وہ زکوٰۃ کے قانون کی اس اس اور گویا لکھ کر جاری منشور ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔
تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں پس دعوت دو انکو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ بات قبول کر لیں تو انکو یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر ایک صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء کو دے دیں جائے گا۔ اگر وہ یہ بات بھی منظور کریں تو پس تم کو جو ہے کہ ان کے بہترین مال پر ہاتھ ڈالنے سے حذر کرو۔ اور مظلوم کی دعا اور پکار سے ڈرو اس لئے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی حجاب

نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زکوٰۃ کے بنیادی مصباح اور اس کے اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئی حجتہ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:-

”جانتا چاہئے کہ زکوٰۃ میں سب سے زیادہ اہم و مصباح ہیں پہلی مصمحت تہذیب نفس ہے۔ اس سے کہ نفس اور حرص و غل کا چوٹی دامن کا ساتھ ہے جو معاد میں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔ جو حریص ہوگا مرتے وقت بھی اس کا دل اس میں انکار ہے گا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اگر زکوٰۃ کی مشق اسکو ہوگی تو یہ حرص اس سے ختم ہو چکی ہوگی جو بالآخر اسکو نفع پہنچے گی۔“

اثابت اور رجوع الی اللہ کی بعد معد میں سب سے علی اخلاق سخوت نفس ہے جس طرح رجوع الی اللہ، انابت و عبودیت دعا اور تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح سخاوت، خسیس اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے اس لئے کہ وہ بہیمیت کی ضد ہے۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی صفات) غالب ہوں اور بہیمانہ صفات ان سے دب جائیں بلکہ ان کے رنگ میں رنگ جائیں۔ اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے۔ اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باوجود ضرورت و احتیاج کے راہ خدا میں خرچ کیا جائے ظالم کو معاف کیا جائے۔ مصائب پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف و مشکلات آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان و خوشگوار ہو جائیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان سب چیزوں کا حکم دیا ہے اور ان کی حدود مقرر فرمائے ہیں، تمہیں مال کا خرچ کرنا بھی ہے جو بہت سے حدود و قیود کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ اہل نار کے بارے میں فرماتا ہے:-

قَالُوا لِمَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ يَكُ يَطْعَمِ الْمَسْكِينِ وَ كَمَا يَحُوصُ

مع الحائضین

(ترجمہ) ”وہ کہیں گے کہ ہم تو نماز پڑھتے تھے اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے

تھے اور مشغہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغہ میں پڑے رہتے تھے۔
 دوسری مصحت کا حلق شہر سے ہے اس کے کہ ضعفاء اور اہل حاجب جمع ہوں گے۔
 ان کی ہمدردی و اعانت کی یہ سنت نہ ہو تو وہ سب بھوک سے ہلاک ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ
 شہروں کا نظام مال پر قائم ہوتا ہے اور ان شہروں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مذہب و
 انتظامین اپنی ان مشغولیات و زمرہ داریوں کی وجہ سے کوئی باقاعدہ ذریعہ معاش اختیار نہیں کر
 سکتے ان کی معیشت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے مشرکہ کہ انتہا بات یا چندے نہ سب کی ت
 آسان ہیں نہ ممکن ان سے رعیت سے ان مصالح کے لئے مقرر رقم وصول کرنا مناسب
 دستور ہے۔

اور چونکہ مصحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دو مصالح باہم، زمرہ و مزدور ہیں اس کے شرع نے
 بھی اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے۔ مگر معلوم فرنگی محلی سمجھتے ہیں کہ زکوۃ
 نہیں نہیں دوسری عبادتوں کی طرح خاص اہل اند کی عبادت ہے وہ کہتے ہیں۔

۱۔ پہلی زکوۃ کے وقت نیت کی ارسی بہت ضروری ہے۔ اس کے کہ زکوۃ بہت بڑی
 عبادت ہے جس طرح نماز کا مقصد سوا حصول عبادت کے کچھ نہیں چنانچہ نیت اس سے
 فرض ہے مگر بلا نیت ادا کریگا تو جس طرح نماز بلا نیت کی نہیں ہوتی زکوۃ بھی ادا نہیں ہوتی۔
 لہذا نماز بلا نیت کے باطل ہو جاتی ہے بخلاف زکوۃ کے جو بلا نیت کے ہدیہ ہو جاتی ہے چنانچہ
 ہدیہ کا ثواب اس کو ضرور حاصل ہوگا اس سے کہ اہل تعلیٰ نیوکاروں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

زکوۃ کی نمایاں خصوصیات

حضرات قارئین آکوۃ کی بہت سی ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جو انسان کے خود ساختہ
 قوانین اور حکومت کے مدبرانہ ٹیکسوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان مابعد المیاء خصوصیات نے
 زکوۃ کو ایک خاص رنگ اور مزاج بخشا ہے اس کو دینی تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہے اور اس سے
 اندر زندگی و اخلاق پر اثر انداز ہونے اور خداوند کے تقویٰ و استوار اور مستحکم کرنے کی ایسی قوت
 و صلاحیت پیدا کر دی ہے جو کسی دوسرے دنیاوی ٹیکس میں (خواہ اس میں انصاف و اعانت کو
 زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہو) نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

تبشیر و انداز

حضرات! ان خصوصیات میں سب سے زیادہ بنیادی اور موثر چیز ایمان و احتساب کی وہ روح ہے جو اس فریضہ میں جان و مال دیتی ہے اس روح یا سپرٹ سے رچی ٹیکس، سرکاری قوانین اور معاشی حد بندیاں قدرتی طور پر بالکل محروم ہیں بلکہ اس کے برعکس ان میں ناراضگی گرائی اور بددلی کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ کے طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اس پر اجر و ثواب ملے گا۔ بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ٹیکس گناہوں کے خلاف اس جیسے انسان ہیں اور شاید اس سے بھی بہت تر ہیں اور اس ٹیکس سے ہونے والی آمدنی زیادہ تر عیشت، اپنے اقتدار، محفوظ رکھنے یا پسند شناس اور مخصوص پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان ٹیکسوں کے ساتھ دینی ترغیب کی کوئی قوت نہیں ہوتی بلکہ اس سے بجائے جرم مانے و ہمہ کیوں، سزائیں اور خشت سخت ترین قوانین ہوتے ہیں جن سے عوامی ناراضگی فی الصمیمی اور بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا قرآن و حدیث اور نبوی تعلیمات میں زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ فضل، دنیا و آخرت میں اس کے نتائج ثمرات، اجر و ثواب، مال و دولت میں برکت یا زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو عذاب الیم کی وعید اور بے برقی کے ساتھ دیا گیا ہے۔

لہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

مَنْ لَمْ يَدِّنْ يَمْضَوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حِمَّةٍ مِّنْ سَعِ
سَعَالٍ فِي كُلِّ سَبْعَةٍ مَّائَةٍ حِمَّةٍ وَاللّٰهُ بَصِيعٌ لِّمَا يَسَاءُ وَاَسَدٌ وَّاسِعٌ عَلَيْهِ
الَّذِينَ يَمْضَوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يَتَّقُونَ مَا اتَّقُوا اللَّهَ وَلَا يُحَرِّمُونَ
حَرَمَهُمْ عَدْرَهُمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

(ترجمہ) جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی
ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس کے ساتھ بائیس۔ چار ہائی کے اندر سوائے ان کے ہوں اور

اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس سے عقب میں احسان و ذیت سے کام نہیں لیتے ان کے لئے انکا حیران کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اسلامی شریعت میں ان فضائل کے مقدمہ و اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے خوب لکھا ہے۔

”اتفاق کی ترغیب و فضیلت پر جو احادیث آئی ہیں انکا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ عمل سخاوت کے ساتھ ہو جو زکوٰۃ کی روئے ہے اور تمہذیب نفس کا کام بہت حد تک اس سے انجام پا سکتا ہے۔ بخل کی برائی بار بار اس لئے بیان کی گئی کہ حرص ایسی چیز ہے جو مانع زکوٰۃ کو نقصان پہنچا سکتی ہے اور جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے کہ:-

اللھم اعط منفقاً خلفاً و اللھم اعط ممسکاً تلفاً۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ حرص سے بچو اس لئے کہ حرص ہی نے تو سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے۔ دوسرے موقع پر ارشاد ہے:-

ان الصدقة لتطفي غضب الرب
بیشک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔
ان الصدقة لتطفي الحطية۔

بے شک صدقہ گنہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھ دیتا ہے۔
ایک اور حدیث ہے کہ ”اللہ تعالیٰ صدقہ کو اپنے دامن ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے۔“

مالداروں سے لیا جائے اور غرباء میں تقسیم کیا جائے

زکوٰۃ اور نیکوؤں کے درمیان جو شخص سطنتوں میں یا نئے زمانے کی جمہوری اور عوامی حکومتوں میں نظر آتے ہیں ایک نمایاں اور بنیادی فرق جو اس کے اثرات و نتائج پر چورے طور پر اثر انداز ہے وہ اس کی شرعی ساخت و حیثیت ہے جس کو رسول ﷺ نے اپنے مبلغ و معجزانہ

اظاظ میں اس طرح بیان فرمایا:-

توخذمن اغنیائهم وتورد علی فقرائهم .

ان کے دوست مندوں سے یہ جانے اور ان کے غریبوں میں تقسیم کیا جائے۔

یہ زکوٰۃ کی وہ شرعی حیثیت ہے جو عہد اوں میں نظر آتی ہے۔ اور جو قیامت تک برقرار رہنی چاہئے وہ ان اغنیاء (جو اس کے شرائط فرضیت پر پورے اترتے ہیں اور زکوٰۃ کا منصوص اور معین انصاف ان کے پاس موجود ہے) سے لے کر ان مصارف میں صرف کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں اور کسی متقن اور قانون ساز ادارے یا شخصیت کو اس کا حق نہیں دیا کہ وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اما الصدقات للفقراء (الایۃ) صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں کا حق ہے۔

شریعت اور احادیث نبوی ﷺ کا جائزہ لینے سے معصوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد شہرے فقراء اور اہل حاجت ہیں۔ زکوٰۃ کا یہ نظام حکومتوں میں بھی قائم رہا جو اسلامی قوانین کی تطبیق پر سو فیصدی مائل نہ تھیں۔ چنانچہ فقراء و مستحقین ان حکومتوں کے سائے میں کبھی اپنے حقوق سے کلیتہً محروم نہیں رہے اور حدود اللہ کبھی پوری طرح معطل نہیں ہوئے۔ یہ وہ حکومتیں ہیں جنہیں مدت میں بہت سے غرض مند مورخ و مستشرق پیش پیش نظر آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے داعی ہیں۔

تقویٰ، تواضع اور اخلاص کی اسپرٹ

زکوٰۃ کا تیسرا امتیازی پہلو اخلاص، تواضع اور ممنونیت کی وہ روح ہے جو ہر لمحہ اس میں جاری و ساری رہتی ہے اس سے مراد زکوٰۃ کے آداب، اعلیٰ اخلاق اور دینی جذبات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بہت اہتمام سے بار بار کیا گیا ہے اور زکوٰۃ دینے والوں کو ان صفات سے بہرہ ور ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اس نے اہل خیر کو اس کی تلقین کی ہے کہ وہ احسان جتانے سے پرہیز کریں اور اپنے صدقہ و خیرات کو اس سے مٹو کر کے بے قیمت نہ بنائیں اس نے اہل خیر کی مدح کی ہے۔ جنکے اندر تواضع و اخلاص کی یہ روح پائی جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ سب کیفیات ان پر جاری ہوتی ہیں۔ ارشاد ہے:-

والدین یوتون ما اتوا و قلوبہم و حلة انہم الی ربہم راجعون
 (ترجمہ) اور جو لوگ دیتے رہتے ہیں جو پچھلے دیتے رہتے ہیں ورائے دل اس سے
 ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس واپس جاتا ہے۔
 دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

اما ولیکم اللہ و رسولہ والرین اموا الدین یقیمون الصلوۃ ویؤنوں
 الزکوۃ وہم راکعون ۔

(ترجمہ) تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی
 پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں۔
 ان اہل خیر کی تعریف کرتے ہوئے وہ انہما خاص کامل اور ہر قسم کی غرض سے آزادی
 سے متصف قرار دیتا ہے۔

وما علیا الا البلاغ المین

رمضان المبارک مومن صادق کی حیاتِ نو

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين

وعلى آله وصحبه اجمعين

میرے دوستو اور بھائیو!

سب سے پہلے تو آپ کو اور خود اپنے کو بھی مہر کہا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے پھر رمضان کا چاند دکھایا اور پھر رمضان نصیب فرمایا کتنے ہمارے دوست اور احباب ہیں جو شاید ہم سے بھی افضل ہوں گے اور اللہ کے یہاں اس کا یہ مرتبہ ہے اللہ ہی جانتا ہے (رمضان سے قبل رخصت ہو گئے۔ اگر ان کو قبر میں اس کا استحضار ہوا) (اللہ کو منظور ہوا) تو وہ اس پر افسوس کرتے ہوں گے کہ ان کو رمضان نہیں ملا۔

رمضان کا کوئی بدل نہیں:

رمضان کا کوئی بدل نہیں سب مہینے اللہ کے ہیں اللہ ہی نے دنیا پیدا کی زمانہ پیدا کیا اور زمانہ میں تبدیلی آتی رہتی ہے لیکن رمضان کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شهر رمضان الذي انزل فيه القرآن هدى للناس و بيات من الهدى

والفرقان. (سورہ بقرہ ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن مجید نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو (حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔

رمضان کی فضیلت و عظمت:

یہ معمولی بات نہیں ہے ہم برابر جو چیز دیکھتے رہتے ہیں اکثر جس راستہ سے گزرتے رہتے ہیں مثلاً اس پر توجہ نہیں ہوتی جو چیز برابر سنتے رہتے ہیں اس پر توجہ نہیں ہوتی یہاں تک کہ اذان کے معنی کی طرف ہر مرتبہ توجہ نہیں ہوتی یہ معمولی بات نہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ جو سب سے بڑی عزت دی جاسکتی تھی کسی وقت کو کسی جگہ کو وہ یہ کہ اس میں اللہ کا کلام نازل ہو جہاں تک زمانوں کا تعلق ہے مہینوں اور مقامات کا تعلق ہے اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت کی بات نہیں ہو سکتی جس میں قرآن مجید اللہ کا کلام نازل ہوا۔

نادر موقع:

ایک تو اس پر مبارک باد قبول کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر رمضان نصیب فرمایا اور جو وہ تابیاں ہم سے ہوئیں یا جو ہمارے خیال میں آسکتی ہیں خود اپنا حساب سینے سے جوئی رہ گئی ہے پچھلے رمضانوں میں وہ اس میں پوری کی جاسکتی ہے۔

بیشک موسم سخت ہے لیکن اس کے بقدر اجر بھی ہے۔ اس سخت موسم میں کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ روزے کا اجر کچھ زیادہ دیں اس میں روزہ رکھنے کا اور سردی برداشت کرنے کا اور پھر اس کے ساتھ رمضان کے معمولات چوبیس دن کے اجر بجز مشقت ہوتا ہے۔

اللہ پر یقین اور ثواب کی لالچ:

اس میں پہلی بات جو یاد رکھنے کی اور دل پر نقش کر لینے کی ہے وہ یہ کہ اللہ کے رسول نے خاص عبادتوں کے متعلق فرمایا ہے کہ

من قام ليلة القدر ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه ومن صام

رمضان ايمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه.

یعنی جس نے شب بیداری کی شب قدر میں اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں اور اس کے خیال سے اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہیں اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے کہ اس مہینہ کی یہ فضیلت ہے اور اس مہینہ عمل کرنے کا یہ اجر ہے اور اللہ کے یہاں اس مہینہ کا یہ درجہ ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے یہ مہینہ اس درجہ محبوب ہے، اور اللہ کے اجر و ثواب کی لالچ میں روزہ رکھا اور اسی شوق میں کہ اللہ اجر دے اور کوئی جذبہ نہیں کہ مثلاً رمضان کی گنتی پوری ہو جائے، وگرنہ یہ

نہ کہیں کہ روزے نہیں رکھے اور ہمارا دل بھی مطمئن ہو کہ روزے رکھ لئے لیکن ثواب کا رمضان کی عظمت و فضیلت کا اور رمضان کے اجر و ثواب کا استحضار نہیں کہ وہ ہمارے لئے محرک اور مشوق ہو بہت سے لوگ ایسے ہیں جو عبادت یا رواج یا حوالے اثر سے یا خاندانی روایت کی بنا پر روزے رکھتے ہیں۔

روزہ برائے افطار:

اس سلسلہ میں ایک تجربہ ہوا کہ ایک مرتبہ آج سے دوئی میں پچیس تیس برس پہلے کی بات ہے کہ لکھنور یڈیو اسٹیشن نے ہم سے ایک تقریر لکھوائی کہ وہ رمضان کی پہلی تاریخ کو نشر کی جائے گی وہ ہم نے لکھ کر دے دی اس کے بعد مجھے ایک طویل سفر پیش آیا جس میں پشاور کوئے اور قندھار کے رستے میں افغانستان کے قریب تک کا سفر تھا، جو ایک دینی ضرورت سے کیا گیا تھا تو ہم کوئے میں تھے کہ رمضان کا چاند نظر آیا ایک فوجی افسر نے یا کسی رئیس نے دعوت کی تو اس میں ایک فوجی افسر بھی شامل ہوئے جو ادھر ہندوستان کی طرف کے تھے وہ ریڈیو سے تقریر سن کر آئے تھے (ہمیں تو اس کا موقع نہیں تھا) انہوں نے ہامو ان ہم نے لکھنور یڈیو اسٹیشن سے آپ کی تقریر سنی تو اس میں آپ نے رمضان کے بہت سے فضائل بیان کئے اور اس کی خصوصیات کا ذکر کیا لیکن آپ نے ایک بات کا ذکر نہیں کیا کہ روزہ کھونٹے میں جو مزہ آتا ہے وہ کسی چیز میں نہیں آتا۔ گرمی کا زمانہ ہے تو پانی پینے میں اور دوسرا موسم ہے تو افطار کرنے میں جو مزہ آتا ہے وہ دنیا کی کسی نعمت میں نہیں آتا اور میں تو روزہ اسی لئے رکھتا ہوں اسی مزے کی بناء پر کہ روزہ رکھ کر جب افطار کرو تو وہ کھدیا کہ میں تو روزہ اسی لئے رکھتا ہوں اسی مزے کی بناء پر کہ روزہ رکھ کر جب افطار کرو تو وہ مزہ آتا ہے جو دنیا کی کسی نعمت میں کسی بڑی سے بڑی خوراک میں، کھانے میں، پھل اور میوہ میں نہیں آتا۔

روزہ عادت یا عبادت:

یہ بات بڑی آزمائش کی ہے ساری دنیا کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھی بحیثیت انسان ہونے کے کہ عادت اور عبادت ان دونوں چیزوں میں اختلاف ہے۔ ان میں باہم میز

نہیں ہو پاتی تو اکثر یہاں ہوتا ہے کہ عبادت عادت بن جاتی ہے۔ اس میں اختصار نہیں ہوتا کہ ہم اس کے لئے کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ نمازیں بعض مرتبہ باطل عادت بن جاتی ہیں نماز پڑھنے کی عادت پڑ گئی وقت ہوا تو کے مگر کوئی اختصار نہیں کہ ہمارے ایک ایک قدم کا یہ ثواب مل رہا ہے، اور اتنی دور چار ہے ہیں اور مسجد پہنچ رہے ہیں، پھر مسجد میں اس نیت سے پاؤں رکھیں اور کہیں اللہ افصح لی ابواب رحمتک اور نیں کریں کہ ہم مدتوں کے لئے رحمت و برکت کی جہد میں آئے۔ اس کی وجہ سے ایک ڈھکی ہوئی چیز ہوتی ہے اس میں مدتی زندگی بھی اہل جاتی ہے کہ یہ چیز اپنی جہد پر اپنے وقت پر مدتی سے بین شعور نہیں ہوتا اختصار نہیں ہوتا۔

روزہ رضائے الہی کا ذریعہ:

پہلی بات تو یہ کہ آپ اس میں اپنے ذہن کو ضرر نہیں کہ روزہ آپ اللہ کی خوشی کے لئے رکھ رہے ہیں نہ دکھانے کے لئے نہ رواجاً اور نہ کسی شرم سے کہ لوگ کہیں گے یہ کیسے روزہ خور ہیں اور روزہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ اس کا استحضار ہونا چاہئے اور ایسے ہی شب قدر تک کے متعلق آتات:

من قام ليلة القدر ايماناً واحتساباً عفر له ما تقدم من ذنبه

جو شب قدر میں عبادت کرے اللہ پر یقین کرتے ہوئے اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی اچھی میں تو اس کے سب پچھے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

تو ایک بات تو یہ ہے کہ پورا استحضار ہو اور ذرا ذہن کو تازہ کر لیا جائے کہ ہم نے یہ روزہ اللہ کی خوشی کے لئے رکھا ہے اس لئے کہ روزہ فرض ہے۔

رحمت باری کا مظہر:

اللہ تعالیٰ نے رمضان میں بڑی خصوصیات رکھی ہیں اس میں بڑی برکتیں ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے پھیل جاتی ہے اس میں بڑے بڑے گناہگاروں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس نیت کا استحضار ہو شعور پید ہو جائے اور ذہن کو ذرا تھوڑا سا اس میں حاضر کر دیجئے اور ذہن سے یہ بات بھول جائے کہ یہ روزہ اللہ و خوشی کے لئے رکھ رہے ہیں رسماً رواجاً مصححاً یا نفسی اور وجہ سے نہیں۔

تلاوت کا موسم:

پھر اس کے بعد اس روزہ میں آپ اپنے وقت و جہت عبادت میں مشغول رکھیں نہیں۔ نوافل میں اور اس سے بڑھ کر اس میں قرآن مجید کی تلاوت آپ کی طاقت و صحت کے مطابق اور فرصت کے مطابق اور انوس کے مقابلہ میں زیادہ سوئی چاہئے۔ اللہ کے ایک بھی بندے ہوتے ہیں جو ایک ایک قرآن مجید روز پڑھ جیتے ہیں حضرت شیخ الحدیث موان محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک قرآن مجید روز ختم کر جیتے تھے ہم نے بھی کئی رمضان ان کے ساتھ گزارے ہیں ہم کئی بار رمضان میں حاضر ہوئے ہیں اور باقی یہ کہ اس سے کم تو لوگ کرتے ہی تھے اور پھر ادب و خشوع کے ساتھ اور اللہ کی نعمت سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی رمضان میں ہمیں توفیق دی۔ رمضان جو اس کا محبوب مہینہ ہے اس مہینہ میں قرآن مجید پڑھنے کا جواجر ہے وہ موقوفوں میں نہیں ہے۔

عبادت و طاعت کا مہینہ:

دوسری بات یہ کہ اس میں بھار زیادہ تر وقت عبادت دریا صفت ذکر واذکار تو بہ و استغفار و مناجات اور تلاوت قرآن میں گزرے لیکن زیادہ بات چیت نہ کریں چاہے اس میں غیبت نہ ہو، اور غیبت سے تو بہت بچنا چاہئے۔ مطلقاً اور رمضان میں خاص طور پر جیسے دوستوں کی باتیں ہوتی ہیں اپنے گھر میں شہر کا حال بیان کر رہے ہیں موسم کا ذکر کر رہے ہیں یا اپنی زندگی کے کچھ حالات بیان کر رہے ہیں یا پوچھ رہے ہیں یا اور کوئی ایسی تفریحی باتیں کر رہے ہیں وقت گزاری کے لئے نہیں جہاں تک ہو سکے یا تو قرآن مجید کی تلاوت میں وقت گزارا جائے یا پھر آرام کرنے میں وقت گزارا جائے یا مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہا جائے ایک اعتکاف تو ہے اخیر عشرہ کا لیکن یہ اعتکاف ہر وقت ہو سکتا ہے اس وقت سے لے کر عصر تک کے

سے معتمد ہیں اور مصر سے لے کر مغرب تک نے معتمد ہیں یہ جزوی اور متقطع تہکاف و تہکاف و تہکاف ہے یہ بھی ہو سکتا ہے۔

حقوق العباد کی فکر:

اور پھر اس کے بعد رمضان میں ایک بات کرنے کی یہ ہے کہ جو حقوق العباد ہمارے ذمہ ہیں نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کرے کہ اب ان کو ادا کریں۔ جس کا جو حق ہے اسے دیں گے اور ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان سے بچیں گے اور توبہ واستغفر کریں گے۔

رمضان حیات نو کا آغاز:

اس رمضان سے آئندہ زندگی کا نیا نقشہ بنا میں گے کہ ایک زندگی شروع ہوتی ہے وادوت سے ایک زندگی شروع ہوتی ہے بلوغ سے ایک زندگی شروع ہوتی ہے کسی مدرسہ سے فراغت حاصل کر کے ایک زندگی شروع ہوتی ہے حج سے وراہیک زندگی شروع ہوتی ہے رمضان سے بھی آپ یہ ارادہ کریں کہ اب اس رمضان سے نمازوں کی پابندی اس سے زیادہ کریں گے جتنی کرتے تھے اس سے پہلے تو جماعت بھی چھوٹ جاتی تھی کبھی تاخیر ہو جاتی تھی کبھی سو جاتے تھے اب جماعت کا اور اہتمام و تزام کریں گے۔ یہ ارادہ آپ ہی رمضان میں کیجئے۔

حقوق کی رعایت و ادائیگی:

اور ایسے میں جو شرعی حقوق آپ پر واجب ہوتے ہیں میراث کے ہیں، ترکہ کے ہیں، جائداد کے ہیں، اور سب جھگی تجارت کے ہیں ان کا بھی ارادہ اسی رمضان میں کیجئے کہ ہم انشاء اللہ وہ اپنے ذمہ نہیں رکھیں گے۔ ان کو ادا کریں گے۔

طلب علم اور علماء و صالحین کی ہم نشینی:

اور یہ ارادہ بھی کیجئے کہ ہم اس رمضان کے بعد زیادہ سے زیادہ معصومات حاصل کریں گے، دینی کتابیں پڑھیں گے دینی صحبتوں میں بیٹھیں گے تبلیغ میں جائیں گے، یہ علماء کی مجلس میں بیٹھیں گے یا اللہ کے نیک بندوں کی زیارت کے سنے جائیں گے۔

رمضان انقلاب انگیز مہینہ:

یہ سب ارادے اس رمضان میں کیجئے تب یہ رمضان آپ کی زندگی میں انقلابی رمضان ہوگا انقلاب انگیز عہد آفریں اس سے ایک نئی زندگی شروع ہوں، اور رمضان سے نئی زندگی شروع ہونی چاہئے۔

تصحیح نیت اور اخلاص عمل:

اور اتنا ہی ضروری ہے کہ آپ اپنی نیت صحیح کریں اور یمناد و حسد یا جو بھائی یا ہے کہ اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی مانگ میں ہم روزے رکھ رہے ہیں اس کو ذرا ذہن میں تازہ کر لیجئے تو اس کا ثواب بہت ہوگا۔

آٹومیٹک وضو اور خود کار نمازیں:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے وگ وضو کرتے ہیں اور ان کو خیال نہیں ہوتا حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے جو کچھ کنہ ہوئے ہیں اور جو کوتاہیاں ہوئیں ہیں اور جو سیئات ہوئے ہیں اور جو صفات ہوئے ہیں سب معاف ہو جاتے ہیں، منہ پر پانی ڈالتا ہے تو آنکھوں سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئی ہیں اور جو زبان سے ہوئی ہیں وہ سب معاف ہو جاتی ہیں اس کا کسی کا خیال ہی نہیں ہوتا، اس وہ بالکل جیسے کسی چیز کا مشینی آٹومیٹک طریقہ ہوتا ہے تو یہ وضو بھی مشینی ہو گیا ہے اور اللہ معاف کرے بہت سے لوگوں کی نمازیں بھی مشینی ہوئی ہیں آئے اور کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہہ کچھ خیال نہیں کہ ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں؟ یہ کون سی نماز ہے؟

اس کا کیا ثواب ہے؟ کیا اجر ہے؟ پھر اس میں جو پڑھا جاتا ہے اگر تنہا پڑھ رہا ہے تو اس پر غور کرے۔ اگر کسی جہری نماز میں امام کے پیچھے ہے تو قرأت پر غور کرے۔

یہ سب چیزیں سانچے میں ڈھل کر بالکل طبعی، عاداتی اور خود کار ہو گئی ہیں۔ ان سب چیزوں میں اسی رمضان سے آپ کی زندگی میں کوئی اچھی تبدیلی و ترقی آنی چاہئے۔

دارِ شاہِ علم اللہ کا پیغام:

اور پھر آپ جس جہد میں وہاں کا تو پیغام بھی پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے اپنے بندے پیدا کئے جنہوں نے سرے بندوستان میں دین کا دھیت پیدا کر دیا اور اللہ کی محبت، عشق الہی اور قربانی کا جذبہ اور شکر، بدعت، نفرت اور اس سے وحشت طبعی طور پر پیدا ہوئی۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ میں جس نے ہاتھ اڑے دیا تو یہ حال تھا کہ ابھی ہاتھ چھریا اور ابھی سے اس کو شرک و بدعت سے نفرت ہوئی اور اسی وقت سے نماز کا پابند بن گیا اور اللہ کا ذکر کرنے لگا۔ اور پھر جہاد کا بھی اس کو شوق ہو گیا۔

تو آپ اس کا بھی خیال رکھیں کہ آپ کی جہد میں جہاں سے پیغام سرے بندوستان کو ملے اور اس کی ایک ہوا چل گئی۔ اور یہ ایک فوق پیغام ہو گیا۔

شہرِ خموشاں کا حق:

اور آخر بات یہ ہے کہ یہ وہی فرشِ یادِ واجب نہیں مگر اس میں آپ کا بھی فی مد وہ ہے۔ یہاں کا بھی فی مد وہ ہے کہ آپ کا تھمہ آن مجید پڑھ لے یہاں سے جو مد فونٹین ہیں جو بزرگ یہاں مد فونٹین ہیں بند جتنے اللہ کے بندے اور خاندان کے لوگ، یا بابہ سے آکر جو گم قبہ۔ میں فونٹین ہیں ان وایصال ثواب بھی کر دیا کریں چاہے سورہ فاتیحہ ہی پڑھ کر کریں۔ یہ حق ہے جو اس کا حق ہے، پڑوس کا حق ہوتا ہے تو یہ پڑوس کا حق ہے۔

ایصالِ ثواب کی برکت:

ماشاء اللہ اتنے آدمی روزے رکھ رہے ہیں اور قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور تہجد پڑھ رہے ہیں لیکن یہاں کے لوگ اس میں کوئی حصہ نہیں لے سکتے، ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اللہ سے بھی ہونا چاہئے اس سے اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم فرمائے کہ آپ کو بھی ترقی و مزید توفیق ملے فرمائے کہ اس سے آپ کی زندگی میں برکت ہوئی انشاء اللہ، اس سے کہ وہ اللہ کے برے صائق اور منحصر بندے تھے اور ان کی وجہ سے دین کا بڑا فروغ ہوا۔

کیا خبر یہ آخری رمضان ہو:

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ اس رمضان کی قدر کریں۔ اللہ اس کے بعد آپ کو بہت سے رمضان نصیب فرمائے لیکن آپ کے ذہن میں یہ ہونا چاہیے کہ اس رمضان میں کوئی کوتاہی نہ ہو اس خیال سے کہ رمضان تو ابھی بہت برے ہیں نہیں ابتداء ہی رمضان میں ایسا کریں کہ جیسے معمول نہیں اس کے بعد موقع ملے یا نہ ملے یا ہو۔ صرف عمر ہی کا مسئلہ نہیں صحت کا مسئلہ بھی ہوتا ہے اور بعض حواث کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ ان سب سے بند آپ کو بچنے اور آپ کو بہت سے رمضان نصیب فرمائے۔ مگر اس رمضان کی قدر کریں ورنہ اس میں جو زیادہ سے زیادہ ہو سکے وہ کر لیں۔

دروود پاک کی کثرت:

اللہ سے دعائیں مانگ لیں، استغفار کریں قرآن شریف پڑھیں یہاں ثواب کریں اور درود شریف کا اہتمام پڑھیں، یہاں کے قیام میں نمازوں کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کے بعد سب سے زیادہ اہتمام درود شریف کا ہونا چاہئے۔ کہے گئے ہیں کہ درود شریف جو سنون ہے۔ اللہ صلی علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید اللهم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمید مجید۔

ایسے ہی اہل ایمان کے لئے دعا:

رب اغفر لنا ولاخواننا اللدین سفقونا بالایمان ولا تحعل فی قلوبنا
علا للددین امنوا رننا انک روف رحیم۔ کا اہتمام کریں۔ اور پھر اللہ ما اغفر
للمومنین والمومنات الا حیاتہم و الایموات ان کا اور پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے۔ اور یہ رمضان ہماری زندگی میں ایک انقلاب انگیز
رمضان ثابت ہو۔ وصلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو انسانی چہرے قرآنی مرقع میں ثبات و استقامت تر و دو تذبذب

۵ صفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۷۲ء بمطابق مسجد باندہ میں دیانت و ایمان کا یہ سنائی
ندوئی کی دو تہذیبیں جو دوسرے دینوں کی روایتوں سے مختلف تھیں۔ ثبات و استقامت اور تذبذب
تذبذب کی کیفیت کی تصویر کشی کر کے ان کے فاصلوں کے مقابلہ میں تہذیب و ثبات اور باطل سے سامنے
آئے رہنے کی دعوت دیتی ہے۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ۵ فاعوذ باللہ من
الشیطان الرجیم ۵ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۵
نحن نقص علیک نبأهم بلحق انهم فتية امو ابريهم وزدناهم
هدى وربطنا علی قلوبهم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السموت والا
رض لس ندعو من دونه الهة لقد قلنا اذا شططا هولاء قوما
اتخذوا من دونه الهة لولا ياتون عليهم سلطان بين فممن اظلم ممن
افتري علی الله كذبا۔ (سورة الكهف ۱۳ تا ۵)

(اے پیغمبر) ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک تیرے آگے بیان کر دیتے ہیں وہ چند نوجوان
تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے، ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کر دیا اور ان
کے دلوں کی (صبر و استقامت میں) بندش کر دی وہ سب راہ حق میں کھڑے ہوئے تو انہوں
نے صاف صاف کہہ دیا ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے۔ ہم اس کے
سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی، یہ ہماری
قوم کے لوگ ہیں، جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکارتے بیٹھے ہیں۔ وہ اگر معبود ہیں تو

یہاں اس سے کہ وہی دلیل پیش نہیں کرتے (ان سے یہاں وہی دلیل نہیں لیجیں گے)۔
 انھوں نے یہاں یہاں سے جو حدیثیں پر جمنا کر رہتے تھے۔

حضرات!

میں نے آپؐ کے سامنے سورہ ہنف کے ابتدائی تین آیتیں پڑھی ہیں، بعد ازاں
 سورہ ہنف کے پڑھنے کی بڑی اہمیت آتی ہے۔ کئی حدیثوں میں آیا ہے کہ جو شخص سورہ
 ان سورہ ہنف کی ابتدائی تین آیتیں (۱۰) کئی حدیثوں میں آخری تینوں کا یہ آیت اور اس
 حدیثوں میں مطلق سورہ ہنف کا تذکرہ ہے (اپنے کلام میں) جہاں سے فتنے کے غور ہو گا
 وہاں قرب قیامت اور عجز زمانے کی وہ سب سے بڑی جہاد اور فتنہ رہاں آیت
 کے اس سے آفتاب سے سب سے زیادہ پناہ مانگی ہے اور اپنی امت واس کے اور یہ
 اور اختیار کیا ہے۔ کئی کئی جمعہ کا دن ہے۔ اس موقع پر ان آیات کا پڑھنا اور ان کے مضامین
 میں سب پر غور کرنا اور ان کا مذکر نہایت من سب اور مفید ہو گا۔ آئیے تھوڑی دیر ان آیات کے
 معنی و مہربان پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس سورہ کے مضامین اور وہاں کے فتنے میں یہ
 کی بہت سے درس کے حفاظت کا یہ زبیر شیدہ ہے۔

اباں کی اور بڑی سہولتیں ہیں، ایک قویہ کہ وہ اپنے زمانے میں قوت و طاقت کی پرتوں
 کے ہزاروں ہو گا، اور وہ اس کی خدمت میں جاے گا۔ اور اس سے یہ کہ وہ چیزوں واس
 میں اس کے ہر گز کی حقیقت پتہ ہو گی اور وہ نظر آئیں گی پتہ ان کے طبع و باطن و رتوں
 کے حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہو گا، جہاں میں جس وقت دلیل سے معنی مع ساری اور
 کفر و فتنے میں ہیں۔ رائے پر جمع کر دیا ہے۔ وہ وہ چاند کی نظر سے تاب پر سونے کا پانی پر
 ایا اور وہ اس کے معصوم ہونے کے لیے ایک تدبیر ہے۔ سورہ ہنف میں ایک اقتداء و عمل کا
 بیان کیا ہے جس کے وقت سے اقتداء و رست و طاقت شان و شوہر اور عزت و عظمت
 کے لئے جس کے لئے انکار کر دیا اور اصول و منہاں سے یہ نغمہ کوفہ پر دل کی آوازوں کی دعوت
 و ترغیب ہے۔ اور اباں کی حفاظت و جان کی حفاظت پر ترقی کی اور اپنے عقیدے و مساب
 آخر میں ثابت قدم رہنے، یہ اسباب ہنف کا اقتداء ہے اور وہ اقتداء حضرت محمدیؐ و ان کے تابع

جس میں اشیاء کے ظاہر و باطن اور واقعات کے آغاز و نبی میں زمین آسمان کا فرق تھا، ظاہر کا فیصلہ چھوٹا تھا اور باطن کا فیصلہ کچھ واقعات کا آغاز اس طرح ہوتا تھا اور ان کا انجی مسی اور طوفانِ مہدی یہ سارے اپنے اہم ترین مضامین، واقعات کے ذریعہ اجابت کی روں اور اس کی بنیادوں پر نہایت بکاری لگائی ہے آئیے اس وقت اس کی بکلف کے قصے پر غور کریں اور دیکھیں کہ ہمیں اس سے اس زمانے میں کیا پیغام ملتا ہے۔

رومیوں کی حکومت کا ارتقا اور ان کی حکومت روم کی اکیبر کی قلوب یورپ سے ایشیا سے و
پس و تر م کے آخر کی حد تک تھی۔ ان کی یہ حکومتیں میں جو آج بھی دنیا پر حکومت کرتی تھیں اور
ان کا نام یورپ سے لے کر ایشیا تک رہتا تھا۔ روم پر ترقی و ترقی کا نام تھی۔ اپنے قطع و
پہنچ کیا تھا۔ زندگی اور تمدن کا کوئی شعبہ اس کے اتر سے آراستہ تھا۔ روم کی زندگی روم پر ترقی اور
مدن پر ترقی کے رنگ میں، مانی ہوئی تھی۔ تمدن و تہذیب، حکومت و فلسفہ، ادب و شاعری، ان کی تعمیر
اور ان کی ترقی سب پر اس کی کہیں چھایا تھا۔ جن لوگوں کی تاریخ پر غور ہے وہ جانتے ہیں کہ اس
روم نے جس بات تراشی و رنگ مہ بازی کی صنعت و ترقی کی تھی، اور رومیوں نے اس میں
روم پیدا کیا تھا۔ رومی جیسے بات تراش و رنگ مہ بازی میں مہر و پیر تھے۔ روم کے رومیوں نے
یہ ایسے کئے بنائے ہیں کہ ان پر زندہ انسانوں کا ہتھوڑا ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اب
وہ کتب و کتب جنہوں نے روم کی پیدائی ہے وہ ان کتبوں کے سامنے کج حیات بن کر رہ
جاتے ہیں۔ ان کی ترقی و ترقی ہے کہ یہ ترقی و ترقی انسان کی ترقی ہے۔ بعینہ یہی
حالت میری کتاب کے ان تاریخی شہروں کی یہ ہیں کہ ایک ایک ہزار و دو ہزار سال کی ترقی
کے نام سے جانتے ہیں، اور ان کو حد کی روم کے کئے کے لیے کے یاد دیا گیا ہے، وہاں بھی ترقی
بہت کئے کے ان ترقی کے نام سے جانتے ہیں۔

اس عظیم عظمت کے مشرقی حصے میں اب جہاں ترقی کا دم ہے یہاں شہر فیس نامی ترقی کا اپنے ناپاکیوں کی مندرجہ ذیل صورت میں شہر ترقی رہتا تھا۔ اور مندرجہ ذیل صورت میں رہتا تھا۔ اس شہر میں بہت پرستی اور نفس پرستی اپنے آخری حدود تک پہنچی تھی۔ ایک طرف تو حریاں طور پر بہت پرستی ہوتی تھی۔ دوسری طرف کے طور پر نفس پرستی اور شہریت کا دور رہتا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان دونوں کا چولی و منہ کا ساتھ رہا ہے۔ شہر

پرتی اور شہوانیت نے بت پرستی کے سائے میں ترقی کی ہے۔ اس سے بت پرستی کا فائدہ ہو
ایک محدود جگہ اور محدود وقت میں اپنے جذبہ بت پرستی اور فانی کے انحصار کے بعد۔ نہایت
قانون سے آزاد کر دیتا ہے اور جس میں خدا کے خاصہ خاصہ ہونے کا کوئی عقیدہ نہیں پایا جاتا
آزاد نفس پرستی اور شہوانیت پرستی کی جیسی زندگی گزارنے کے لئے بہت سزا کا رشتہ ہو ہے۔
یہی نقشہ ہم کو قدیم ہندوستان میں نظر آتا ہے۔ اور یہی علم و حکمت کے مرز یونان میں ان
زمانے میں ملک شام میں جو رومی سلطنت کا ایک شرفی صوبہ تھا خدا کے پیغمبر حضرت مسیح علیہ
ہوئے اور انہوں نے توحید کا نفس اور پکی خدا پرستی کی دعوت دی۔ ان کی دعوت نے جہاد کا
کیا یہ اثر ان کے حواریوں اور مبلغوں میں بھی آیا۔ اور وہ شام سے نقل کر یورپ تک پہنچے۔
جو وہ ان کی باتیں سنہتے تھے۔ وہ انہیں ہر کلمہ پر جھنجھکتے تھے، اور ان کے دلوں میں یہ بات
تھی انہیں شہ کے سات نوجوانوں نے بھی ان کی دعوت قبول کی یہ امر اسے دربار اور راجہ
سلطنت کے بیٹے تھے اور بڑے معزز اور متمند گھرانوں کے قائم و چراغ انہوں نے بت پرستی
اور نفس پرستی کی راہ چھوڑ کر خدا پرستی کا راستہ اختیار کیا اور ان کو کچھ اور بھی دھن لگ گئی، اب ان کو
بت پرستی اور نفس پرستی ایسی مکر وہ معلوم ہونے لگی کہ اس سے ان کو گھن آنے لگی قرآن کہتا ہے۔
انہم فتیۃ امواک ریہم وردنا ہم ہدی و ربطنا علی قلوبہم (وہ چند نوجوان مرے،
تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی مدیت میں اضافہ کیا اور ان کے دلوں کو
منہجہ کر دیا) اور یہی سنت اللہ ہے کہ پہلا آدمی اپنے عزیز و نصیب سے کام لے پھر اللہ تعالیٰ کی
مدد آتی ہے، پہلا قدم آدمی کو اٹھانا پڑتا ہے اور یہ قدم انشراح پر نہیں کھینچا جاتا ہے۔
عزیمت اور ان جبر کا امتحان ہے جو اس امتحان میں کامیاب ہوا آگے کے سب امتحانات
اس کے لئے آسان کر دیئے جاتے ہیں۔

اب ان کے سامنے وہ مرحلہ آیا جو ایمانی دعوت قبول کرنے والوں کو ہمیشہ پیش آتا رہا ہے
ان کے سر پرستوں اور ان کے ہم درویشوں ان کے بزرگوں اور ان کے دوستوں نے اور ان کے
رفقاء اور ان کے احباب نے حق نصیحت ادا کر دی اور ان کو زمانے کے شیب و فراز سمجھے اور
دنیا کے تمام عقلاء اور دانشمندوں کی طرح نرمی و سختی ترغیب و ترہیب سے کام لیا، انہوں نے کہا
کہ تم نے بڑا خطرناک کھیل شروع کیا ہے تم بڑے ہونہار نوجوان ہو تم سے تمہارے خاندان کی

تمہارے بچی خوش ہوئی بڑی امیدیں وابستہ ہیں کہ تم اپنے اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے۔
 سرکاری دربار میں وپچی سے اونچی نرسی تم کو مل سکتی ہے حکومت کا بڑے سے بڑا اعزاز تمہارا
 منتظر ہے۔ تم اپنے پاؤں پر کھاری مار رہے ہو اور جس شائے تمہارا شمعین ہے اس پر رن چلا
 رہے ہو عزیزو! تم اپنا مستقبل کیوں تاریک بنا رہے ہو اور اپنی قسمت پر اپنا قابضوں سے کیوں
 مہر گار رہے ہو۔

اس موقع پر اب اختیارِ حصرت صالح اور ان کی قوم (شمود) کا مکالمہ یاد آ گیا۔ ماضی
 و حال میں ہمیشہ مناسبت رہی ہے اور انسان کی فطرت ہمیشہ سے ایک ہی ہے، حضرت صالحؑ
 نے بابِ قحیدہ اور ایمان و عمل صالح کی دعوت شروع کی تو ان قوم کے بزرگوں اور قزاقوں
 نے ان کو ہمدردی اور سوزی کے ساتھ سمجھایا، انہوں نے تین معصومیت ورکے راستے سے
 یا صالح قد کت فیما مر جوا قبل هذا (سورہ ہود ۶۲)

اے صالح تم تو بڑے ہونہر رہتے اور تم سے ہماری بڑی توقعات وابستہ تھیں۔
 ہمیں یقین تھا کہ تمہاری وجہ سے تمہارے خاندان کے دن پھریں گے اور اس کو سر بلندی اور
 عزت حاصل ہوگی، تم یہ کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے اور تم نے یہ کیسا جھگڑا شروع کر دیا یہ تو حید ہے او
 ر یہ شرک یہ کفر ہے اور یہ ایمان، یہ خبیث ہے اور یہ طیب، یہ حلال ہے اور یہ حرام، یہ چمک ہے اور
 یہ ناجائز تمہیں ہمارے عقائد اور ہمارے اعمال سے کیا مطلب۔

اتسہا نا ان بعد ما یعدا ۛ و انا لہی شک مما تدعو نا الیہ ہرب
 (سورہ ہود ۶۲)

کیا تم ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے منع کرتے ہو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا
 کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ اور ہم تو تمہاری دعوت کی طرف سے بڑے شکوک و شبہات میں
 مبتلا ہو گئے ہیں۔

باب ان موصدو جوانوں پر جن کی تعداد قرآن مجید کے طرز بیان سے سات معصوم ہوتی
 ہے بن ناسی نہ اور دانشمندانہ گفتگو کا کوئی اثر نہیں ہوا تو ان ناصحوں اور دانشمندوں نے دوسرا ہیجہ
 اختیار کیا۔ اور کہا کہ اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ اگر اپنا عقیدہ عزیز ہے تو زندگی سے
 ہاتھ دھواؤ اور اگر زندگی عزیز ہے تو اس عقیدے سے دستبردار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم زندگی

سے سو بار ہاتھ دھوینے کے لئے تیار ہیں لیکن اس عقیدے سے توبہ کرنے کے لئے ایک بار بھی تیار نہیں۔ انہوں نے اس موقع پر جو غلط استعمال کئے وہ بڑے معنی خیز ممیق اور وسیع ہیں۔ ان کے شہ و زمانے کے قہر زانوں نے ہر بات میں زندگی کی ضروریات مستقبل کی توقعات کا بیان کے امکانات پرورش کے سامان منصب و ممد اور روزی و رمعاش کا حوالہ دیا تھا۔ یہ عقیدہ نہ مچھوروں کے اور بہتے ہوئے دھارے کے ساتھ نہ ہوئے تو خوری نہ لے کر عہدہ نہیں لے گا۔ خوری نہ ملے گی تو کھو گے کیا؟ کھو گے نہیں تو زندہ کیسے رہو گے؟ گویا سب پرورش اور پروردگار کا مسند تھا۔ پرورش کہاں سے ہو؟ پائے والے رزق دینے والے کون۔ انہوں نے اپنے اعدان میں اذ قاصمو الفقار و ارب السموت والارض۔ (جبرہ) لکھا ہے۔ ہونے اور نہیں ہونے اعلان کیا کہ یہ ہمارے پروردگار کوئی ہے جو آسمانوں و زمینوں کا پروردگار ہے (گویا انہوں نے اعدان کیا کہ ہم نے پروردگار کو پہچان لیا اور پایا۔ اب سامان پرورش اور پروردگار کی کوئی پریشانی نہیں پھر ہم نے جس کو اپنا پروردگار مانا ہے وہ آسمانوں و زمین کا پروردگار ہے سامان پرورش کا تعلق انہیں دونوں چیزوں سے ہے۔ یہ آسمان سے یا زمین سے اور جس کے قبضہ قدرت میں یہ دونوں ہیں اس کے یہاں سامان پرورش کی کیا کمی؟ اور جو سات آسمانوں کو اور زمین کو تھا مے ہوئے ہے اور ان کو ان کا رزق پہنچا رہا ہے کیا وہ سات آسمانوں کو یا لئے سے عاجز ہے۔

حضرات! سر جھٹڑا ربوبیت کا ہے لوحیت کا نہیں خدا کی اوبیت بڑی سے بڑے سے بڑے منبروں و مشرکوں کو تسلیم ہے۔ وَلَنَسْأَلَنَّهُمْ مِنْ حَتِِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لِيَقُولُنَّ اللَّهُ۔ ساری کشمکش، انتخاب کا معرکہ اور ترجیح و اختیار کا امتحان ربوبیت ہی کے بارے میں ہے اور ان کا زندگی کے ہر مرحلے سے تعلق ہے جس نے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ نہ کیا ایک مرتبہ اپنے پائے کو پیچھا کر لیا پھر اس کے لئے کوئی امتحان اور کوئی معرکہ نہیں۔ ان سے فرمایا ہے۔ اِنْ الْوَيْسَ قَالُوْا اِرْسَالُ اللّٰهِ ثُمَّ اسْتَغْمُوْا اَتَتَّوَلَّوْا عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَةُ الْاُولٰٓئِیْنَ اَوَلَا نَحْزَنُوْا وَاَسْرُوْا اِنَّا الْحَنَّةُ الَّتِیْ كُتِبَ عَلَیْهَا لَیْسَ عَلَیْهَا اِیْمَانٌ لِّمَنْ اَسْرٰ (سورہ حمزہ آیت ۳۰) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارے پروردگار خدا نے کچھ وہ اس پر قلم کر رہے۔ ان پر فرشتے اتریں گے وہ نہیں گئے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوش منور۔

اور شاید ان سے ان سات نوجوانوں کے تعارف میں سب سے پہلے اپنی اسی صفت ربوبیت پر ایمان لانے کا تذکرہ کیا فرمایا۔ **اِیْہِم فَتَبَعَ اَمُوًا لِرَبِّہِم اَمُوًا لَہِیْہِم**۔ نہیں ہا کیا۔

اب جب ہم دونوں کی یہ منطق نہ کامرانی تو انہوں نے یہ دوسری منطق اپنائی انہوں نے کہا کہ کسی مسئلہ کی صداقت کے لئے کوئی نہ کوئی معیار رہنا چاہئے۔ بڑا معیار یہ ہے کہ جو حکومت کی سرکاریوں پر فی مز میں جن کا سب میں حکم چلتا ہے اور ایک قس مند اور قسمت کے انہی میں کہ کوئی پر ہاتھ رکھ دین تو سنا ہو جائے اور جو ان کے دشمن سے وابستہ ہو جائے اس کی قسمت یہ ہے کہ انہی ان کی اس مسئلہ کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اب تم دیکھو کہ رومہ انہی کی ہے شہنشاہ اعظم اور اس کے وزیروں اور نائبوں اور جوان کی طرف سے اس شہ میں حکومت کر رہے ہیں۔ ان کا مذہب و عقیدہ کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سب ان ایوتاؤں اور ایوی کے پرستار ہیں جن کے تم منکر ہو اب ہم ان کا میاب اور اقبال مند انسانوں کے عقیدے اور مذہب کو تسلیم کریں یہ تم چند خفیف العقل خام علم اور جذباتی انسانوں کے مذہب و عقیدے کو جو ہر عزت و طاقت سے محروم ہیں۔ یہی وہ پرانی منطق ہے جس سے بہت سی مڑشتہ قوموں نے کام لیا اور اپنے جیمبروں کے مقصد میں استعمال کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا

اَبُو مِنْ لَکْ وَ اَتَبَعُکَ الْاَرْدَلُوں (سورہ شعراء ۱۱۱)

(کیا ہم تمہاری بات مانیں جاں ناکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے سب ماننے والے پست خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔)

دوسرے الفاظ میں انہوں نے کہا

وَمَا نَرَاکَ اَتَبَعُکَ اِلَّا النَّوْبِیْہِم اَرَادَلْنَا مَادِی الْاِیْمِ (سورہ ہود ۲۰)

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہ لوگ ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجہ کے ہیں اور انہوں نے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کر لی۔

ان عقل مندوں کا یہ فلسفہ یہ بھی تھا کہ کسی چیز کے خیر ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ ہم مد شہد و معززین کے یہاں پہلے نظر آئے انہوں نے کہا

قَالَ النَّوْبِیْہِم کَعَمْرٍ وَاَلَلْدِیْہِم اَمُوًا لِرَبِّہِم اَمُوًا لَہِیْہِم (سورہ ہود ۲۱)

یہتدوا بہ فسیقولون ہذا افک فدیہ (سورہ احقاف ۱۱)

اور منکروں نے مومنوں سے کہا کہ اگر یہ دین چھوڑتے ہو تو یہ غریب مومن اس میں ہم سے ہار گئے جاتے اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب تم سے کہ یہ پرانا جہنم ہے۔

ان فی اصل یہ تھی کہ موسم کا پہلا پھل اور بازار کا سب سے اچھا میوہ پہلے ہی سب سے اچھی ویزاں کی ایجادات و سامان کا سب سے ترقی یافتہ اور پہلے ہی طبقے کی پاس آتا ہے اور انہوں نے اس میں اپنے جیب کا سر رکھا۔

اھولاء من اللہ علیہم من یبسا

کیا اللہ کو اپنی ہدایت اور انعام کے لئے ہم و تم میں یہی مدد دینا اور نتیجہ سب سے بہتر سامان ملے تھے۔

افیس کے موجد و جوڑوں نے اس منطق کی صداقت و قبول کرنے سے انکار کر دیا انہوں نے کہا کہ ہم ان حکام اور اسراء کو اور ان درباری بادشاہوں کو معیار ماننے کے لئے تیار ہیں مگر کس چیز میں؟ کھانے کے ذوق میں لباس کی تراش و خراش میں فن؟ میں ہم ان کی خوش مذاقی اور صحیح الذہنی کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان چیزوں میں وہ جس کو اچھا سمجھتے ہیں اچھا ہے اور یہ جس چیز کو نا پسند کریں نا پسندیدہ ہے، لیکن ہم یہ تسلیم کرنے سے تیار نہیں کہ عقیدہ و مذہب میں اخلاق و اصول اور صواب و نا صواب سے باہر سے میں یہ مذہبی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نے اخلاق اور انسانیت کے میدان میں ان کو بہت پست پایا ہے انہوں نے اپنی ایک دنیوی خواہش اور نفس کے معمول تقاضے کی تکمیل کے لئے، ستیوں و بستیوں جاذب ہیں اور شہر کے شہر چرائی کر دیئے ہیں۔ ان کو ایک بیوہ کے سر کا دوپٹہ، ایک مفلس کے گھر کا تو اور یہ یتیم کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھین لینے میں عار نہیں آتا ہے ہاں۔ حکومت کا نام ہے کہ ہم کو ڈراتے ہیں اور بار بار حکومت کی کرسی اور سلطنت کے تخت کی طرف استراہ کرتے ہیں تو ہم نے اس کی بے ثباتی و رعب و فرائی کا خوب تر شاہ دیدھا ہے۔ ایک فانی چیز کو دائمی صداقت کا جس کو زوال نہیں معیار نہیں قرار دیا جاسکتا جو خدا حکومت دیتا ہے وہی جب چاہے چھین بھی سکتا ہے۔ کوئی بزرگ بچے کو کھلونا دیتا ہے تو اس سے بھی سکتا ہے۔ بچے کو یہ گھمنڈ نہیں ہونا چاہیئے

کہ یہ مخلوق ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہے گا اور اس سے کسی طرح کی بے نیکی یا جھوٹ نہ ہوگا۔ یہ بات ہے۔
حقیقت ہے جو کہ ان شریفوں کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

قل اللهم مالک السمک توکلی الملک من ساء و سوء السمک
ممن تشاء و تعز من تشاء و تدل من تشاء سدک الحیر انک علی کل شی
قدیر (سورہ آل عمران ۲۶)

کہہ کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے، ایک تو جس کو چاہے بادشاہی بخش دے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے۔ اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔

آخر ان دانش مندوں کی ساری باتیں ناگہم ہوئیں اور وہ جوانرا اپنے عقیدے پر قائم رہے اس زمانے میں شہنشاہ روم کا دور دورہ ہوا اور اس کو معلوم ہوا کہ شہر میں سات سرچشمے نوجوان ہیں جو ہمارے ہی نمک خواروں اور دیاریوں کے نور نظر ہیں انہوں نے اپنے بزرگوں کی بھی بات نہیں مانی ہے اس نے حکم دیا کہ ان نوجوانوں کو فلاں مندر میں چڑھاؤ اچہرے چھانے پر مجبور کیا جائے اور اگر وہ اسوقبوں نہ کریں تو ان کو سزا موت دے دی جائے ان نوجوانوں نے اس سے انکار کر دیا اور مشورہ کر کے قریب کے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی اور اپنا ایمان بچانے کا سامان لے لیا۔ بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے غار کا منہ بند کر دیا وہ جگہ گھس کر مرجائیں۔ لیکن خدا نے ان کو پیٹھی نیند سلا دیا اور تین سو نو سال تک ان پر نیند طاری رہی۔

اس عرصے میں ملک روم میں انقلاب عظیم آ گیا رومی شہنشاہ نے عیسائیت قبول کی اور وہ اس کا سر پرست و حامی اور پر جوش مبلغ و داعی بن گیا پھر خدائے اپنی قدر کا مد سے نوازا یہاں یہاں ان کا ایک فرستادہ شہر میں آیا تو دیکھا کہ دنیا بد چلی ہے، عیسائیت بے سرکاری مذہب ہے اور جو مجرم رومن زونی اور شستی تھا اب وہ بڑی عزت اور فکر کی چیز بن گئی کل کے معسوب آج کے محبوب اور کل کے مجرم آج کے ہیرو ہیں چنانچہ اس طرح ان کی فراست صحیح نکلی اور ان دانشمندوں کی ذہانت جو تصویر کے اوپر کا رخ دیکھتی تھی، نا کا مثبت ہوئی۔

حضرات! قرآن شریف نے یہ قصہ محض تاریخی واقعہ یا لچسپ داستان کے طور پر نہیں

شاید یہاں سے اس وقت آن مجید میں جلدی کی کہ یہ واقعہ تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے اور ہر وقت ہر جہد پیش آتا ہے۔ اللہ کے سماں میں کس آج سے مذکر کے لیے دوسرے سماں کے سماں بھی کس آج سے مذکر کے لیے سماں کے لیے ایمان و یقین صبر و تقویٰ کے لیے اتنا وقت باقی نہیں رہا۔

انہ من یق و یصر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین سورہ یوسف ۹۰
جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے۔ خدا نیکو کاروں کا جرم ضائع نہیں کرتا۔ قرآن یہ زندگی دہاویہ اور عالمگیر کتاب ہے اس میں ہر جہد اور ہر عمل و رسم و عادت کے لیے رہنمائی ہے انسانیت اور انسانی زندگیات کا ایک نمونہ ہے جو ہر مذکر کے لیے اور عورت کے لیے قرآن عظیم میں آئینے ہیں اس کے بالکل یا مقابل اور اس کے برابر قرآن میں زندگی ہے۔

ومن الناس من بعد اللہ علی حرف فان اصابہ حیر اصابا بہ وہ وان اصابہ فتہ اصابہ علی وجہہ حسر الدنیا والاخرۃ دلیک ہو لحسراں المسین (سورہ الحج ۱۱)

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو خدا کے (حرف) کو نہ سمجھتے نہ دیکھتے نہ جانتے ہیں ان کو وہی دنیاوی فائدہ پہنچے تو اس کے سبب ٹھکان ہو جاتا ہے اور اس کوئی آفت پرستہ منہ کے بل لوٹ جاتیں (یعنی کچھ کافر ہو جاتیں) انہوں نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی یہی تو نقصان صرت ہے۔

یہ قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی تصویر کشی کا اسی نمونہ ہے یہ آیت کیا ہے؟ یہ مستقل معجزہ یہ فراموشی بھی تصویر ہے اور جماعتوں کی بھی قوموں اور ملتوں کی بھی عربی میں "من" کا طاق فرا اور جماعت سب پر ہوتا ہے، دلوں میں سے یہ لوگ بھی ہیں جو خدا کی بندگی کرتے ہیں بالکل کنارے پر کھڑے ہو کر بندگی کرتے ہیں مگر مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خدا کی نماز پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔ اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ خدا کی فرمانبرداری اور ادائیگی میں پابندی میں سرحد کی میسر پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جو اسلام و جاہلیت اور کفر و ایمان کے درمیان کھینچی گئی ہے علی حرف کی باغی تلاحظہ ہو اس صورت حال کی اس سے مراد ہے بھی تصویریں جائزے اور بڑے سے بڑے مصور اور نقاش بھی اس کی تصویر کشی کرے تو

ایسی ہوتی ہوئی تصویر نہیں کھینچ سکتا ان دنوں میں اور حقیقی طور پر تصویر اس چہرے سے نہیں
میں آئی وہ کسی جگہ سے ہوتے ہیں ہمیں سے ان کے سے دوسرے سے یہ متعلق و بان
ایک منطق سے دوسرے منطق پر پہنچتی بانہ وقت ممکن رہے اور اس میں رہ جی یہ سے وہ
رہ پاؤں بھی نہ رکھتے کہ اٹھنے میں پتہ یہ کہ وہ چوں کی طرح پاؤں رکھتے ہیں سے وہ
ایک جھوٹے میں درحالت میں دنی کی تبدیلی واقع ہوئے پر وہ دوسری جگہ کھڑے نظر آتے ہیں
ان کا ہاتھ زمانے کی نبض پر رہتا ہے اور ان کی دور بین نگاہیں حکومت سوس کی اور وقت کے
اقتدار کے پشم و ابرو کے اشارے کو دیکھتی رہتی ہیں۔ اس کا دماغ سودوزیاں اور نفع و نقصان کے
موازنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتا آخر زمانہ ان کے موقف و مسلک و ران کے
مقام محل کے مطابق ہوتا ہے ان سے بڑھ کر اپنے مسلک کا پرہیز میں اور ان کی خدمت
میں منہمک کوئی نظر نہیں آتا اور وہ پرے سے سون قلوب اور امتیازات کے ساتھ اپنا کام کرتے
رہتے ہیں۔ فان اصابہ خیر اطمان بہ۔ اور وہ حکومت کے سوس کی اور عوام کے تیرہدے
ہونے دیکھتے ہیں تو وہ فوراً اپنا مسلک بدل دیتے ہیں اور پہلے مسلک کی تہمت سے بھی بچتے ہیں
ان کو اپنی وضع قطع اپنے عقائد و خیالات اپنی تہذیب و معاشرت و اپنی زبان و لہجہ بدلتا قومیت
بھی تبدیل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اس بہن وقت راہ کو دیکھ کر یہ آیت اس
طرح سمجھ میں آتی ہے اور اس کی بداعت و انجی زجس طرح نمایاں ہوتا ہے وہ بڑی سی بڑی قسم
سے اس طرح نمایاں نہیں ہوتا خطرے اور شبہ سے بچنے کے لئے اس بہن وقت راہ کے
انتہات اور اس کے حقیقہ دیکھنے سے تعجب رکھتی ہیں۔ جب شعرا اسلامی کے اظہار سے کوئی
ماہی فی مدہ حاصل ہوتا ہے یہ وہ دوست و وجہت کے حصوں کے فریہ ہوتا ہے۔ یہ حکومت
اقتدار اس کے بغیر نہیں مل سکتا تو شعرا اسلامی کا ان سے زیادہ اظہار کرنے والا کوئی نہیں اور اگر
ان نے اظہار میں دنی و رجب کا خطہ متنبہ ہوتا ہے یہ اس کی وجہ سے کہ اس کی وجہ و رجب و رجبی
دین پرانی ہے تو پھر ان شعرا اسلامی کو بلکہ بنیادی عقائد تک کو وہ مدد کرتے ہیں اور ان سے اپنا
رشتہ نا توڑ دیتے ہیں۔

ومن الناس من يقول امنا بالله فادواؤدی فی الله جعل فتنة الناس
كعذاب الله ولن حاء بصر من ربك ليقول ان کما معکم اولیس الله اعلم بما

فی صدور العالمین

اور بعض وہ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان لائے ہیں اب ان کے لئے
رستے میں کوئی بڑی تکلیف ہے تو کوئی ایذا تو یوں بگھٹتی ہے جیسے خدا کا عذاب اور ہر
تہوار پر ہر کارن طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تہوار سے کٹھ تھے یہ جو اہل عالم
کے سینے میں ہے، خدا اس سے واقف نہیں۔

۱۔ وہ سب سے پہلے اور سب سے پہلے کہی گئی کہ میرا حق ہے، سب سے پہلے
اپنے دور ہاشمی و یاروں سے ہیں اور ہمیں نہ نہیں سے وہ یہ تعلق تھا کہ یہ ہیں وہ سب سے پہلے
راعدہ سما فی صدور العنیں۔ ۲۔ مہر پر ن زمانہ ہازم کا نجا میرا ہوتا ہے وہ دن وہ
میں ان دن وقت نہیں ہوتی ان کے فرمایا یہ ہے حشر الہیاء والا حشرہ دلک
ہو الحشر ان المین۔ شاعر نے شاید اسی موقع کے کہا کہ خدا ہی مدد نہ حاصل نہ اہل
کے رہے نہ اوھر کے رہے مجھے معلوم ہے کہ ۱۲ء کے مارکٹ کے زمانے میں کتنے آدمیوں
نے اپنی ساری وضع قطع اس خطہ سے تبدیل کر دی کہ اس میں مسلمان سمجھ رہے تھے کہ
خبر ہے اس کے متبادل میں قوت ایمانی کا ایک پرنا، واقفینے نصیر خان ہو چکی اور پنجابی میں
حکومت کی درمیان ایک مرتبہ جنگ ہوئی ایک موقع پر اس جنگ میں نصیر خان زخمی ہو کر گھوڑے
سے گرے، اس کے پیچھے پانی پاس سے گزرے ایک نے چاہا کہ کامیاب ہو جائیں اس زمانہ کے ہو پین
بڑے بڑے باں رکھتے تھے نصیر خان کی بھی انہیں تھیں دوسرے نے کہا کہ نہیں نہیں یہ ہمارا
بھائی ہے اس وقت ہمارا جب جنگ ختم ہوئی اور نصیر خان ہو پین اپنے اور حکومت میں پہنچا تو اس
نے خود بھی اپنے ہاں تر شاہ اور پوری قوم کا ہاں تر شاہ نے کاٹ لیا۔ اس نے کہا کہ ان دنوں
ہم نے میری مسلمان ہونے کے بارے میں شبہ پیدا کر دیا اور میں شہادت سے محروم رہا۔
ایک دنوں زمینیتوں میں ستر بڑ فرق ہے۔

ہمیں تقوت رہ از کجاست تا بچی۔

حضرت اہلب حیات ساز کار ہوں اور ہوا موافق چل رہی ہو جب کسی مسلک پر قدم
رہنے پر انہی ممتا ہو اور پھوں برسائے جاتے ہوں جب کسی قوم کو جہالت کا ستارہ اقبال بند ہو

اور اس کا بخت یا ور جب کسی جماعت میں شریعت باعث عراز ہو اور یہ ایسا وقت اس وقت اس مسلک پر قائم رہنا اور اس عقیدے کا اظہار کرنا ہونی بہ دردی اور مراد انہیں نہیں دینا جب اسات تا سازگار ہوں اور باد مخالف تیز شد چل رہی ہو جب بڑے بڑے جوانمردوں کے قدم کھڑے رہیں ہوں جب کسی اصول اور عقیدے کو اختیار کرنا درویش و غوث دینے کے مراد ہو جب کسی قوم کے تنزل کا زمانہ ہو اقبال نے اس سے منہ موڑ لیا ہو اور زمانہ کی نگاہیں اس سے چھٹی ہوئی ہوں اس وقت اس مسلک پر ثبات و استقامت اور اس جماعت سے اقتساب و نسبت بڑے شیعہ مردوں اور بڑی وفاداری و رکنک صدیقی بات ہے یہ شاہ اور صہمت و پابندی بڑی قدر ہوتی ہے جو اس وقت میدان جنگ میں کھڑے رہنے جب فوج کے پاؤں ہر جا رہے ہیں اور بھگدڑ مچ جاتی ہے ہر رئیس اور امیر کو انہیں لوگوں کی قدر ہوتی ہے جو ہرے میں ان کا ساتھ دیتے ہیں اور جب ان کے پروردہ اور نمک خوار نگاہیں پھیر سیتے ہیں اور اس سے متاثر ہوتے ہیں تو وہ اسی طرح ان کے دامن سے وابستہ اور ان کے دروازہ پر ایستادہ رہتے ہیں اور وہ اس طرح ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور آداب بجا لاتے ہیں۔ ایک پرانے رئیس ایک صاحب کا بڑا خیال کرتے تھے اور ان کو بہت سے مصاحبین اور جی حضور لوگوں پر ترجیح دیتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا جب ہمارا علاقہ ورث ہو گیا تھا تو تنہا یہی شخص تھے جنہوں نے ہمارا ساتھ نہ چھوڑا، حقیقت میں محبت و وفاداری اور وابستگی کا ثبوت اس حالت میں نہیں ملتا جب تقرب حاصل ہو اس وقت ملتا ہے جب سیمپری اور بے التفاتی کا معاملہ کیا جائے اس سے حضرت عتب بن مالک کے بچے اور عاشقانہ محقق کا اظہار ہوتا ہے کہ عین اس حالت میں جب رسول ﷺ نے مدینہ کے سارے مسلمانوں کو ان سے ملنے اور بات کرنے کی مخالفت کر دی تھی اور بولی ان کی بات کا جواب دینے کا بھی رونا انہیں تھا یہ ہے کہ رفیقہ حیات کو بھی ان سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا بقول ان کے دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیری تھی شہر شہر نہیں قبرستان معصوم ہوتا تھا اور قرآن کے الفاظ میں دنیا اپنی ساری نعمتوں کی باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کا دم کھٹنے لگا تھا اس وقت غسان کے بادشاہ (جس کے انعام و اکرام اور سرفرازی کے سارے عرب میں چرچے تھے) کا دعوت نامہ آتا ہے کہ تمہیں اس کسمپرسی میں پڑا رہنے کی ضرورت نہیں تم میرے پاس آ جاؤ میں تم کو نہال سردوں گا وہ بجائے اس خط کا استقبال کرنے کے اور

اس موقعہ پر غصہ نہ سمجھنے کے سوا قصہ کے سامنے جتنے تئذ میں ہاں، یہ ہیں اور اپنے
 کعبہ کی طرف سے یہ امتوں پر اشتراک کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی مصیبت کے یہ
 ہاں پہنچتے ہیں اور ان کی ساری تھیں کے سسر میں جتنا وقت نہ رہی تھا وہ پورا ہو جاتا ہے۔
 اس صبح جب شمال دھڑ میں مدینہ پہنچتے ہیں چڑھائی کی اور چاند طرف سے
 منہ بین کی فوجوں کا رخ ہوا اور مسلمان مدینہ میں گھر رہ رہے۔ اس وقت یہ بھی نہ تھا کہ
 وہاں تھانہ نہیں کے ملک آئے کی امید ہوا، وہی خوف اور ہم مصیبت کا سامن تھا تو آن
 مجید کے ہمتوں کی بولی تھی نہیں جتنی بات

ادحوا وکم من فوقکم ومن اسفلکم واذراغت الابصار وبلغت

لھرب الحاحر ونظروں سہہ الصبر۔ سورہ احزاب ۱۰

جب وہ قہار کے آپ اور بین طرف کے قہر پر تھاکے اور جب انہیں پھر میں اور
 ان (ہاں کے وقت) کے قہر کے پہلوں کے اور قہر کی نسبت منہ میں کے منہ کے
 تے

جب انہیں پھر ایسے اور قہر کے لئے تھے اس وقت ان میں نے جنہ خدا نے
 میان کی وقت کے ہاں قہر کے لئے تھانہ کے بعد میں یہ یقین تھا کہ ایمان و قہر کی
 ہو یا اور انہوں نے اس صورت میں کے باطل اور قہر کا اور اس کی طرف سے
 نہ است ورنہ مراد کی نہیں بلکہ اور کامرانی کی دلیل بنایا

ولما رای المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وحده

الله ورسوله ومارادهم الا ايماناً وتسليماً (سورہ احزاب ۲۲)

اور جب مومنوں نے کافروں کے شہر وہ دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا خدا اور اس
 کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا ورنہ اور اس کے پیغمبر نے جی کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان
 اور حالت اور زیادہ ہو گیا۔

ان کی دلیل و منطق یہ تھی کہ غیر مومنوں کی حالت میں غیر معمولی واقعات کا شہور ہوتا ہے
 رات کے اندھیر کی آفتاب طوع ہوتا ہے اور جب زمین پر تپان بولی سے تپان
 رات کا زمانہ ہوتا ہے۔ عین یہی دلیل اس وقت یقیناً علیہ اس لئے اس وقت پیش کی اور

اس سے تسلیں حاصل ہو جب یوسف کے فرقہ کا احوال چٹائیہ بن وقت انہوں نے فرمایا ۔

”عجب نہیں کہ خزانِ سب کو میرے پاس ہے آگے بیشک وہ دانا اور حکمت والا ہے۔“

اور فرمایا:

يا بى اذهبوا فتمسوا من يوسف واحبه ولا تبسوا من روح الله انه

لا يبيس من روح الله الا القوم الكافرون (سورة يوسف - ١)

میرے بچے کو جو یوسف اور اس کے چھوٹے بھائی کے نام سے یاد ہے۔

ہواں دل رحمت سے توں جاننے مایوں ، تہیں۔

حضرات، اسلام یقیناً کم رہیناس سے اپنی بہت زیادہ مہانیاں سے شیعہ کا ملکہ

اس وقت بھی سعادت و فخر کی بات ہے اور اس میں اس وقت بھی مزہ ہے جب ساتاں سے

سازگار رہیں اور چپ مسکے خوش کی کامیابی کا ہر لمحہ نیچیں اسلایم کا دور اور وہ دور کی محبت

میں ان کو ناکامی کا مشہد، یحییٰ پڑت، حسین امتحان و آزمائش کے موقع پر وفاداری اور جہاد قاری

میں جو مدت ہے وہ مدت کی چیز نہیں ہے یہ وقت ہے نسبت پر قائم مرتبہ اور نسبت

صحافت و تبلیغ کے لیے تنقید و نصیحت سے خاص ضروریات اور اعتراضات

قرہانی سرے والوں کو اس دنیا ہی میں بہت کامزدار آئے مانتا ہے۔ دوسرے ہونے کے رہیں

روٹیں سے فدا کی ہوئی شہر کا ترانہ بلند ہوتا ہے۔ اقیانوس نے تپید کی شہادت سے جہالت۔

پشتہ میری جان سے

پشت بر پائین برکت

پو بندی مسلمان اکے خوش ہفت

پشتہ فی سبیل اللہ

وما علنا الا البلاغ المبين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم نو

وہ یہ دگا رتقریر جو ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے ریڈ پلنھو سے شروانی تھی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم O اما بعد O فاعوذ باللہ
من الشیطان الرجیم O بسم اللہ الرحمن الرحیم O

دنیا کی عمر:

یوں تو اس دنیا کی عمر بہت بتائی جاتی ہے، مگر یہ دنیا کئی بار سو سو کر جائے گی ہے اور مر مر کر زندہ ہوئی ہے۔ آخری بار جب یہ موت کی نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے عقل و ہوش کی آنکھیں کھولیں، وہ، وہ دن تھا جب مکہ کے سردار عبدالمطلب کے گھر پوتا پیدا ہوا، وہ پیدا ہوا تو یتیم تھا، مگر اس نے پوری انسانیت کی سرپرستی کی اور دنیا کو نئی زندگی بخشی۔ سوتے میں جو عمر کئی وہ لیا عمر ہے؟ خودکشی میں جو وقت گزرا وہ کیا زندگی ہے؟ اس لئے سچ پوچھیے تو موجودہ دنیا کی کام کی عمر چودہ سو برس سے زائد نہیں۔

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے دنیا کے حالات:

چھٹی صدی مسیح میں انسانیت کی گاڑی ایک ڈھونڈ راستے پر پڑ گئی تھی، اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا، راستے کا شیب بڑھتا جا رہا تھا اور رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس گاڑی پر انسانیت کا پورا قندہ اور آدم کا سار کنبہ سوار تھا۔ نزاروں برس کی تہذیبیں اور لاکھوں انسانوں کی محنتیں انھیں۔ گاڑی کے سوار میٹھی نیند سو رہے تھے یہ زیادہ اور اچھی جگہ حاصل کرنے کے لئے آپس میں دست و پائی کر رہے تھے۔ کچھ تنگ مزاج تھے، جب ساتھیوں سے روٹھتے تو ایک طرف سے

دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ جاتے، کچھ ایسے جو اپنے جیسے دُکوں پر حکم چلاتے، کچھ اُٹھانے پکانے میں مشغول تھے، کچھ گانے بجانے میں مصروف، مگر کوئی یہ نہ دیکھتا کہ گاڑی کس غاری طرف جا رہی ہے اور اب وہ کتنی قریب رہ گیا ہے۔

انسانیت کا جسم تروتازہ تھا، مگر یہ دل نڈھال، دماغ تھکا ہوا، ضمیر بے حس و مردہ، نبضیں دُوب رہی تھیں اور آنکھیں پتھرانے والی تھیں۔ ایمان و یقین کی دولت سے محروم ہو گیا۔ انسانیت محروم ہو چکی تھی، پورے پورے ملک میں ڈھونڈنے سے ایک صاحب یقین نہ ملتا، تو بہت کاساری دنیا پر قبضہ تھا۔ انسانیت نے اپنے کو خود ذلیل کیا تھا، انسان نے اپنے غلاموں اور چاروں کے سامنے سر جھکایا تھا، ایک خدا کے سوا سب کے سامنے اس کو جھکنا منظور تھا۔ حرام اس کے منہ کو لگ گیا تھا

شراب اس کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
جو اس کی دن رات کی دل لگی تھی

بادشاہ دوسروں کے خون پر پتے تھے اور بستیاں اب ڈکرتے تھے، ان کے کتے موج کرتے اور انسان دانے دانے کو ترستے، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ جیتا دو بھرتھا، جو اس معیار پر پور نہ اترے وہ جانور سمجھا جاتا تھا، نئے نئے ٹیکسوں سے کسانوں اور دستکاروں کی کمر جھٹی اور ٹوٹی جاتی تھی، لڑائی اور بات کی بات میں ملکوں کی صفائی اور قوموں کی تباہی ان کے بائیس ہاتھ کا کھیس تھا، سب زندگی کی فکروں میں گرفتار اور ظلم و زیادتی سے زار و تار تھی، پورے پورے ملک میں ایک اللہ کا بندہ ایسا نہ تھا جس کو اپنے پیدا کرنے والے کی رضا مندی کی فکر ہو، یہ رستے کی چکی تماش ہو، غرض یہ نام کی زندگی تھی مگر حقیقت میں ایک وسیع اور طویل خودکشی۔

دنیا کی اصلاح انسانوں کے بس سے باہر تھی، پانی سر سے اونچی ہو گیا تھا، معامد ایک ملک کی آزادی اور ایک قوم کی ترقی کا نہ تھا۔ انسانیت کا بدن داغ داغ تھا، دامن تار تار، اصلاح کے لئے جو لوگ آگے بڑھے وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے۔

تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

فلسفی اور حکیم، شاعر اور ادیب، کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا، سب اس دبا کے شکار تھے، مریض مریض کا علاج کس طرح کرے؟ جو خود یقین سے خاں ہو، وہ دوسروں کو کس طرح یقین

سے بھڑوے؟ جو خود پیسا ہو، دوسروں کی پیاس کس طرح بجھائے؟ انسانیت کی قسمت پر بھاری قفل پڑا تھا اور کنجی گم تھی، زندگی کی ڈور الجھ گئی تھی اور سرانہ ملتا تھا!

اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ تھا، آخر کار اس نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی، ایک پیغمبر بھیجی، کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی دنیا کو کوئی بنا نہیں سکتا تھا، اس پیغمبر کا نام نامی محمد بن عبد اللہ ہے، اللہ کے لاکھوں سلام و درود ہوں ان پر

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا

کہ میرے نطق نے جو سے میری زبان کیلئے

اس زندگی کی ہر چیز سدا مت مگر بے جد و بے قرینہ، زندگی کا پہیہ ہومر رہا ہے، مگر خط رن پر، اصل خرابی یہ تھی کہ زندگی کی چول کھسک گئی تھی اور ساری خرابی اسی کی تھی۔ یہ چول کیا تھی؟ اپنے اور اس دنیا کے بنانے والے کا صحیح سم، اسی کی بندگی اور تابعداری کا فیصلہ، اس کے پیغمبروں کو، نہ ان کی ہدایت و تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنا اور دوسری زندگی کا یقین۔

امت کے لئے حضور ﷺ کی قربانیاں:

انہوں نے زندگی کی چول بٹھادی، مگر اپنی زندگی اور اپنے خاندان کی زندگی کو خطرے میں ڈال کر، اور اپنا سب کچھ قربان کر کے، انہوں نے اس مقصد کی خاطر بادشاہی کا تاج ٹھکرا دیا، دولت اور عیش کی بڑی سے بڑی پیش کش کو نا منظور کیا، محبوب وطن کو چھوڑا، ساری عمر بے آرام رہے، پیٹ پر پتھر باندھے، کبھی پیٹ بھر کر نہ کھایا، گھر والوں کو فقر و فاقہ میں شریک رکھا، دنیا کی ہر قربانی میں ہر خطرے میں پیش پیش، اور ہر فائدہ اور ہر لذت سے دور دور، لیکن دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ دنیا کو صحیح رخ پہ نہ ڈال دیا اور تاریخ کا دھڑانہ بدل دیا۔

حضور ﷺ کی محنت سے زمانہ میں ایک انقلاب برپا ہوا:

تیس برس میں دنیا کا رخ پٹ گیا، دنیا کا ضمیر جاگ گیا، نیکی کا رجحان پیدا ہو گیا۔ اچھے برے کی تمیز ہونے لگی، خدا کی بندگی کا راستہ کھل گیا، انسان کو انسان کے سامنے اور اپنے خادموں کے سامنے جھکنے میں شرم محسوس ہونے لگی، اونچ نیچ دور ہوئی۔ قومی و نسلی غورٹوں،

عورتوں کو حقوق ملے، کمزوروں و بے سوں کی امدادیں بندھی، غرض دیکھتے، کیلتے دنیا بدل گئی۔ جہاں پورے پورے ملک میں ایک خدا سے ڈرنے والے نظر نہ آتا، وہاں انھوں نے تعدد میں ایسے انسان پیدا ہو گئے، جو اندھیرے اجالے میں خدا سے ڈرنے والے تھے، جو یقیناً دولت سے مالا مال تھے، جو دشمن کے ساتھ انصاف کرتے تھے، جو حق کے معات میں اپنی اور دکن پر واہ نہ کرتے تھے، جو اپنے خلاف کوئی دینے کو تیار رہتے، جو دوسروں کے آرام کی خاطر مصیبت برداشت کرتے، جو کمزوروں کو طاقتور پر ترجیح دیتے، رات کے عبادت گزار، دن کے شہسوار، دوست، حکومت، طاقت، خواہشات، سب پر حاکم، سب پر غائب، صرف یہ اللہ کے محکوم، صرف ایک اللہ کے غلام، انہوں نے اس دنیا کو حکم، یقین، امن، تہذیب، روحانیت اور خدا کے ذکر سے بھر دیا۔

زمانے کی رات بدل گئی، انسان یہ بدل گیا، جہاں بدل گیا، زمین و آسمان بدل گئے، یہ سارا انقلاب اسی پیغمبر کی کوشش اور تعظیم کا نتیجہ ہے۔ آدم کی اولاد پر آدم کے کسی فرزند کا احسان نہیں، جیسا محمد رسول اللہ ﷺ کا دنیا کے انسانوں پر ہے۔ اگر اس دنیا سے وہ سب لے جایا جائے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کو عطا کیا ہے تو انسانی تہذیب ہزاروں برس پیچھے چلی جائے گی اور اس اپنی زندگی کی عزیز ترین چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا دن مبارک کیوں نہ ہو کہ اس دنیا کا سب سے مبارک انسان پیدا ہوا، جس نے اس دنیا کو نیا ایمان اور نئی زندگی عطا کی۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے

وہ سب چوہ نہیں کی لکائی ہوئی ہے

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

عید الفطر کا پیغام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی تدوی رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ کا ہر سال رمضان المبارک میں معمول رہا ہے کہ اپنے وطن رائے بریلی (ہندوستان) میں مقدس تکیہ پر رمضان گزارتے تھے جہاں ان کے معتقدین اور متعلقین پہنچتے اور عبادت حسب رضاء الہی کا، حول بنائے کا انتظام کیا جاتا دین میں ہی فیاضی موضوعات کی تعلیم دیا کرتے تھے اور نوافل میں مشغولیت کی ترغیب دی جائے زیر نظر تقریر حضرت ۱۵ خصوصاً خطبہ سے جو میر رمضان ۱۴۱۹ھ اور وحالی مرتکبہ شریعت محمدیہ کے رائے بریلی (ہندوستان) میں کیا گیا تھا جس میں تے والوں کے لئے ہدایات بھی ہیں اور مشورے بھی ہیں اور مستقل مقصد سے بے نظام عمل بھی ہے اور حقوق و جہات کی یاد دہانی بھی، جانے قیامت پیغام حق کی تجدید و ترمیم بھی ہے اور محسنین و اہل فضل کے ساتھ وفاداری کی وصیت بھی ہے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نتوكل عليه و نعوذ بالله من
شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا
هادي له و نشهد ان لا اله الا الله و نشهد ان سيدنا و نبينا و مولانا محمداً عبده
و رسوله صلى الله عليه و على آله و اصحابه و ذرياته و ازواجه و بارک وسلم
تسليماً كثيراً كثيراً. اما بعد.

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر و لتكملوا العدد قولتكم و
والله على ما هدكم و لعلكم تشكرون O و اذا سالك عبادي عني فاني
قريباً احيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبولي و ليوم موابي لعلهم يرشدون.

ترجمہ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے، اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا
اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو اس پر کہ تمہیں راہ بتا
دی جب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں
دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو وہ مجھ سے دعا

رتا ہے پس دُور کو چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں عجیب نہیں کہ ہدایت پا جائیں!

میرے بھائیو! دوستو، عزیزو اور بزرگو! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی سورۃ بقرہ کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے اور جن کی ابتداء ہوتی ہے۔
یا ایہا الدین آموا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعکم تتقون اور اسی میں یہ آیت بھی ہے۔

شهر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدی ولناس وبسات من الہدی والفرقان۔

اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، اس کا منشا اور ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ "ولا یزیدکم العسر" وہ تم کو مشکل میں نہ لائے نہیں چاہتا یہ ۳۰ تمہیں یہ ۲۹ اتیس دن کے روزے کوئی پہاڑ نہیں ہیں یہ مسلسل چلتے ہیں اور جلد ختم ہو جاتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولتکبروا اللہ علی ما ہدکم اورتا کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت دی اللہ نے ہدایت کی جو نعمت تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو ولعلکم تشکرون اورتا کہ تم شکر کرو!

عید کا ذکر:

حضرات!:- اللہ جل شانہ نے اس آیت مبارکہ میں عید سعید کا بھی ذکر کر دیا، عید کا نام تو نہیں آیا لیکن عید کا منشا، عید کا مقصد اور عید کا وظیفہ، عید میں کرنے کے کام یہ سب اس میں آ گئے کہ جب اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں روزہ کی توفیق دے کہ رمضان المبارک آنے اور خیریت کیساتھ، توفیق الہی کیساتھ دن کے روزوں کے ساتھ رات کی عبادتوں کے ساتھ گزر جائے۔ ولتکبروا اللہ علی ما ہدکم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی ایمان و اسلام کی دولت سے نوازا اور پھر توفیق دی اُمران میں سے ایک چیز بھی نہ ہوتی تو کہاں کا رمضان اور کہاں کا روزہ دنیا میں پچاسوں قومیں ہیں، سینکڑوں قومیں ہیں وہ اتنا جاننے ہیں کہ رمضان کا مہینہ مسلمانوں میں آتا ہے جیسے ہمارے یہاں مہینہ آتا ہے انہیں

پتہ بھی نہیں چلتا کہ رمضان آیا اور سب ختم ہو گئے ان کے مہینوں اور رمضان میں کیا فرق ہے۔ تو یہاں چیز تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی، ہم کو اسلام کی دولت سے نوازا جس نے ہمیں صحت دی، ایسی صحت جس سے روزہ رکھ سکیں اور اس سے بعد سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ توفیق دی سب کا انحصار توفیق پر ہے یہی ساری چیزیں جمع میں مگر توفیق نہیں تو کچھ بھی نہیں یعنی روزہ رکھنے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، عمر! تو اللہ کے فضل سے زندگی ہے، جوانی چاہئے، بلوغ چاہئے تو وہ بھی موجود ہے صحت چاہئے تو وہ بھی موجود ہے، اور روزے کے مسائل معلوم ہونے چاہئیں تو وہ بھی معلوم ہیں حکومت رومی، قانون روکتا یہ ڈاکٹر ہی نے کہا ہوتا کہ تمہارے لئے روزہ رکھنا مناسب ہے نقصان دہ ہے تو یہ بھی نہیں ہے پھر روزہ کیوں نہیں ہو رہا ہے، توفیق نہیں۔

توفیق کا مطلب:

توفیق وہ چیز ہے جس کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہو سکتا، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رحمت کا ارادہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا اس کے دل میں خیال اور جذبہ ڈال دینا کہ یہ کام کرنا ہے، تمہارے رکاوٹوں اور موانع کو ہٹا دینا ہے، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کام ہو، یہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے ان سب کے مجموعے کا نام توفیق ہے۔ اتنی لمبی جو ہم نے عبارت بیان کی ہے وہ عربی کے قرآن مجید کے ایک لفظ میں آ گیا ہے، اس کا نام ہے ”توفیق۔“

آپ دیکھیں گے، اپنے محلہ میں دیکھیں گے، کہ ماحول موجود، سارے اسباب موجود، شرائط موجود، فضا موجود، لیکن روزہ نہیں اس لئے کہ توفیق نہیں، اب اللہ نے تم کو ساری چیزیں، اور ساتھ میں توفیق بھی عطا فرمائی، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو ”وَلْتَكْبِرُوا لِلَّهِ عَلَى مَا هَدَاكُمْ“

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا:

چنانچہ مسنون بھی یہ ہے کہ عید آئے عید الفطر ہو تو آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا آئے، اور عید الاضحیٰ ہو تو ذرا بلند آواز سے ”اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد“ پکارتا ہوا آئے، اور مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے آئے، اور دوسرے راستہ سے

جائے، تاکہ ساری فضا اس سے معمور ہو جائے۔ اور وہاں کے رہنے والوں کے کانوں میں یہ فضا پڑ جائے، اور وہ زمین گوہی دے، اور جب تک عید کی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے یہ کہتا رہے "ولکبروا لله علی ما ہداکم ولعلکم تشکرون" تاکہ تم شکر کرو، کہ اللہ نے ہمیں توفیق دی، اللہ نے ہم سے روزے رکھو دیے، کوئی بیماری وغیرہ کے باعث چھوٹ کیا تو اس کے لئے بھی نیت چھٹی کی، اور دنیا میں جتنے بھی خوشی کے تہوار ہیں۔ سب میں خوشی ہوتی ہے، یعنی اس میں جو فرائض ہوتے ہیں، روزہ مردہ کا جو معمول ہے، وہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام تنہا مذہب ہے، کہ اس میں خوشی سے دن کا مہرہ بڑھایا جاتا ہے، کام ایسا بھاری نہیں ہوتا کہ آدمی کہے کہ کام نہیں ہوتا، نہیں بد کام ایسا مبارک ہوتا ہے، ترقی دینے والا ہوتا ہے اور معقول ہوتا ہے، اور انسانیت و شرافت کا ہوتا ہے، جو دو رکعتیں آپ نے پڑھیں وہ روزہ کی نہیں ہوتیں، ہاں کوئی اشتراق و چاشت پڑھے، جو فرض و واجب نہیں ہیں، لیکن عید کی نماز بڑھ دی گئی، ورتہوار آپ دیکھیں گے تو اس میں عبادات معاف ہو جاتے ہیں، کوئی پوج کرے یا نہ کرے چرچ جائے نہ جائے، کرمس ہے چھٹی کا دن ہے اور یہاں تو کام بڑھ دیا گیا کہ فجر کی نماز پھر ظہر کی نماز درمیان میں دو گانہ اور بڑھالیں۔ یہ ہے اسلام میں شکر کا طریقہ چھٹی نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس امت کو سبق یاد ہو گیا ہے۔ الحمد للہ ساری امتیں سبق بھدا بیٹھیں، بات یہ ہے کہ روئے زمین میں کوئی امت ایسی نہیں جس کو سبق سبق یاد ہوتا یہ امت ہے جس کو سبق یاد ہے، کچھ جیسا بھی ہو، تو جب اسکو سبق یاد ہوا چھٹی نہیں ملتی، سبق یاد کرنے والے لڑکے کو، مکتب میں پڑھنے والے کو چھٹی نہیں ہے، بلکہ اس کی ذمہ داریاں ہیں وراس کو اپنی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس سے اس میں اضافہ ہوگا کمی نہیں ہوگا۔

تو دو رکعت یہ، اور فطرہ الگ دینا پڑتا ہے، ہر وقت کی بات نہیں دوسرے ادیان کے تہواروں میں یہ نہیں بلکہ وہاں تو کھاؤ پیو، وہاں معاملہ یک طرفہ ہے اور یہاں مینے سے زیادہ دینا ہے، غریبوں کو فطرہ دو اللہ کی سامنے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھو، اور پھر تکبیر پڑھو ورنہ شکر ادا کرو "ولتکبروا لله علی ما ہداکم ولعلکم تشکرون"

دنیا حقیقی عید سے محروم ہے:

یہ ایسا تہوار ہے کہ امت کو اس میں چھٹی نہیں ملتی، اور اب ضرورت ہے کہ ہم مسلمان اپنے دین پر از سر نو قائم اور پختہ ہوں، اس دین کا ایسا مظاہرہ کریں اور دین کا ایسا نمونہ پیش کریں دنیا کے سامنے لائیں کہ دنیا کی بھی عید ہو جائے بہت دن سے دنیا کی عید نہیں ہوئی ہے، دنیا عید سے محروم ہے، دنیا حقیقی عید سے محروم ہے، یہ سب جعلی باتیں ہیں، کہاں کا کرشمہ، اور کہاں کی ہولی دیواں، لیکن دنیا کی حقیقی عید صدیوں سے نہیں ہوئی، اور پھر مسلمان مسلمان بن جائیں، دنیا کی عید ہو سکتی ہے، دنیا حقیقی عید کو ترس رہی ہے، نہ امن ہیں نہ خلاق ہیں، نہ انسانیت ہے، نہ شرافت ہے، نہ قدر شناسی ہے، نہ خدمت کا جذبہ ہے، نہ خدا کی یاد ہے، نہ خدا کی شناخت ہے اور نہ پہچان ہے، کچھ نہیں ہے، کہاں کا تہوار، سرے تہوار جو ہیں، یہ بچوں کے سے کھیل ہیں۔ جیسے بچوں کی کوئی ذمہ داری نہیں، کھیلیں، کودیں، کھائیں، پیئیں اور خوش و خرم رہیں۔ کچھ فکر نہیں، ایسی ہی دنیا کی قومیں بچوں کی طرح خوشیاں منا رہی ہیں، لیکن حقیقی خوشی نصیب نہیں، آج دنیا کو عالمی سطح پر ایک عید کی ضرورت ہے، وہ عید مسلمانوں کی کوشش سے ہی آ سکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان خود اپنی عید کا شکر صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پاتے اور اس کے معنی صحیح طور پر نہیں سمجھتے، آپ جہاں رہیں ثابت کریں کہ آپ کوئی اور قوم ہیں، افسوس کہ اس کو آنکھ ترس رہی ہے، سب ایک جیسے، وہ بھی رشوت لیتے ہیں، ہم بھی رشوت لیتے ہیں، وہ بھی سود کھاتے ہیں، ہم بھی سود کھاتے ہیں، وہ بھی پیسہ کچا رہی ہے، بھوکا اور شائق ہے، یہ بھی پیسہ کا بھوکا ہے، یہ بھی آرام طلب ہے، وہ بھی آرام طلب اس کو بھی کسی کی فکر نہیں کہ دنیا میں کیا گزر رہی ہے، محلہ پڑوس میں کیا گزر رہی ہے۔ یہ بھی ایسا ہی، مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”وَجْعَلْ لَّكُمْ فِرْقَانًا“ تم حقیقی مسلمان بنو گے اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں شران امتیازی عطا فرمائے گا، دور سے پہنچائے جاؤ گے۔

دیکھو مسلمان آ رہا ہے، یہ حالت تھی قرونِ اولیٰ میں، کہ ملک کے ملک مسلمان ہوئے، مسلمانوں کو دیکھ کر، سمجھانے بجھانے میں، دلیل لانے مطمئن کرنے میں تو برسوں لگ جاتے ہیں، تو کیا بات ہے، مصر پورا کا پورا مسلمان ہو گیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، طور و

طریق بدل گیا، اور اسی طرح کیا عراق پورا کا پورا مسلمان تھ، کیا شام پورا کا پورا مسلمان تھ سب دوسرے ادیان کے ماننے والے تھے، عیسائی تھے، یہودی تھے، اور بت پرست، زہانیں جدا گانہ تھیں، اور کلچر بھی الگ۔ تو ویسا کہ سانچے میں ڈھال دیا کہ ہوشیہ سے ڈھال ڈھالیا نکل ہو، ہندوستان میں یہ نہیں ہوا، جو لوگ آئے ان کے اندر یہ روح نہیں تھی، جو عربوں میں تھی کہ وہ جہاں جاتے تھے، پورا کا پورا ملک مسلمان بنا دیتے تھے، ساتھ کھانا، ساتھ پینا، اونچ نیچے سب ختم، سب انسان ہیں، کوئی فرق نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے۔

”اِن اِسا کُم وَاھدُوْا اِن رِکُم وَاھد کُلکُم مِں اِدم، وَا اِدم مِں تِرا ب لَہ

فصل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ“

تمہارے باپ بھی ایک تھے تمہارا رب بھی ایک، اب باپ بھی ایک، رب بھی ایک، ان۔ چنانچہ جہاں عرب گئے، وہاں دین بدل گیا، تہذیب بدل گئی، رسم احتضار بدل گیا، لباس بدل گیا، زبان بدل گئی لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے یہاں ہندوستان میں ۸ سو سال حکومت کی مگر کوئی فرق نہیں ہو، کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیونکہ ہم میں مساوات نہیں، ہم میں اخوت نہیں، یہاں حاکم و محکوم کا فرق، دروہاں حاکم و محکوم کا فرق نہیں رہا، اللہ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ ہم جہاں جائیں اسلام کا نمونہ پیش کریں، اچھے قواعد کا نمونہ پیش کریں، ہماری نگاہیں نیچی ہوں، نا محرم پر نظر نہ پڑے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”وَعَادَ الرَّحْمٰنُ الَّذِیْنَ یَمْسُوْنَ عَلٰی الْاَرْضِ هُوْنَ اِذَا خَاطَبَهُمُ

الْجَاحِلُوْنَ قَالُوْا، سَلَامًا“

ہم اس طرح چلیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم راستے کے کانٹے ہٹائیں، ہم پانی کو ضائع ہونے سے بچائیں، ہم ہمسایہ کی، شہر میں کسی بھی رہنے والے کو تکلیف نہ ہونے دیں، ہم ضرورت پر مدد کرنے کو تیار رہیں، لوگ دیکھیں کہ پیسہ روپیہ ان کے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہے، فیصلہ کن ارادہ الہی ہے، فیصلہ کن حکم الہی ہے، یہ بڑی سے بڑی رقم چھوڑ سکتے ہیں، اکھوں کی رقم پر استوار ہو سکتے ہیں، ٹھوکر مار سکتے ہیں۔ مگر اصول کی خلاف، شریعت کے خلاف نہیں جاسکتے، یہ نمونہ آج دکھانے کی ضرورت ہے، اللہ جل شانہ، ہمیں اپنی جگہ پر بھی مسلمان بنائے، اور دوسروں کے لئے بھی ایسا پرکشش، جاذب نظر، قابل احترام مسلمان بنائے کہ لوگوں کے دل

اسلام کی طرف کھینچیں اور بڑھیں۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذات ہمیں دین اسلام جیسی متاع بیش بہا کی قدردانی نصیب فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد لله رب العالمین۔

اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد
وعلى آله وصحبه اجمعين ومن دعا بدعوتهم الى يوم الدين

حضرات۔۔ یہ موقع بار بار نہیں آتا، میں آپ سے یاد ہوں۔ اللہ نے اہل جنت کی زبان سے کہوایا ہے۔ الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله، سب شکر اور سب احسان ہے اس پروردگار کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا، ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہماری دستگیری اور ہمنمائی نہ فرماتا، پھر اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے بڑے کام کی بات ادا کروا رہا ہے۔ کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اپنی ذہانت، اپنے علم، اپنی محنت اور سبھی شرافت سے، اپنی دوست اور بلندی کے ذریعہ یہاں تک پہنچے ہیں۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔ یہ سب فیض اور صدقہ ہے ان پیغمبروں کا جنہوں نے ہمیں یہ راستہ دکھایا اور پھر اللہ نے توفیق دی کہ ہم اس راستے پر پڑے۔

بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کے ہم پر آپ پر بہت سارے انعامات ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ جو انعامات اور احسانات کی جڑ ہے، وہ زندگی ہے کہ اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا، اُردوہ نہ بھیجتا اور ہم اس دنیا میں نہ آتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نہ ہدایت ہوتی نہ اللہ کے رسول کی اطاعت ہوتی، نہ مدرسے قائم ہوتے، نہ قرآن مجید حفظ کیا جاتا ہے نہ دین کی تعلیم حاصل کرتے، نہ اللہ کا قرب حاصل کرتے، نہ حج کرتے، نہ زکوٰۃ دیتے، دیکھئے جب آدمی کسی جگہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو خیال آتا ہے کہ یہ ہمارا کمال ہے اور یہ ہماری محنت، ہماری بصیرت ہے، ہماری ذہانت ہے، اور ہماری جفاکشی ہے، ہماری خوش قسمتی ہے، یہ سب خیالات آدمی کو آتے ہیں لیکن بوگ جنت میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد لله الذي هدانا، بہت شکر ہے اللہ کا، یہاں اپنی ذہانتوں، اپنی عبادتوں اور ریاضتوں اور اپنے مطالعے سے نہیں پہنچے اس لئے کہ دنیا کو ہم دیکھ رہے ہیں،

دنیا والوں کے پاس سب چیزیں موجود ہیں۔ روس اور امریکہ والوں کے پاس کہا کچھ نہیں ہے، علم نہیں ہے، ذہانت نہیں ہے، کمالات نہیں ہیں، ایجابات نہیں ہیں، تجربے نہیں ہیں، بڑے بڑے مہرین فن نہیں ہیں؟ لیکن ہدایت سب کو نصیب نہیں، ہدایت بھی ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جن کو کوئی ایسا ہدایت والہ مل جاتا ہے، اور اللہ ہی ان کو ہدایت دینا چاہتا ہے، تو یہ پورا جہد بالکل ایک معجزہ ہے جو اللہ نے کہلوا یا ہے، اللہ نے اس کو قرآن مجید میں اس لئے جہد دی ہے، جو بات اہل جنت، جنت میں پہنچ کر کہیں گے اللہ نے وہ بھی اپنے کلام میں داخل کر دیا۔ سے بھانے کے لئے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہم اسے سمجھیں، یہ سب اللہ کا احسان ہے، یہ دیکھئے کہ جس مدت میں آپ ہیں، سارا ہندوستان، جیسے، آپ کا ضلع غازی پور اور پھر پورا یوپی، پھر اور بڑھ کر ایشیا اور پھر بڑھ کر دنیا کتنے آدمی ہیں جن کو ہدایت ملی، کتنے آدمی ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں، کتنے آدمی ہیں جو خدا کو پہچانتے ہیں، اور اس کو پیدا کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اللہ الخلق والا رب العالمین سمجھتے ہیں، یہ ذہانت، علم اور مصلحہ کی کمی ہے، محنت کی کمی ہے، کس چیز کی کمی ہے، کمی ہے تو صرف توفیق الہی کی، پہلے تو آپ یہ شکر کریں کہ اللہ نے آپ کو زندگی عطا کی، انسانوں کا یہ جنگل ہے، یہ انسانوں کی آبادی ہے، جس میں ایسے ایسے پڑھے لکھے لوگ ہیں، بڑے بڑے اسکالر اور اسپیشلسٹ ہیں، بڑے بڑے ذہین ہیں، لیکن ہدایت سے محروم ہلکے بھی نصیب نہیں، دنیا کے پیدا کرنے والے کی پہچان و معرفت بھی نہیں کہ دنیا کو کس نے پیدا کیا، اور کون چاہ رہا ہے، سب کر رہے ہیں مگر یہی نہیں معلوم، اگر ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ ونکی جگہ ہے، یہ مدرسہ ہے یہ ایسے ہی کسی کا گھر ہے، ہم تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہیں ورنہ ہمیں ٹھہرا رہا ہے اور کون ہمیں آرام پہنچ رہا ہے اور کون ضرورت کی چیزیں مہیا کر رہا ہے، اور کون ہمارا استقبال کر رہا ہے، تو آپ کیا کہیں گے، سوچئے تو لوگ اس دنیا میں ساٹھ ساٹھ برس، ستر ستر برس گزار رہے ہیں، کتب خانے کے کتب خانے موجود ہیں، سائنس کی بڑی سے بڑی تجربے گاہیں موجود ہیں، لیکن کسی کو خبر نہیں کہ دنیا کو بنانے والا کون ہے، چلانے والا کون ہے، اور ہدایت کیا چیز ہے۔ کونسا عقیدہ صحیح ہے، کونسا غلط ہے، اس دنیا کا پیدا کرنے والا کون ہے، اس کی کیا صفات ہیں، اس کا ہم پر کیا حق ہے، یہی نہیں جانتے، ہم آپ کو مبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ نے آپ سب پر اتنا بڑا انعام

فرمایا کہ اس جنگل اور اس علاقہ میں اللہ نے اپنے نیک بندوں کو بھیجا، انہوں نے آپ کو دین کی دعوت دی اور رشتے قائم کئے، تھوڑا سا ہمارا بھی رشتہ ہے کہ آپ کے یہاں جو بزرگ آئے جن کا نام بار بار لیا گیا ہے، شیخ صلاح الدین صاحب کرامات پور سے آئے اور ٹرانک پور ہمارا وطن ہے، ہمارا جدی وطن ہے، قطب الدین چشتیہ جو مدینہ طیبہ سے آئے تھے، جو قطب مدنی کہلاتے ہیں، ہم سب لوگ ان کی اولاد میں ہیں، ہمارا یہ راکے بریلی، فتح پور، بنسوا، مانک پور، الہ آباد، پھر پاستانیوں میں بیسوں نہیں بلکہ سینکڑوں ہوں گے، ہمارے خاندان کے، یہ سب قطب الدین کی اولاد میں ہیں۔

کوئی اپنے کو قطبی، کوئی حسنی اور کوئی مدنی لکھتا ہے تو ہمارا آپ کا ایک رشتہ بھی نکلا۔ آپ کے بزرگ محسن اور مربی صدح الدین صدیقی صاحب کرامات پور سے آئے اور ہم لوگ پہلے ٹرانک پور ہی میں ہے، وہیں قطب الدین رحمہ اللہ غیبیہ کا مزار ہے، ان کی اولاد میں بڑے چوٹی کے عالم اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے مصلح پیدا ہوئے، جن میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ مشہور ہیں، جن کی وجہ سے ایک نیا دور شروع ہوا، اس سے اندازہ کیجئے کہ میں لکھتا ہوں لوگوں کی تعداد ہے جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور شرک و کفر سے توبہ کی اور چالیس ہزار ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے یہ معتبر اعداد و شمار ہیں جو کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ حد تو یہ تھی کہ جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اسی وقت اس کو شرک سے نفرت ہو جاتی، بدعت اور بد اخلاقیوں سے نفرت ہو جاتی تھی۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی تھی۔

یہ بات تو تسلسل سے سنی گئی ہے اور لکھی گئی ہے اور ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے اور بزرگوں سے سنا ہے اور جتنے محقق اور انصاف پسند لوگ ہیں سب اس کو مانتے ہیں، سب سے اہم چیز یہ ہے کہ آپ اس دولت کی حفاظت کریں، اس دولت ہدایت کی حفاظت کریں، الحمد للہ الذی ہدانا لهذا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور ہمیں ہدایت دی، آپ کا یہاں آنا مبارک، آپ کے مکانات مبارک، آپ کی کھیتیاں مبارک، اولاد بھی مبارک، بیٹے، پوتے، نواسے سب مبارک۔ اللہ ان کی زندگیوں میں برکت دے اور ان کو توفیق دے، لیکن سب سے جو بڑی نعمت آپ کے پاس ہے وہ کلمہ کی نعمت ہے۔ آپ اس کو

خوب اچھی طرح سے لکھ لیجئے کہ یہ سب چیزیں کام آنے والی نہیں تھیں اور یہ زندگی کتنی ہے۔ اسی نوے برس کی عمر ہوئی، اس کے بعد کچھ نہیں وہاں یہی کلمہ کام آئے گا۔ یہی نمازیں کام آئیں گی، نہ شہرت نہ عزت کام آئے گی، کوئی چیز کام نہیں آئے گی، اس وقت ہم جو کچھ آپ سے تھوڑے سے وقت میں بہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ اپنے ایمانوں کی خوب حفاظت کیجئے اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی حفاظت کیجئے اور اس کی فکر رکھئے، ہم نے کئی بار اپنی تقریروں میں کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خود پیغمبر، باپ پیغمبر، دادا پیغمبر اور ان کے والد پیغمبر کی چوتھی پشت تھی، جیسے ہی انہوں نے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا ان کے کان میں جو آواز پہنچی وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کا رخانے کو چلانے والا نہیں، کوئی روزی دینے والا نہیں اور کوئی جدانے اور مارنے والا نہیں۔ بچپن سے دین گھٹی میں پڑا تھا، لیکن یعقوب علیہ السلام کی نبوت کی شان تھی اور دین سے محبت تھی اور اولاد سے بھی محبت کا تقاضا تھا، انہوں نے کہا جب وہ سمجھ گئے کہ اب زیادہ رہنا نہیں باکل آخری وقت ہے، سب بچوں کو جمع کیا، بیٹے بھی ہوں گے، پوتے بھی ہوں گے، نواسے بھی ہوں گے، انہوں نے اچھی عمر پائی۔ انہوں نے کہا ”ما تعدون من بعدی“ بیٹو، پوتو، نواسو، یہ بتا دو کہ میرے بعد تم عبادت کس کی کرو گے؟ اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت یہ بات پوچھنے کی ہے، یہ کس کے بیٹے ہیں، کس کے پوتے ہیں، کس کے پر پوتے، کس کی اولاد ہیں، آپ کے گھر میں سوائے اللہ کی عبادت کے دیکھا کیا، کیا بت بھی گھسنے بھی پائے تھے، اس کو ٹھوکر مار کر ایک گندگی کی طرح نکال دیتے، اللہ کے علاوہ کسی کا نام بیتے تو طمانچہ مارتے اور اس کو گھر سے نکال دیتے، تم ہمارے گھر میں اللہ کے علاوہ غیر اللہ کا نام بیتے ہو! اس گھر میں دیکھو کیا ہے، سنایا ہے، اس گھر میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت کیا، جب محبت ہوتی ہے تو فکر ہوتی ہے

عشق است و ہزار بدگمانی

عشق ہے اور ہزار بدگمانی، تو اب ہم مسلمانوں کو دین سے وہ محبت نہیں رہی، سب پیچھے کریں گے اپنی اولاد کے سنے، کہاں سے ہائیں گے، کیا ان کو پڑھنا چاہئے، اور ذرا سا پیار ہو تو حیم، ڈاکٹر اور سب کچھ مانیں گے، لیکن اس فکر نہیں کہ اس کا ایمان باقی رہے گا یا نہیں، ہمارے بعد اس راستے پر رہیں گے یا کسی اور راستے پر چلے جائیں گے، اب مسلمانوں کو اس کی

قبر بہت کم ہوئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آئندہ نسل کی کوئی ضمانت نہیں، اطمینان نہیں کہ یہ بھی تو حید کی قتل ہوگی، خدا کے عدوہ کسی کو خالق، رازق نہیں سمجھے گی، ہماری اولیٰ اسی سے مانگے گی، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلے گی، اسی سے ڈرے گی، پھر دین اسلام پر فخر کرے گی، اور سب کچھ دینے کے لئے تیار ہو جائیگی، جا نید ا تک، لیکن دین و ایمان کا سہا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، سرکاٹ دیا جائے گا مگر اللہ کے سوا کسی کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہ ہوگی۔ اس وقت ہندوستان میں خطہ پیدا ہو گیا ہے کہ "ما بعدون من بعدی" کوئی کہنے والا نہیں رہ گیا ہے، اپنی اول سے پوچھے کہ ہمارے بعد تم کس راستہ پر چلو گے، اس دین میں رہو گے، یہ سب ضروری ہے، یہ تو زندگی میں کرنے کا کام ہے، ایسا نہ مہنا کر جائیں کہ آپ کی اول اس دین پر قائم رہے، صرف قائم ہی نہ رہے، بلکہ دین کی غیرت اور دین کا جوش ہو اس کے اندر، اور اس کو دین پر فخر ہو، خدا کا شکر ہے کہ دیکھ کر اطمینان ہو کہ انشاء اللہ یہاں سے یہی چیز پھیلیں اور پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، اب کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا۔ بہت دیر سے پروگرام چل رہا ہے، اپنے عقیدے کی حفاظت کریں، اور اپنی آئندہ نسل کے متعلق اطمینان حاصل کر لیں، اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو موقع دیا، ہر ایک کو یہ موقع نہیں ملتا، معلوم نہیں آپ کہاں ہوں، آپ کی ورد کہاں ہو، یہیں رہ رہے اور ابھی سے اس کا اطمینان کریں۔ اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ سن کر ہمیں غیرت دینی اور احساس دایا کر دیا، یہ ہوتی ہے محبت دین کے ساتھ، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا دیکھو بیٹو، پوتو، نواسو، میری پینٹھ قبر سے لگے گی نہیں، جب تک میں یہ نہ سنوں، اور یہ سن کر نہ جاؤں کہ تم لوگ صحیح دین، اللہ کے دین اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہو گے، یہ تہود، پھر ہم قبر میں چین سے سوئیں گے۔

ان سب نے کہا بعد الہک والہ آباءک ابراہیم واسحق الہا واحدا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی، آپ کے باپ کی اور چچا اور دادا کے معبود کی، تب ان کو اطمینان ہوا۔

بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اپنے دین و قوم رکھنے کی کوشش کریں، اس پر ذرا آٹچ نہ آنے پائے، اپنے عقیدہ تو حید پر، عقیدہ آخرت پر دھبہ نہ آنے پائے، پھر اچھے اخلاق پر، جو غیر

مسلموں کے لئے باعث کشش ہو ورنہ اسلام کے مطمحذ کے لئے آمادہ ہوں کہ یہ وسوسہ بن جائے، بن و ہجہ سے ان لوگوں میں یہ بات ہے، آپ کی نگاہیں نیچی ہوں، آپ کے اخلاق درست ہوں، آپ کے اندر انسانی ہمدردی ہو، آپ کے اندر اس فساد سے نفرت ہو جو اس وقت ہندوستان میں چھید ہوا ہے، کیا ہو رہا ہے۔ روپیہ پوچھا جا رہا ہے، دہنیں ماری اور جلائی جا رہی ہیں، کم جہیز لے کر آئی، ابھی ایک مسلمان نے اپنی بہو کو جلا دیا کہ وہ ہم جہیز لے کر آئی تھی۔ حالانکہ خبر میں لکھا ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ جہیز دیا جاسکتا تھا، لے کر آئی تھی۔

ان چیزوں سے آپ کو نفرت ہو، آپ کا نمونہ ہندو بھائی کے سامنے ایسا آئے کہ وہ ہیں کہ تم نے یہ بہن سے سیکھا، تم کو یہ کس نے بتایا، مجھے بھی بتاؤ، تمہاری نگاہیں نیچی رہتی ہیں تم میں خدا کا رعبہ، تمہارے اخلاق درست ہیں، تم کسی اور کے پیچاری نہیں ہو، تم اللہ سے پیچاری ہو، اگر آپ یہ کریں تو سب سے پہلے گا اور آپ کے دائرہ سے نکل کر دوسرے لوگوں کے دائرہ تک پہنچے، اور اس دائرہ میں پہنچنے سے آپ کے دائرہ کی بھی حفاظت ہوگی، اور آپ کی اولاد کے متعلق حتمی ہوگا، ان کے چاروں طرف سے دین کا احاطہ اور دین کی قدر ہے۔ سب مسلمان نہ ہوں، لیکن سب اسلام کا احاطہ کریں اور دین کی قدر کریں، اللہ ہم سب کو توفیق دے۔

وما علیہ الا البلاغ المبین

افغانی قوم کے انقلاب اور ان کی قوت کا سرچشمہ

یٹھریکابل یونیورسٹی کے سال میں ساتدہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد سعودی سفیر کی موجودگی میں گئی ہال حاضرین سے بھر ہوا تھا

محترم سفیر صاحب سعودی عرب واس چائسلر برابان شعبہ جات اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ! اس وقت میرا دل مسرت کے جذبات سے بھر رہا ہے کہ ان روشن اور تابناک چہروں اور معزز و محترم حضرات کے سامنے کھڑے ہونے کا زریں موقع نصیب ہوا اعراسہ سے میرے دل میں یہ تمنا کرو میں نے رہی تھی کہ اس عزیز و محبوب ملک و قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل کروں جسے بارے میں میں نے بہت چاہا تھا بہت چھ پرہ چکا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں جیسا کہ بعض مواقع پر کہا بھی کہ اس کی تاریخ میں اس کے غزوات اور اس کی فتوحات کی داستانوں میں میں نے زندگی گزاری ہے اس کی جینیس اور عبقری شخصیتوں فتح و ظفر سے بہرہ مند سورماؤں و مرغیہ معمولی افراد کے حالات و تراجم میں اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے جنہوں نے علم اور اسد مائے نور سے نرہ بھلک پہاڑوں کے اس پار ہندوستان اور اس کے پڑوسی ملکوں کو منور کیا اس لئے سعادت و مسرت کا احساس نہ غیر فطری ہے نہ اس میں کوئی تعجب کی بات ہے یہ ایک مسلمان کے ان جذبات ہیں جو ان پہاڑوں کے دامن میں بسنے والے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کے وقت ابل رہے ہیں چل رہے ہیں وہ کونہ مسرت اس پر ہے کہ آپ حضرات نے اس مجلس میں شہرت اور خطاب کا موقع عنایت فرمایا میں اپنے دورہ افغانستان اس ملاقات اور اس مجلس میں شہرت کا موقع دینے پر صمیم قلب سے آپ حضرات کا شکر گزار ہوں۔

محترم حاضرین۔ آپ حضرات اور خاص طور سے ادب اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ افغانی قوم ان قدیم اقوام میں سے ہے جو سیکڑوں اور ہزاروں

ہاں سے آزادی و عزت و بہ بندن زندگی گذر رہی ہے نہ تعالیٰ نے قدم زمانہ کی سے
 سے غیر معمولی انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے، دوستوں! یہ اوقات تاریخی رہا ہے اور
 میں اس کے اظہار میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا کہ تاریخ سے مطابقت تحقیق میں میری عمر گذری
 ہے یہی میرا محبوب ترین موضوع رہا ہے میں اپنے تاریخی ذوق سے مجبور رہا آپ حضرات کے
 سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ یہ وجہ سے کہ صدیوں تک افغانی قوم نے باہر سے باہر
 تھک رہی دنیا میں گزرنے والے خیر و شر نیک و بد فتح و شکست اور غم و شہادت سے اس کو بولی تعلق
 نہیں تھا اس جسد و غیور قیادت کی مستحق زندگی سے بھرپور راستہ راہ کی طاقت اور جذبہ کی
 فراوانی سے بہرہ ور باصلاحیت اور باعزت قوم کے طویل عرصہ تک انیا سے ناروا شہر رہنے
 اپنے خوں میں بند رہے اور ایک گوشہ میں محصور رہے کارا نہ کیا ہے؟ کیا اس عزت اور گوشہ نشینی
 کی وجہ یہ تھی کہ افغانستان اور دنیا کے امور کے ممالک کے درمیان بند اور دشوار گزار پہاڑوں
 کے ناقابل عبور دیوار حائل تھی؟ نہیں میرے دوستوں! تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ آسمان سے
 ہاتھیں کرتے ہوئے برف پوش اور دشوار گزار پہاڑ بھی غازیوں اور دواغزوں کی تحین کی رہے
 رکاوٹ نہیں بن سکے، آپ حضرات وقف میں کہ یہ ناقابل عبور ورتیج دریچہ راستہ جن میں
 انسان کی عقل جواب دہ جاتی ہے جو افغانستان کو ہندوستان اور پاکستان سے یک کرتے ہیں
 جب اللہ نے اس امت میں سلطان محمود غزنوی شہاب الدین محمد غوری اور احمد شاہ ابدان جیسے
 صاحب عزم و ہمت پیدا کئے تو یہ اونچی و پٹی پوٹیوں یہ خطرناک گھاٹیاں اور یہ دشوار راستے
 اسلام کے سیل رواں کے سامنے حقیقت کے ثابت ہوئے پھر کیا یہ قوم قید و بند کی زندگی گذر رہی
 تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں بار بار یہ قوم اپنی شجاعت کے
 جو بہ اٹھ چکی تھی، اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکی تھی لیکن اس کے باوجود سر ہندو شاہ چرگا
 ہوں موشیوں اور زرخیز کھیتیوں جیسے محمد و سائل زندگی پر قانع کیوں تھی؟ اس کا جواب آپ
 کے ذمہ ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب اسلام اس علاقہ میں آیا تو
 اچانک یہ قوم ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ہو گئی اور اتنی لمبی چھلانگ لگائی جیسی کہ کسی قوموں
 میں مشاں نہیں ملتی اسلام کے زیر سایہ آتے ہی یہ لوگ سب سے زیادہ طاقتور سب سے زیادہ

بہادر سب سے زیادہ بلند ہمت دور میں اور فواد دی عزائم کے ، لک نظر آنے لگے ، یہ قوم بزم کائنات میں شامل ہوئی تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی مدفون خزانہ یا کوئی سرایت راز تھا جو اچانک منکشف ہو گیا ، یہاں کے جسموں سے بجلی کا کرنٹ پھوٹا تھا یہ کوئی جادو کی چھتری تھی جس نے آن دن آن میں اس قناعت شعور ٹھہری ہوئی پرسکون اور عزالت نریں قوم کو غیور و سوار ظفر مند اور رواں دواں قوم میں بدل دیا کیا اس طوفانی ندی کے دہانے پر کوئی بڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی جو اس کے زور اور روانی کو روکے ہوئے تھی ؟

افغانیوں کی زندگی کے انقلاب کا حقیقی سبب اور اسکی شاہ کلید یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان واسطہ میں برکت سے تین بنیادی اور اہم جوہروں سے نوازا۔

۱۔ طاقتور پیغام اور اس کے اعراض و مقاصد۔

۲۔ نوع انسان خارجی دنیا اور حقائق اشیاء کے بارہ میں وسیع نقطہ نظر۔

۳۔ اللہ کی مدد و تائید پر کامل اعتماد اور جدوجہد کے نتائج پر یقین۔ یہ وہ تین عناصر ہیں جن سے قوم کے کردار کی جدید تشکیل ہوتی ہے اس کو نئی زندگی ہتی ہے اور وہ نئی تاریخ بناتی ہے اور اپنی مخفی طاقتوں اور نامعلوم وسعتوں سے دنیا کو حیران و ششدر کر دیتی ہے۔

پہلے اس قوم کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں تھا ایک چھوٹے سے علاقہ تک محدود تھی اپنے جانوروں اور موسی شیوں میں مگن رہتی تھی اکثر آپس ہی میں برسر پیکار رہتی تھی اور جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا ہے۔ ع

واحیانا علی بکرا خیا

اذا مالہم بخدا الا اخانا۔

(اور جب جنگجو فطرت کو جو ہر دکھنے کیلئے کوئی دشمن نہیں ملتا تو ہم اپنے بھائی بندوں ہی

کو مارتے ہیں)

اور جنگوں اور آویزشوں کا انجام اخذاتی اور روحانی بے مانگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں عرب خانہ جنگی میں مصروف رہتے تھے ایک قبیہ دوسرے قبیہ کو تاخت و تاراج کرتا ایک شاخ دوسری شاخ پر دھاوا بوقت اور ایک خاندان دوسرے خاندان کی تاک میں رہتا اسی طرح افغانیوں کے سامنے بھی اپنی خون آشام فطرت کی تسکین اپنی جنگ کی پیاس

بجھنے اور خطر پسند طبیعت کو مطمئن کرنے کے لئے خانہ جنگیوں چراگاہوں اور جانوروں کے
کے ٹرائیوں قبائلی یا انفرادی غیرت و نخوت کے اظہار یا نہ مہذبہ اور خبیث اہانتوں کا بدلہ لینے کے
لئے برسرِ پیکار ہونے کے علاوہ اور کوئی میدان نہیں ملتا تھا ایک عرب شاعر نے حقیقت کی صحیح
ترجمہ کی ہے۔

البار تاكل نفسها

ان لم تجد ماتاً كله

(آگ بجھانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تو خود اپنے آپ کو جلا دیتی ہے)

لیکن جب اسدم آیا تو عربوں کے سامنے ایک بلند مقصد اور انسانیت کے لئے ایک
حقوق پر پیغام آ گیا یہی حال افغانیوں کا ہوا اسدم سے پہلے یہ صرف اپنے لئے زندگی گزار رہے
تھے اور اب اللہ کا یہ فرمان ان کے کانوں کی راہ سے دل میں اتر رہا تھا۔

کتتم خیرامة اخرجت للباس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر

و تؤمنون باللہ (آل عمران . ۱۱۰)

تم بہترین امت ہو انہوں نے کئے خاص طور پر بنائے گئے ہو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو
برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات جائز ہو گئی کہ وہ باغیوں اور کھیتوں میں آپ سے
آپ اک جانے والے خود رو گھاس پھوس نہیں ہیں بلکہ بچے خود مقصود و مطلوب ہیں ان کے
ساتھ بلند مقصد ہیں ان کی ذمہ داریاں ہیں جدوجہد اور کارکردگی کے نشانی متعین ہیں ان
کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ وہ ایسی امت ہیں جو انہوں نے کئے خاص طور سے بنائی گئی
ہی جو وہ راہ اور خونخواری کے جذبہ کو تسکین دینے کے لئے آپ سے آپ نہیں پیدا ہوئی ہے تو
ان کی زندگی ان کے خیالات اور رجحانات میں زبردست نقاب کشائی اب وہ اپنا مقصود وجود
اور اپنی زندگی کی غرض و غایت یہ سمجھنے لگے کہ دنیا کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے کے لئے جدوجہد
کریں اور اس راہ میں قربانیاں دیں یہاں تک کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص
ہو جائے اور انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر جہنم میں لائیں بندوں کی غلامی سے نجات
دلائیں اور خدائے واحد کے آستانہ عالی پر پہنچائیں دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی

وسعت سے روشناس کرائیں اور دوسرے مذاہب کی زیادتوں سے آزاد کرا کے اسلامی عدل و مساوات کے زیر سایہ لائیں۔

حضرات! اس قوم کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا اسدم آیا تو ایک بلند پیغام اور زندگی کا بلند مقصد اس کے سامنے آ گیا اس نے اسدم کے ابدی پیغام کو اپنے سینے سے لگایا اور اسی سے ان میں نئی روح پھونک دی و بدترین جہالت اور گھنگھوڑا تاریکی زندگی گزار رہی تھی خرافات اور حماقتوں میں بھٹک رہی تھی ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتا تھا قتل و کمزور کو نکل جانے کی کوشش کرتا تھا حقوق پامال ہو رہے تھے عزتیں مٹ رہی تھیں اور ہر طرح کے جذبات و خواہشات پوری کی جا رہی تھیں کہ اچانک ان کے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی ان کے افکار و خیالات احساسات اور اعصاب پر چھا گئی اور اب وہ نئی قوم تھے نئے انسان تھے ان کی زمین وہی تھی آب ہوا وہی تھی دست و بازو وہی تھے لیکن اس جدید پیغام نے انہیں جدید امت بنا دیا۔ دوسرا عنصر یہ ہے کہ افغانی بہت تنگ اور محدود زندگی گزار رہے تھے کائنات اور انسان کے بارے میں ان کا نقطہ نظر بہت محدود تھا انسان کون ہے؟ افغانی انسان ہیں جو اس علاقہ میں رہتے ہیں! یہاں کی زبان بولتے ہیں اس ملک کا لباس پہنتے ہیں اس کی محبت کے گیت گاتے ہیں اسی تنگ نقطہ نظر نے انہیں اس تنگ دائرہ میں محدود کر رکھا تھا۔

اسی طرح زندگی کیا ہے؟ کھانا پینا، پیش آرام قوت و شوکت حکومت و ریاست وہ اسی طرح زندگی گزارتے تھے جیسے مچھلیاں یا مینڈک تالابوں میں جیتے ہیں اسدم سے پہلے عرب ترک اور ایرانی سب کا یہی حال تھا اسدام ہی نے ان سب کو اس تنگ و تاریک قید خانہ سے نکالا جیسا کہ ایک عرب قاصد نے شاہ ایران سے کہا تھا۔

لنخرج من شاء الله من صق الديبہ الى سعته الدنيا والاخرہ۔

جس کو اللہ توفیق دے اسے ہم دنیا کی کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت میں پہنچا دیں۔

حضرات آپ کے آباء و اجداد انسان کے بارے میں بہت تنگ نقطہ نظر رکھتے تھے اس میں اعلیٰ ظرفی نہیں تھی بند نگاہی نہیں تھی اس میں گہرائی نہیں تھی اسدم نے ان کو وسیع نقطہ نظر عطا کیا تو ان کی نگاہوں میں تمام انسان ایک خاندان اور پوری دنیا ایک گھر ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ

کایہ فرمان ان کا عقیدہ بن گیا:-

کلکم من آدم و آدم من نراب لا فصل لعربی علی عحمی ولا عحمی علی عربی الا بالتقویٰ.

تم میں کا ہر ایک آدمی اور آدمی سے بنے ہیں تو کسی عربی کو کسی عجمی کی فضیلت ہے نہ نجی کو کسی عربی پر مطلقاً کے اعتبار سے۔

پھر ان کا نقطہ نظر اتنا وسیع ہو گیا کہ وہ نہ جغرافیائی حدود کو تسلیم کرتے تھے نہ خود ساختہ اور ب دلیل تقسیمت و مسلمانان حدود سے نکل کر وسیع کائنات میں آگے ورائے وسیع نقطہ نظر نہ ہوتا تو وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح صدیوں تاریکیوں میں ٹھکتے رہتے۔

تیسرا عنصر ہے مضبوط و مستحکم اعتماد جب وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے اس کے رسول اور آخرت پر ایمان لے آئے قضا و قدر پر ایمان لے آئے اور یہ سمجھ گئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے نہ ایک لحظہ پہلے آ سکتی ہے نہ موخر ہو سکتی ہے اور انہوں نے اللہ کا فرمان سنا اور اس کو دل میں بسالیا کہ:-

ایما تکو مو ایدر ککم الموت ولو کتم فی روح مشیدہ (النساء ۸۰)۔
تم چاہتے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آوے گی اگرچہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو۔

اراجاء احلہم فلا یستاحرون ساعة
جب ان کا وہ متعین وقت آ پہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک سرعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں
ولا یستقدعون (یونس ۴۰)
اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

اس ایمان نے ان کو خود شناسی اور خود اعتمادی عطا کی وہ یہ سمجھ گئے کہ انسان کی موت اسی وقت آ سکتی ہے جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے تو انہوں نے اس کا بھی یقین کر لیا کہ دنیا میں ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے اور ہر چیز اللہ ہی کے دست قدرت و اختیار میں ہے۔

انہوں نے مزید خود اعتمادی اس آسمانی پیغام سے حاصل کی کہ ان کی حیثیت خدا کی فون کی ہے اور وہ اللہ اور اس کے دین کے معین و مددگار ہیں انہوں نے اللہ کا یہ فرمان سنا۔

انہم لہم المنصورون وان جندنا لہم الغالبون (الصفۃ ۱۷۲ ۱۷۳)
 بے شک وہی غالب کئے جاویں گے اور (ہمارے قوت مند عام ہے کہ) ہمارا ہی شکر غالب
 رہتا ہے۔

الا ان حزب اللہ ہم المفلحون (المجاولہ ۲۲)
 خوب من لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

اما لسر رسنا والدين اموا فی الحیاۃ الدنیا و یوم یقوم الا شہاد
 ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس
 روز میں بھی گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ اعلانائے بھتے تھے) کھڑے ہوں گے۔

وللہ العزۃ ولرسولہ الموء منین (المساقون ۸)
 (بلکہ) اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول ﷺ کی (بواسطہ تحقق مع اللہ کے)
 اور مسلمانوں کی بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے)

ولا تہوا ولا تحزنوا واتم الاعلون ان کتم موء میں
 اور تم بہت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے اور
 ان طرح کی دوسری آیتیں ان کے کانوں میں پڑیں تو اس سے ان کے یقین و اعتقاد میں مزید
 قوت و استحکام پیدا ہو گیا۔

اس موقع پر میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سلامی شکر کے ساتھ
 موجیں مارتے ہوئے دجلہ کے سامنے پہنچے تو ایک لمحہ سے بے رون و بدامان اور طوفان
 درآغوش دریا کا بجڑا اُڑدیش پر نظر ڈالی پھر حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور
 ان سے مشورہ کیا کہ پھرے ہو۔ دریا میں گھس پڑیں یا وہیں اور اسے عبور کرنے کے لئے پل
 کا قیام کریں؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے اس وقت جواب فانی جملہ کہا تارخ نے اسے محفوظ کر لیا
 ہے، انہوں نے کہا:-

یہ دین تازہ اور نیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ اس دین کو ضرور غالب کرے گا اور
 ابھی اس حد تک نہیں پہنچا ہے جہاں تک پہنچنا اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے پھر میں کیسے یہ سمجھ
 ہوں کہ اس پیغام کے حامل غرق ہو جائیں گے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ جملہ اپنے اندر بڑے

ہر سے معافی و حقائق رکھتا ہے کہ جب یہ ایٹم بالکل نیا اور تازہ ہے تو یہ ضروری ہے کہ دین کی تعمیر کا کُنات کی قیادت اور انسائیت کی ہدایت و رہنمائی میں اپنا کردار ادا کرے چنانچہ امیر شہر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں اور دریا پار کر جائیں مورخ طبری کی روایت ہے کہ ایرانیوں نے ان کو دیکھا تو چیخ پڑے دیواں آمدند دیواں آمدند کہ یہ انسان نہیں جن اور بھوت ہیں یہ اعتماد اور یقین تھے جو ان کے دلوں میں رچ بسا تھا۔ اور ان میں نئی روح ڈال دی تھی۔

افغانی نو جوانو وردوستو! آؤ اور اپنی تاریخ پر نظر ڈالو سلطان محمود غزنویؒ کی طرح اسق و عریض ملک کو فتح کرتا چلا گیا، تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے ہندوستان پر سترہ حصے سے اور اندرون ملک ہتھ چلا یہاں تک کہ مشرق اور جنوب کی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا حالانکہ اس کے پاس نہ رسد کا انتظام تھا نہ کمک کا امکان اس کا مرکز بہت دور تھا درمیان میں سر بفلک پہاڑ و شوار گزار راستے اور تنگ گھاٹیاں حائل تھیں وجہ یہ ہے کہ ان جنگلوں اور جموں کی اس کے نزاع ایک اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت ایک ماہ اور مضبوط کھلاڑی مٹیچ یا ٹھیلے میدان کودیتا ہے وہ اللہ پر کامل اعتماد رکھتا تھا پھر یہ سمجھتا تھا کہ جہاں عبادت ہے اور اس راہ میں موت شہادت اور شہداء مرتے نہیں بلکہ انہیں حیات جاودانی حاصل ہو جاتی ہے اور ان کے رب کی جانب سے ان کو روزی ملتی رہتی ہے وہ اس پر سچا و پر پختہ ایمان رکھتا تھا کہ وہ اللہ کے پیغام کا حامل اور امین ہے اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔

حضرات جن عناصر کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ افراد ہی کی تعمیر میں نہیں بلکہ قوموں کی تشکیلات میں بھی زبردست رول ادا کرتے ہیں شخصیت کی تعمیر کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور نفسیات اور تعلیم و تربیت کے ماہرین نے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے لیکن میں اس وقت قوموں کے کردار سے متعلق گفتگو کر رہا ہوں انہیں عناصر نے افغانی قوم کو بند باندھا، حیثیت دی جس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جسے شکست نہیں دی جا سکتی اور جب قومیں شخصیت کی تعمیر کرنے والے ان عناصر سے محروم اور ان قوتوں سے خالی ہو جاتی ہیں تو سبجی مشکلات و ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر افغانی اپنی ان طاقتور اور قدیم خصوصیات سے محروم نہ ہو جائے اور خدا نخواستہ وہ دور پھر واپس نہ آجائے جب وہ اسلام سے نا

آشنا اور اسد می دعوت سے بے بہرہ تھی میں نوجوانوں سے خاص طور سے بہن چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کے دلوں میں ان عناصری جوت جگادووران کو پروان چڑھوان کی حفاظت مروضہ نفع نہ ہونے دو کیوں کہ قدیم ترین زمانہ سے قوم وہی ہے پہڑیاں اور گھٹیاں وہی ہیں آسمان وہی دریائے کابل ہزاروں سال سے اپنی گذرگاہ پر بہہ رہا ہے یہاں کی سر زمین جسے اللہ نے بے بہا نعمتوں سے نوازا ہے وہ بھی وہی ہے خوش ذہن چھل لذیذ میوہ بات شیریانی یہ ساری نعمتیں اور نوازشیں ہزاروں سال سے بدستور ہیں لیکن اسل مسہ قوم کی تعمیر کے منصہ کا ہے پیغام مقصد زندگی خود اعتمادی اور کارگزاری کے نشاندہ کاتے تاکہ زندگی کا مقصد متعین ہو صد صیغوں کے ظہور کے لئے میدان میسر آ سکے حسن و خوبی کا کوئی قابل تقلید نمونہ مل جائے علامہ اقبال نے اس حقیقت کو پایا تھا اور خدا کے حضور میں مسلمانوں کی بے بسی جمود مصیبت اور بدحالی کی شکایت کی تھی تو جواب ملا کہ یہ لوگ بغیر کسی مقصد اور پیغام کے زندگی گزار رہے ہیں ان کے سامنے کوئی اسوہ کوئی نمونہ کامل اور کوئی محبوب نہیں جس کے عشق سے اپنے دلوں کو آباد کریں جس کے حسن و خوبی کے گیت کانیں جس کے متش قدم کو اپنا نشان راہ بنائیں۔

شے پیش خدا بگر یستم زار

مسما ناں چرازر ندو خو رند

آمدنی دانی کہ ایں قوم

ولے دار ندو محبوبے ندار ند

افغانی نوجوانو! خدا نے تمہارے اوپر بڑا فضل فرمایا تمہارے لئے کسی چیز کی کمی نہیں اور

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان الله لا يعير ما بقوم حتى يعيروا ما باهم (الزمر: ۱۱)

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تا آنکہ وہ خود اپنے آپ کو بدن ڈالیں۔

اللہ اس سے بہت بلند ہمدہ کسی قوم کو عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لے سوائے اس کے

کہ قوم ناشکری کی مرتب ہو۔

الم تر الى الدين بدلوا بعمته الله كفرا واحلوا قومهم دارالوار

(ابراہیم ۲۸)

تو نے نہ دیکھا؟ جہوں نے مدد کیا اللہ کے احسان کا ناشکر رہی وراتار اپنی قوم و تہذیب کے گھر میں۔

یہ تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اصل مسئلہ خود شناسی کا ہے
 نئی قدر و قیمت پہنچانے کا ہے! آپ اپنی قدر و قیمت پہچان لیجئے مدد ما قبل کہتے ہیں۔
 اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراخ زندگی
 تو اگر میرا نہیں بتاتا نہ بن اپنا تو بن۔

قوموں کی زندگی شخصیت اور پیغام کی رہین منت ہے

(یہ وہ تقریر ہے جو سعودی سفارتخانہ کے استقبالِ جلد منعقدہ ہول کاہل (افغانستان)
۹۔ جون ۱۹۷۳ء کی سب میں کی گئی تھی)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد فاعوذ بالله

من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم .

معزز حضرات آج کے اس اجتماع اور اس قیمتی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں سب سے پہلے میں رابطہء عالم اسلامی کی جانب سے اور اس عزیز و محبوب ملک کا دورہ کرنے والے رابطہ کے وفد کی جانب سے اس پاکیزہ بہترین اور منتخب ترین مجمع کو خوش آمدید کہتا ہوں اور یہاں کی حکومت اور عوام کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمارا پر خلوص اور شاندار استقبال کیا اور ہمارے ساتھ اعزاز و اکرام اور خوش اخلاق سے پیش آئے اور اس میں کوئی ندرت یا حیرت و استعجاب کی بات بھی نہیں کیوں کہ شرافت اور حسن اخلاق ان کا پرانا جوہر ہے اور عربوں کا بہت پرانا مقولہ ہے ، الشئ من معدنہ لا يستغرب (کوئی چیز اپنے منبع و مخرج میں تعجب خیز نہیں سمجھی جاتی) اور یہ پاکیزہ روح اپنے وسیع و عمیق مفہوم کے ساتھ اس قوم کے قابل فخر کارناموں اس کی سرفروشی و جانبازی اور اس کی سلطنت و حکومت ہر چیز میں جلوہ گر رہی ہے اور اسی نے ان کو اپنے ملک کے حدود سے باہر نکلنے سے بفلک پہاڑوں کا سینہ چیز نے پر آمادہ کیا اور یہ اسلام کی مشعل اور تہذیب و ثقافت اور حسن انتظام کی صلاحیتیں لئے ہندوستان تک پہنچی ہیں نے اس قوم کی تاریخ میں اسکی عظمت کی داستانوں میں طویل مدت گزاری ہے افغانستان کے پڑوسی ملک ہندوستان کا شہری ہونے کی وجہ سے ممکن تھا کہ اس سے بہت پہلے میں اس ملک کا دورہ کرتا لیکن مشیت ایزدی نے اسے تا حال موقوف و مؤخر رکھا شاید اس میں خدا کی کوئی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہو محترم حاضرین زمانہ قدیم میں عرب اس ملک کو بہت دور دراز کا ملک سمجھتے تھے اسے مسافت کی دوری اور راستوں کی دشوار گزاری کے

لئے بطور مثال پیش کرتے تھے اور اس سارے ملاقات کو خراسان کہتے تھے ایک عرب شاعر کہتا ہے۔ ع

قالو اخر اسان اقصی ما بر ادنا

تم القفول فقد حننا حور اسانا

(لوگوں نے کہا خراسان ہماری آخری منزل ہے پھر اس کے بعد واپس ہوؤ، تو یہ لوہم خراسان پہنچ گئے)

لیجئے ہم لوگ بھی خراسان پہنچ گئے افغانستان میں داخل ہو گئے اس کی سرسبز و شاداب سر زمین کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جسے خدا نے فطری حسن و صحت افزا آب و ہوا اور دوسری بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

ولما نزلنا منزلا طله الندى

أنيقا وبستانا من النور حالیا

اجدلنا طیب المکان و حسنہ

منی فتمینا فکنت الامانیا

یعنی ہم جب بھی کسی شاداب اور خوب صورت جگہ پہنچے جسے شیخ نے ترک کر رکھا ہو اور گلیوں نیا راستہ کر رکھا ہو اور اس مقام کی دلکشی و رعنائی نے ہماری خوابیدہ تمنائیں بیدار کر دیں تو حاصل تم ہی نکلے۔

اس ملک میں داخل ہوتے وقت ہمارا بھی یہی حال تھا ہم بھی سی کیفیت سے دوچار تھے بات سے بات نکلتی ہے اور ایک چیز سے دوسری چیزیں یاد آتی جاتی ہیں چنانچہ اس خطہء ارض اور خدا کے عطا کردہ اس کے حسن و جمال نے اس ذات والا صفات کی یاد تازہ کر دی نئی زندگی جن کی رہن منت ہے وہ ذات جس نے ہماری زندگی کی کاپلٹ دی پرانی دنیا سے نئی دنیا میں پہنچا دیا اور ہماری زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا۔ یاد رکھئے وہ ذات گرامی ہمارے آقا محمد ﷺ کی ذات تھی آپ سے پہلے ہمارے جسم تھے روح نہیں تھی محض نام ہی نام تھا مگر اس نام کا کوئی مصداق نہیں تھا صرف صورت تھی حقیقت نہیں تھی اور قومیں تھیں لیکن ان کی زندگی کا کوئی مقصد اور ان کے پاس نوع انسانی کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا اس محبوب و محترم ذات نے ان قوموں اور امتوں کو

جدید تشخص و امتیازات سے متصف کیا اور نیا پیغام عطا کیا وہ مضبوط و محبوب اسلامی تشخص جو طاقت و قوت جو انمردی اور حسن اخلاق کے عناصر اور تمام انسانی صفات و کمالات کا جامع ہے اور پیغام کی بہترین تعبیر و تشریح عرب مسلمانوں کے ایک قاصد نے شہنشاہ ایران یزدگرد کے دربار میں کی شہنشاہ نے قاصد سے سوال کیا تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ اللہ نے ہمیں اسلئے بھیجا ہے کہ ہم اس کی مرضی کے مطابق انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدائے وحدہ لاشریک کے دربار میں سجدہ ریز کر دیں اور دوسرے ادیان و مل کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل و انصاف کی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیں۔
محترم سفراء اور معزز وزراء۔

آپ جن اقوام و ممالک کی نمائندگی کر رہے ہیں آپ تو ان کا حقیقی اور دیانت دار نمائندہ سمجھتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ اس سے بھی بہتر اور بلند تر ثابت ہوں ساتھ یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ کی ذمہ داریوں اور آپ کے فرائض کا تقاضا ہے کہ آپ ضابطہ کے کام اور متعین ڈھرے کی کارروائی تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔

مشرق آپ سے کارکردگی کے اس سے وسیع میدان اور اس سے زیادہ اہم کام کا مطالبہ کر رہا ہے آج مشرق کو کتاب زندگی کے حاشیہ پر اور قافلہ حیات میں سب سے پیچھے جگہ ملی ہے مغرب احکام صادر کرتا ہے اور یہ اطاعت گزار ہے وہ کہتا ہے اور یہ سننے پر مجبور وہ قیادت کرتا ہے اور وہ اس کے پیچھے چلتا ہے وہ استاذ ہے اور یہ شاگرد اس لئے کہ مشرق مغرب کے دستر خوان کی ریزہ چینی پر زندگی گزار رہا ہے اس کے پاس نہ کوئی شخصیت ہے نہ پیغام اور قومیں اور تہذیبیں شخصیتوں اور پیغاموں ہی سے زندہ رہتی ہیں لہذا مشرق کیلئے شخصیت اور پیغام تلاش کرنا ضروری ہے ایسی شخصیت جس میں قوت ہو اعتماد ہو جس کے اندر ثبات و استقامت کا جوہر ہو جس میں جدت طرازی اور ندرت آفرینی کی صلاحیت ہو جس میں خود اعتمادی و خود شناسی ہو اسی طرح ایسا پیغام جس میں اخلاص پاکیزگی لطف و رحمت عدل و مساوات اور امن پسندی اور اخوت ہو آپ کو دور کی کوڑی لانے اور بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں پیغام آپ کے سامنے ہے وہ اسلام کا پیغام ہے جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے اور جس کا حامل بنایا ہے ہمیں کسی نئے دین کی ضرورت نہیں بلکہ اس دین پر نئے ایمان کی ضرورت ہے ہمیں کوئی نیا

پیغامِ درکار نہیں بلکہ اسی پیغام کے لئے جوش اور ولولہ کی ضرورت ہے اسلامی شخص کو قوت پہنچانے اور اسے مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے تاکہ گردشِ ایام پیچھے پلٹ جائے اور پرانی تاریخ پھر دہرائی جائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین